الفیوضات النبویۃ فی الفتاوی الحنفیۃ

معروف بہ

فتاویٰ اتراکھنڈ

مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

نوری دارالافتاء، مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور

الفیوضات النبویہ فی

الفتاوی الحنفیہ

معروف بہ

فتاویٰ اُتراکھنڈ

مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلّہ علی خاں کاشی پور

تفصیلات

کتاب : فتاوی اُتراکھنڈ

مصنف : مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

نظر ثانی : علامہ مفتی قاضی شہید عالم صاحب دام ظلہ

جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

علامہ مفتی محمد سلیمان صاحب قبلہ برکاتی مدظلہ

دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد

صفحات : ۴۰۳

اِشاعت : ۲۰۱۳ء - ۱۴۳۵ھ

ناشر : نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلّہ علی خاں کاشی پور

رابطہ : zulfaqarkhan917@yahoo.co.in

کتاب ملنے کے پتے

رضوی کتاب گھر قلعہ بازار کاشی پور

کتب خانہ نعیمیہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد

نعیمی کتب خانہ دیوان بازار مرادآباد

انتساب

میں اپنی اس ادنی سی کاوش کو **افقہ الفقہاء امام المحدثین والمجتہدین شمس الاولیاء والاصفیاء مقدام العلماء والفقہاء الی یوم القیامہ حضرت نعمان بن ثابت امام اعظم ابوحنیفہ** علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ بابرکات سے منسوب ومعنون کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں جو بشارت نبوی

"لو کان الایمان عند الثریا لذھب بہ رجل من ابناء فارس حتی یتناولہ" (اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو مردان فارس میں سے ایک شخص اس تک پہنچ جائے گا اور اسے حاصل کرلے گا) کے اصل مصداق ہیں۔ اور قیامت تک آنے والے ان کے ہر پیروکار کے لئے اللہ رب العزت کی بارگاہ سے مژدۂ مغفرت عطا ہوچکا ہے۔ جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ کتب میں ہے کہ ہاتف غیبی نے آوازدی **"یا ابا حنیفۃ قد غفرنا لک ولمن تبعک ممن کان علی مذھبک الی یوم القیامۃ"** (اے ابوحنیفہ تم نے ہمیں جس طرح پہچاننا تھا پہچان لیا اور ہمارے دین کی بہترین خدمت کی لہٰذا ہم نے تمہاری اور قیامت تک آنے والے تمہارے ہر پیروکار کی مغفرت فرمادی۔

گر قبول افتد زہے عز وشرف

امیدوار کرم

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

غفرلہ ولوالدیہ

ھدیہ تشکر

حدیث شریف میں ہے:

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

جو لوگوں کا شکر گزار نہیں وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرسکتا۔

میں ممنون ہوں ان تمام حضرات کا جنہوں نے اس مجموعہ کے منظر عام تک لانے میں میرے ساتھ تعاون کیا

☆ اپنے اساتذہ کرام خصوصاً حضرت علامہ مفتی شبیر حسن صاحب (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ روناہی فیض آباد)، حضرت علامہ مفتی محمد سلیمان صاحب (جامعہ نعیمیہ مراد آباد) کا - جنہوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی۔

☆ اکابر علماء کرام خصوصاً حضرت علامہ قاضی شہید عالم صاحب (شیخ الحدیث والافتاء جامعہ نوریہ بریلی شریف)، حضرت العلام مفتی صالح صاحب (شیخ الحدیث الجامعۃ الرضا بریلی)، حضرت العلام مفتی شاہد حسین صاحب (مفتی شہر رامپور)

مفتی مکرم صاحب (مفتی شہر دہلی)، مفتی محمد عاقل صاحب (پرنسپل منظر اسلام بریلی شریف) اور مفتی مطیع الرحمٰن صاحب (الجامعۃ الرضا بریلی شریف) - جنہوں نے میرے فتاوی کو شرف مطالعہ سے نوازا اور دعائیہ کلمات تحریر فرما کر میرے فتاوی کو اپنی بارگاہ سے سند قبولیت کا درجہ عطا فرمایا۔

☆ محبان گرامی وقار مفتی محمد حسین قادری صاحب اور مفتی محمد کاشف رضوی

صاحب کا بھی ممنون ہوں- جنہوں نے میرے اس فتاوی پر مبسوط مقدمہ لکھ کر میری حوصلہ افزائی کی۔

☆ عزیزان گرامی محترم محمد ثاقب رضا قادری اور محمد ناظم منصوی مرادآبادی- جنہوں نے اپنے مفید مشوروں سے نواز کر صحیح طور حق دوستی نبھایا۔

☆ آخر میں جملہ اراکین کمیٹی نوری دار الافتاء مدینہ مسجد اور اہلیان کاشی پور اور اس کتاب کی اشاعت میں تعاون کرنے والے سبھی حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی بے پناہ محبتوں اور بے لوث تعاون کے طفیل یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئی ہے۔

اللہ عزوجل ان سب معاونین کو دارین کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

احقر العباد

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی عفی عنہ

نوری دار الافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خان کاشی پور

تحدیث نعمت

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

نحمدہ و نصلی علی حبیبہ الکریم

تبلیغ دین کے یوں تو بہت سے ذرائع ہیں لیکن قلم دین کی تبلیغ کا موثر ترین ذریعہ ہے یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے زبان کی نسبت قلم سے زیادہ کام لینے کی کوشش کی ہے۔ احقر نے بھی علماء کی تقلید میں ہمیشہ قلم کو ہی ترجیح دینا مناسب جانا، دور طالب علمی ہی سے دین کے کسی نا کسی گوشہ پر لکھنا شروع کر دیا۔

تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرتا چلوں کہ جب میں ملک کے مشہور ادارہ الجامعۃ الاسلامیہ روناہی فیض آباد میں ثالثہ جماعت کا طالب علم تھا اس وقت ایک کتاب بنام **"معراج المومنین"** لکھی، مفتی قاضی شہید عالم صاحب نے اس کی تصحیح فرمائی اور تقریظ بھی تحریر فرمائی جس نے میرے حوصلوں کو بے پناہ قوت و توانائی عطا فرمائی۔

جامعہ نعیمیہ کے ایام طالب علمی میں طلباء کو اساتذہ کی جانب سے **"علماء کرام اور موجودہ سیاسی تقاضے"** کے موضوع پر مضمون لکھنے کا حکم ہوا، اور کہا گیا کہ تمام طلبہ میں جس کا مضمون اساتذہ کو پسند ہوگا وہی ماہنامہ اشرفیہ (مبارک پور) میں اشاعت کے لیے بھیجا جائے گا۔ سبھی طلبہ مضمون لکھنے میں مصروف ہو گئے احقر نے بھی اوراق گردانی شروع کی اور ایک دو دن ہی میں چار پانچ صفحات پر مشتمل مضمون لکھ کر اساتذہ کو پیش کر دیا۔ مجھ سے پیشتر اور بعد کئی طلبا نے مضامین اساتذہ کرام کی بارگاہ میں پیش کئے- لیکن میرے مشفق اساتذہ خصوصاً مفتی ایوب صاحب، علامہ ہاشم صاحب۔ مفتی ممتاز صاحب علیہ الرحمہ اور مفتی سلیمان صاحب قبلہ نے

میرے مضمون کو سند پذیرائی عطا فرمائی اور دعاؤں کے ساتھ مجھے وہ مضمون ماہنامہ اشرفیہ کے لئے ارسال کرنے کا حکم دیا میں نے وہ مضمون محترم قاری محمد رفیق صاحب کے توسط سے ماہنامہ کے پتہ پر روانہ کر دیا اور اگلے ہی ماہ جولائی ۲۰۰۵ء میں میرا مضمون رسالہ میں شائع ہو گیا۔

اساتذۂ کرام کی شفقت سے سفرِ قلم جاری رکھنے کی ہمت بندھی، چنانچہ دوران تدریس مفتی ارشد جمال اشرفی کچھوچھہ شریف کی ایک کتاب **"عمامہ اور ٹوپی کی شرعی حیثیت"** کا مطالعہ کیا- اس کتاب میں انہوں نے عمامہ اور ٹوپی کو مستوی العمل قرار دیا اور جا بجا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر تنقید بے جا بھی کی، بات یہیں تک محدود نہیں رکھی بلکہ عمامہ کی فضیلت پر جو احادیث فتاوی رضویہ میں نقل ہوئیں- موصوف نے اُن سب احادیث کو موضوع و باطل قرار دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی تشریحات کو غلط قرار دینے کی سعی کی۔ احقر نے اس کتاب کا رد بنام **" دفع الخمامہ عن احادیث العمامہ "** تحریر کیا، ۱۳۳۰ھ میں عوام الناس کے لئے ایک مختصر کتاب **"سیرت رسول عربی- تاریخ کے آئینہ میں"** تحریر کی۔ اس کے بعد صدر الافاضل کی کتاب **"فیضان رحمت"** (جو تقریباً سو سال قبل شائع ہوئی تھی) پر **حاشیہ و تخریج و تقدیم** کا کام کیا، علامہ سید وجاہت رسول صاحب قبلہ پاکستان نے اس پر دس صفحات پر مشتمل تبصرہ بھی تحریر فرمایا جو غلطی سے کتاب میں شامل نہ ہو سکا ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں شامل ہو جائے گا۔ یہ کتاب حضرت مولانا محمد ایوب اشرفی صاحب جامع مسجد ادارہ ترویج و اشاعت بولٹن کے مالی تعاون سے مکتبہ نعیمیہ (مراد آباد) سے شائع ہو چکی ہے، پاکستان میں مکتبہ برکات المدینہ، کراچی بھی اسے شائع کر چکا ہے۔

ایک سہ ماہی جریدہ بنام **"جام شرافت"** کا اجراء کیا، جس کے چند شمارے شائع ہوئے- یہ رسالہ بھی اکثر میرے ہی مضامین پر مشتمل رہا۔

ابھی دو ماہ پیشتر عصمت انبیاء علیہم السلام کے متعلق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ایک نایاب فتوی پر تخریج و تحشیہ و تقدیم کا کام کیا جو **"انبیاے کرام گناہ سے پاک ہیں"** کے نام سے **ادارہ تحفظ عقائد اہل سنت** (پاکستان)، **مکتبہ نعیمیہ** (دہلی) اور **نوری مشن** (مالیگاؤں) سے چھپ چکا ہے۔

صدر الافاضل کی سند السمی بالکتاب المستطاب **"المحتوی علی الاسانید الصحیحہ"** (عربی) پر کام کیا، دو سو سے زائد راویوں کی تحقیق پیش کی عربی زبان میں اس پر ایک طویل مقدمہ لکھا نیز **"اسانید صدر الافاضل"** کے نام سے اردو میں بھی ترجمہ بھی کیا۔

صدر الافاضل کی ایک کتاب بنام **"حق کی پہچان"** پر تخریج کا کام کیا۔

یہ کتابیں ۲۷ رمئی ۲۰۱۳ء کو منظر عام پر آ گئی ہیں۔

مزید درج ذیل کتب زیر ترتیب ہیں:

☆ سوانح صدر الافاضل

☆ شدھی تحریک اور صدر الافاضل

☆ محاسبۂ قادیانیت (سنی صحافت کی روشنی میں)

☆ تحریک التوائے حج

☆ رکعات نماز کا ثبوت احادیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں

☆ اعلیٰ حضرت کا ایک تاریخی مناظرہ

علاوہ ازیں پاک و ہند کے موقر جرائد و رسائل میں مضامین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔

مؤرخہ ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ سے سرزمین **کاشی پور** میں فتوی نویسی کا کام شروع کیا اور اب تک یہ خدمت جاری ہے، ان دو ڈھائی سالوں میں جو فتاوی تحریر ہوئے ان کا مجموعہ پیش نظر کتاب کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مجھے اپنی کم مائیگی اور علمی بے بضاعتی کا بھر پور احساس ہے۔ یہ سب میرے پاک پروردگار کا فضل واحسان اور اس کے پیارے حبیب نبی مکرم نور مجسم رحمت عالم شاہ بنی آدم ﷺ کی عنایت خسروانہ ہے کہ مجھ ناچیز کو اس خدمت کی توفیق میسر آئی۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے تمام عمر دین متین کی خدمت کی سعادت عطا فرمائے اور علم نافع، عمل صالح اور اخلاص کی دولت نصیب ہو۔

میں اللہ جل مجدہ، رسول رحمت ﷺ، اولیاء اُمت وعلمائے ملت کی ذوات علیا کے سہارے تحریر وتحقیق کی اس دشوار گزار راہ میں حصول منزل کی جستجو لیے سرگرداں ہوں۔

میں قطرہ ہو کے بھی طوفان سے جنگ لیتا ہوں
مجھے بچانا سمندر کی ذمہ داری ہے

ارباب علم ودانش مفکرین قوم وملت علماء اہل سنت کی خدمت میں بصد ادب واحترام عرض ہے کہ اگر کہیں لغزش پائیں تو طعن وتشنیع سے اپنی زبان وقلم کو پراگندہ نہ فرمائیں بلکہ اپنے مناصب جلیلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے درگزر فرمائیں اور اغلاط پر بنظر اصلاح تنبیہ فرمائیں۔

اُمیدوار کرم

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور

فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر
دعائیہ کلمات مفتی شبیر حسن صاحب شیخ الحدیث والافتاء جامعہ رونا ہی فیض آباد	۱۷
تقریظ مفتی سید شاہد علی رضوی قبلہ قاضی شرع ومفتی رامپور	۱۸
تقریظ مفتی صالح صاحب قبلہ شیخ الحدیث الجامعۃ الرضا بریلی شریف	۲۰
تقریظ مفتی مکرم صاحب شاہی امام فتحپوری مسجد دہلی	۲۱
تقریظ مفتی محمد سلیمان صاحب قبلہ نعیمی نائب مفتی جامعہ نعیمیہ مرادآباد	۲۲
تقریظ قاضی شہید عالم صاحب قبلہ شیخ الحدیث والافتاء جامعہ نوریہ بریلی	۲۴
تقریظ علامہ محمد عاقل صاحب قبلہ صدر المدرسین منظر اسلام بریلی شریف	۲۵
تقریظ مفتی مطیع الرحمٰن صاحب قبلہ مفتی الجامعۃ الرضا بریلی شریف	۲۷
تقدیم مفتی محمد حسین صاحب مفتی دارالافتاء کنز الایمان کراچی پاکستان	۳۰
فتوی نویسی ایک جائزہ مفتی محمد کاشف صاحب دارالافتاء احیاء اکیڈمی بنگلور	۴۲
کتاب الایمان والکفر	۴۸
ہاسمی تعالیٰ لکھنا جائز نہیں	۴۹
تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے	۴۹
عزوجل اللہ عزوجل کے لئے بولا جاسکتا ہے	۵۰
''کرشن کنہیا کافر تھا لیکن وہ ایک ہی بار میں سوجگہ حاضر ہوگیا'' کہنے کا حکم	۵۰
''لاالہ الا اللہ چشتی رسول اللہ'' کہنے کا حکم	۵۲
خواجہ غلام فرید چاچڑاں شریف کے ایک شعر پر اعتراض کا جواب	۵۵
وجود باری کے منکر کا حکم	۵۹
'اللہ نام کی کوئی چیز نہیں' کہنے والے کا حکم شرعی	۵۹

''نبی ﷺ نے اپنے نام کے لئے نواسے کو شہید کرایا'' کہنے والے پر شرعی گرفت	۵۹
فتویٰ کا انکار اور شریعت پر طبیعت کو ترجیح دینے کا شرعی حکم	۶۰
حاتم طائی کا کفر وایمان اور اس کی سخاوت	۶۶
باب الصلوٰۃ	۷۰
پنجگانہ نماز کی رکعات کا ثبوت احادیث سے	۷۱
اذان سے قبل صلوٰۃ وسلام پڑھنا	۸۶
بدمذہبوں سے میل جول رکھنے والے کی امامت کا حکم	۸۶
بدمذہب کا جنازہ بدمذہب امام کی اقتدا میں پڑھنے کا حکم	۹۲
امام کا حافظ قرآن ہونا ضروری نہیں	۹۴
مکروہ اوقات کا بیان اور فجر کا مستحب وقت	۹۶
کلمات اذان واقامت کی ادائیگی کا سنت طریقہ	۱۰۱
غیر وسط میں محراب کی رعایت جائز نہیں	۱۰۳
امام کا محراب سے ہٹ کر نماز پڑھانے کا حکم	۱۰۶
امام اور مقتدی کے درمیان شیشے کے دروازے مانع اقتدا نہیں	۱۰۹
وہابی ودیوبندی امام کے پیچھے نماز کا حکم	۱۱۱
دیابنہ کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا شرعی حکم	۱۱۵
تشہد کے وقت انگلی اٹھانے کا صحیح طریقہ	۱۱۷
سنت غیر مؤکدہ کے قعدۂ اولی میں تشہد کے بعد درود پڑھنے کا حکم	۱۱۸
فرض رکعات سے زائد رکعت پڑھنے کا تفصیلی حکم	۱۲۱
نماز کے بعد آیۃ الکرسی کی فضیلت	۱۲۹
مصلے کا کونا لوٹ دینے کا حکم	۱۳۱

امام کا تین انگلیوں میں تین انگوٹھی پہن کر نماز پڑھانا از روئے شرع کیسا؟	۱۳۳
داڑھی کٹانے والے امام کی امامت؟	۱۳۳
حالت سجدہ میں دونوں پیروں کو اوپر اٹھانے سے نماز ہوگی یا نہیں؟	۱۳۳
اولیاء اللہ کو مٹی کا ڈھیر کہنے والے کی امامت کا حکم؟	۱۳۳
دیہات میں جمعہ کی نماز کا حکم	۱۴۱
ایک امام کی مسائل شرعیہ میں غلط بیانی	۱۴۶
پانی کی موجودگی میں تیمّم سے نماز پڑھنے کا حکم؟	۱۴۶
تیمّم کن صورتوں میں جائز ہے؟	۱۴۶
کیا چہلم کی محفل فرض ہے؟	۱۴۶
ایک شعر کا شرعی حکم	۱۵۱
'تیرا تم وغیرہ الفاظ پر مشتمل نعتوں کا حکم	۱۵۲
گائے یا اونٹ کی قربانی میں ۷ افراد تک شرکت کر سکتے ہیں؟	۱۵۴
مودودی اور دیوبندی مولویوں کو نیک ماننے والے کا حکم	۱۵۵
صدقۂ فطر ادا کرنے کا وقت	۱۵۵
شب براءت میں سنو افل کی ادائیگی کیسی؟	۱۵۶
قضا نمازوں کی ادائیگی نوافل کی ادائیگی سے زیادہ اہم	۱۵۷
نماز میں زبان سے نیت کرنا شرط نہیں مستحب ہے	۱۵۸
اہلسنت کی مسجد سے بدمذہبوں کے جلسہ میں شرکت کا اعلان حرام ہے	۱۵۹
باب الجنائز	۱۶۴
چپل پہن کر نماز جنازہ پڑھنا	۱۶۵
باب الحج والعمرہ	۱۷۰
عرفات میں قیام حج کا سب سے بڑا رکن	۱۷۱

آفاقی کا حکم ۱۷۴
حائضہ عورت ایام حج میں ارکان حج کیسے ادا کرے ۱۷۷

باب النکاح ۱۸۰

مزنیہ کی بیٹی سے نکاح حرام ہے ۱۸۱
دیوبندی لڑکے سے سنیہ لڑکی کا نکاح جائز نہیں ۱۸۴
دیابنہ وہابیہ کے یہاں لڑکی دینے کا حکم ۱۸۸
نکاح میں ایک گواہ کی گواہی ۱۹۲
طلاق کے بعد دوسرے سے نکاح ۱۹۴
شوہر کا بیوی کو دوسرے نکاح کی اجازت دینا ۱۹۶
بھاگی ہوئی بیوی کے مہر کا حکم ۱۹۸
متوفیہ بیوی کے مہر کا حکم ۲۰۰

باب الطلاق ۲۰۷

مطلقہ کی عدت اور شوہر کے گھر رہنے کا حکم ۲۰۷
دوائی کے ذریعہ حیض آنے سے عدت کی تکمیل کا مسئلہ ۲۰۹
"تو مجھ پر حرام ہے" کہنے سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟ ۲۱۱
شوہر دو طلاق اور بیوی تین کی دعویدار ۲۱۴
شوہر کا تین طلاق سے انکار ۲۱۷
طلاق مغلظہ اور بیوی کا الفاظ طلاق نہ سننے کا حکم ۲۲۰
وعدۂ طلاق سے طلاق نہیں ۲۲۳
طلاق، مہر، بچی کی پیدائش کا خرچ، بچی پر کس کا حق، وغیرھا چند اہم مسائل ۲۲۵
بیوی خود طلاق لینا چاہتی ہو تو کیا وہ مہر اور زیور لینے کی حقدار ہے؟ ۲۲۵

نابالغہ عورت کے اخراجات کا حکم ۲۲۶
غیر غنی بچہ کی پیدائش کا خرچ باپ پر لازم ہے ۲۲۷
نو سال کی عمر تک لڑکی ماں کے پاس رہے گی ۲۲۷
بالغ لڑکی ماں باپ میں سے جس کے پاس چاہے رہ سکتی ہے ۲۲۸
نابالغ اولاد کی پرورش، تعلیم و تربیت کے اخراجات باپ پر لازم ہیں ۲۲۸
والدین کا بیٹے کو طلاق سے روکنا ۲۲۹
فون پر طلاق کا حکم ۲۳۰
میرے خدا نے بھی تجھے طلاق دی کہنے کا حکم ۲۳۲
شوہر کا تین طلاق سے انکار ۲۳۶
طلاق کے عدد میں میاں بیوی کا اختلاف ۲۳۸
مطلقہ بعد عدت نفقہ کی شرعاً حقدار نہیں ۲۴۰
طلاق مغلظہ کے بعد حلالہ کا حکم ۲۴۴

باب العدة ۲۴۷

عدت کے چند اہم مسائل ۲۴۷
موت عدت کی مدت ۲۴۷
عدت کے احکام ۲۴۸
میت کو خواب میں دیکھنے کا وظیفہ ۲۴۹
تبارک کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے ۲۴۹
عدت کے دوران ضرورتاً اوپر والے مکان سے نیچے آنے کا حکم ۲۴۹
عدت کے دوران کلمہ شریف کے علاوہ کچھ اور پڑھنا کیسا؟ ۲۴۹
بیوی کے لئے مرحوم شوہر کا فوٹو دیکھنا کیسا؟ ۲۴۹
عدت کے بعد بیوی کے لئے نفقہ کا حکم ۲۵۰

باب البیوع ۲۵۳

کافر حربی سے فائدہ لینا ۲۵۳
زمین چھینے والا قیامت میں زمین کے ساتویں طبقہ تک دھنسایا جائے گا ۲۵۵
زبردستی زمین دبا لینے والے کا شرعی حکم ۲۵۶
غصب کردہ زمین کے منافع کا حکم ۲۵۶
برسوں قبل خریدی ہوئی زمین کی قیمت کس وقت کے اعتبار سے دی جائے؟ ۲۵۷

باب الذبائح ۲۵۸

وہابی کے ذبیحہ کا شرعی حکم ۲۵۸

باب الاضحیہ ۲۶۰

خصی جانور کی قربانی افضل ہے ۲۶۰
نبی کریم ﷺ نے خصی جانور کی قربانی فرمائی ۲۶۰
امام اعظم کے نزدیک خصی کی قربانی افضل ہے ۲۶۱
اس کا گوشت لذیذ اور اچھا ہوتا ہے ۲۶۱

باب الحظر والاباحة ۲۶۲

کرائے دار کا مکان خالی کرنے پر مکان مالک سے روپیوں کا مطالبہ کیسا؟ ۲۶۳
فاتحہ و نیاز میں آیات مختلفہ کی تلاوت کا حکم ۲۶۴
دو احادیث کی تحقیق ۲۷۵
بہجۃ الاسرار کی صحت و توثیق پر تفصیلی فتوی ۲۷۷
وہابی صدیق حسن بھوپالی کے نزدیک صحابی کا فعل حجت نہیں ۲۸۶

موبائل پر آیت سجدہ و آیت درود سننے پر سجدہ کرنے اور درود پڑھنے کا حکم ۲۹۰
کیا موبائل سے آیت سجدہ سننے پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے؟ ۲۹۰
موبائل سے آیت درود سننے پر درود پڑھنے کا حکم ۲۹۱
قیمتی موبائل کا استعمال اسراف نہیں ہے ۲۹۲
مسجد میں موبائل سے دینی و دنیاوی بات کرنے کا حکم ۲۹۳
موبائل کے مسائل پر مشتمل تفصیلی فتوی ۲۹۷
اجنبیہ عورتوں سے موبائل پر بات چیت کرنا کیسا ۲۹۷
موبائل آفس میں موجود لڑکیوں سے موبائل پر گفتگو کرنے کا حکم ۲۹۸
موبائل پر گیم کھیلنا کیسا؟ ۲۹۹
موبائل کی اسکرین پر جاندار کی تصویر رکھنے کا حکم ۳۰۰
تصویر کا فولڈر میں محفوظ کر لینا کیسا؟ ۳۰۱
موبائل میں گانے قوالیاں سننا فلمیں دیکھنا کیسا؟ ۳۰۲
کیا موبائل میں گانے فلمیں قوالیاں بھرنا جائز ہے؟ ۳۰۳
موبائل میں گانے وغیرہ بھرنے کی آمدنی کا حکم ۳۰۴
مسجد کے نیچے دوکان میں قرآن وغیرہ کا رکھنا ۳۰۴
آزر حضرت ابراہیم کا چچا تھا ۳۰۶
قیامت ملک شام میں واقع ہوگی ۳۰۸
بالوں کی پیوندکاری (ٹرانسپلانٹیشن) کا شرعی حکم ۳۰۸
داڑھی منڈے کا شرعی حکم ۳۱۵
غیر مسلم سے گوشت بنوانا ۳۱۷
روٹی چومنے کا شرعی حکم ۳۱۹

شوہر کا حائضہ بیوی کی شرمگاہ میں انگلی کا استعمال ناجائز ہے	۳۲۱
اورل سیکس (یعنی میاں بیوی کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو چوسنا) مکروہ ہے	۳۲۲
حائضہ عورت کا شوہر کی منی اپنے ہاتھ سے نکالنے کا حکم	۳۲۳
سیکس ڈول کا استعمال شرعاً کیسا	۳۲۳
مچھر مارنے کی مشین کا شرعی حکم	۳۲۶
کسی جاندار کو جلانا جائز نہیں	۳۲۷
جلا کر عذاب دینا صرف اللہ کے لئے ہے	۳۲۸
۲۵ رسوالات کے تفصیلی جوابات	۳۳۰
اہلسنّت و جماعت کی تعریف	۳۳۲
سنّی کی پہچان	۳۳۲
وہابی نجوث پاک کے طریقہ پر نہیں	۳۳۴
مقلدین کا آپس میں کوئی ذاتی اختلاف نہیں	۳۳۵
محفل میلاد کا انعقاد باعث برکت ہے	۳۳۵
نماز وغیرہ کے بعد کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام پڑھنا	۳۳۷
بزرگوں کے نام پر صدقہ، خیرات کرنے کا ثبوت	۳۳۷
مسلمانوں کو کھانا کھلانا موجب ثواب ہے	۳۳۸؛؛
کھانا آگے رکھ کر فاتحہ پڑھنا اور آپس میں بانٹ کر کھانے کا ثبوت	۳۳۹
شب برأت کے دن حلوہ پکانا، کھلانا، آتش بازی کرنا اور موم بتی جلانے کا حکم	۳۴۰

اذان میں حضور کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے والا کبھی اندھا نہیں ہوگا	۳۴۱
اذان کے بعد صلاۃ پڑھنے کا شرعی ثبوت	۳۴۲
جمعہ میں خطبہ کی اذان مسجد کے دروازے پر سنت ہے	۳۴۴
تکبیر بیٹھ کر ہی سننا چاہئے	۳۴۵
وتر کی نماز واجب ہے اور اس کی قضا بھی واجب	۳۴۹
نماز میں دوسرے مقتدی سے مل کر کھڑے ہونا چاہئے	۳۵۱
بعد نماز دعا کے لئے قبلہ سے منہ پھیر لینا سنت ہے	۳۵۲
نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا جواز	۳۵۴
داڑھی منڈانا حرام اور اس کے مرتکب کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی	۳۵۷
داڑھی کی شرعی مقدار	۳۵۸
مونچھیں بالکل صاف کر دینا بہتر نہیں	۳۶۰
قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا جائز نہیں	۳۶۳
مرنے کے بعد میاں بیوی کا ایک دوسرے کو غسل دینے کا حکم	۳۶۴
قبر کے اندر عہد نامہ رکھنے سے عذاب قبر دور ہوتا ہے	۳۶۶
دفن کے بعد قبر پر اذان پڑھنا فعل مستحسن ہے	۳۶۷
ٹیسٹ ٹیوب بے بی اور اس سے حاصل شدہ بچہ سے متعلق شرعی حکم	۳۶۸
ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے جواز وعدم جواز کی تفصیل	۳۶۹
شوہر کے علاوہ کسی اجنبی کا مادہ منویہ عورت کے مادہ سے ملانے کا حکم	۳۷۱

اجنبی مادہ سے حاصل شدہ بچہ کے نسب سے متعلق شرعی حکم	۳۷۱
کسی سنی کو بدمذہب کہنا اور کسی مسلمان پر بہتان باندھنا کیسا؟	۳۷۲
بدمذہبوں سے میل جول رکھنے والے کا حکم	۳۷۶
علماء کی توہین بسبب علم کفر ہے اور بلاوجہ ہے تو اس پر اندیشۂ کفر ہے	۳۸۰
اللہ اور اس کے حبیب پر افتراء باندھنا کفر ہے	۳۸۱
متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے	۳۸۲
باب المیراث	۳۸۳
میراث میں ماں باپ کا حق	۳۸۳
میت کے وارثین میں ایک لاکھ روپئے کی تقسیم	۳۸۵
مرحوم کی جائداد کے حق دار مرحوم کے بھائی یا بیوی بچے؟	۳۸۸
بیوی بچوں کی موجودگی میں بھائی اور بہنیں وراثت سے محروم	۳۸۸
مآخذ ومراجع	۳۹۰
یادداشت	۳۹۹
گزارش	۴۰۰

⊙⊙⊙

دعائیہ کلمات

البحر الزاخر من المعقول والغیث الماطر من اسرار المنقول

علامہ مفتی شبیر حسن رضوی صاحب قبلہ دام بالفاخر والعالی

(شیخ الحدیث وزیب مسند افتاء الجامعۃ الاسلامیہ قصبہ رونا ہی ضلع فیض آباد)

باسمہٖ تعالیٰ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد! عزیزی موصوف (مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی) ایک باصلاحیت عالم دین وشرع متین ہیں درس وتدریس کے ساتھ فتاوی کا کام بھی انجام دیتے ہیں ضرورت پر وہ اس رضوی فقیر سے استصواب رائے بھی کرتے رہتے ہیں ان کے کچھ فتاوی بھی نظر سے گزرے انہیں دیکھ کر بہت مسرت ہوئی کافی محنت ومطالعہ کتب دینیہ فقہیہ سے کام لیا ہے مولیٰ تعالیٰ عزیزی موصوف کو مزید ترقیوں سے ہمکنار فرمائے اور اس طرح کی دینی خدمات کی زیادہ سے زیادہ توفیق رفیق عطا فرمائے اور مسلک رضوی کا سچا مبلغ وناشر مروج بنائے اور انہیں اور ہم سب اہل سنن کو امام اہل سنن قدس سرہ کے فیوض وبرکات سے مستفیض فرمائے اور دارین کی سعادتوں، برکتوں سے سرفراز فرمائے آمین بجاہ حبیبہ الکریم صلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم۔ فقط

شبیر حسن رضوی

الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی فیض آباد

تقریظ منیر

غواص بحار العلوم کشاف دقائق المعطوق والمفہوم مقدام العلماء

حضرت العلام المفتی سید شاہد علی حسنی رضوی

شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ قاضی شرع ومفتی ضلع رامپور دام ظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ الہ وصحبہ وحزبہ وعلماء امتہ وشھداء محبتہ اجمعین.

اما بعد : محبّ محترم ذی المجد والکرم ذی الطبع السلیم والفکر القویم اخی فی الدین حضرت مولانا مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی سلمہ المنان وحفظہ الرحمٰن اہلسنت وجماعت کی ایک عظیم مرکزی درسگاہ جامعہ نعیمیہ دیوان باز ارمرادآباد کے ہونہار، ہوشیار، ذی شعور وباکردار، وقت اور حالات کے نباض، احوال زمانہ سے واقف کار، نوجوان عالم وفاضل ہیں، ساتھ ہی محقق و مدقق، مؤرخ ومفکر، ادیب وصحافی، مصنف ومؤلف، خطیب ومناظر، صالح ومصلح، ہادی ومہدی اور ذی استعداد وباصلاحیت مستند ومعتمد مفتی بھی ہیں۔

نعیمیات پر زبردست کام کررہے ہیں اردو فارسی اور عربی تینوں زبانوں پر اچھا عبور ہے۔ ان کا علمی اور تحقیقی کام دیکھ کر دل مسرور ہوتا ہے اور زبان پر داد وتحسین کے ساتھ اپنے پیرومرشد آقائے نعمت تاجدار اہلسنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت امام البھاء قطب عالم حضور مفتی اعظم عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کا مندرجہ ذیل شعر بطور دعا موصوف کے لئے برجستہ لبوں پر آرہا ہے گویا نعیمی صاحب بطور دعا اپنے لئے بزبان حال کہہ رہے ہیں:

ع خدا ایسی قوت دے میرے قلم میں
کہ بدمذہبوں کو سدھارا کروں میں

موصوف کا علم حاضر، ذہن رساں، دماغ تازہ اور قلم رواں دواں ہے۔ نعیمی صاحب سلمہ کی بعض تحریرات اور ان کے لکھے ہوئے چند فتاوی فقیر نوری غفرلہ کی نظر سے گزرے میں نے ان کو بغور پڑھا اور سمجھا ماشاء اللہ بہت خوب ہیں قرآن وحدیث، اجماع امت، فقہی جزئیات اور اقوال سلف صالحین سے مدلل ومبرہن ہیں۔ موصوف نے اپنے ان فتاوی میں مخالفین ومعترضین کے اقوال وتحریرات پیش کرکے بہت اچھوتا انداز اختیار کیا ہے جو ان کا دندان شکن جواب بھی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی سلمہ المنان وحفظہ الرحمٰن نے صرف دوسال کی محنت وعرق ریزی کے بعد اپنے مستند ومعتمد ومدلل فتاوی کا ایک مجموعہ بنام **"الفیوضات النبویہ فی الفتاوی الحنفیہ"** تیار کرکے قوم کے سامنے پیش کیا جو اس وقت ہمارے سامنے ہے میں اپنے علم ویقین کی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ موصوف اپنے علم وتقوی بصیرت وذکاوت اور عشق ووجدان کی لطافتوں، طہارتوں اور سعادتوں کے اعتبار سے قطعاً اس خدمت کے اہل ہیں اور بلاشبہ ان کی یہ خدمت احترام واعتماد کی نظر سے دیکھی جانے کے قابل ہے۔ رسم معہود کے مطابق عزیز گرامی وقار نے اپنے اس گرانقدر مجموعۂ فتاوی پر کچھ لکھنے کے لئے مجھ جیسے بے بضاعت ونامزاوار سے فون پر کہا اور اپنے دومخلص شاگردوں کو فتاوی کا کچھ حصہ برائے مطالعہ دے کر بھیجا کہ اب معذرت کی گنجائش باقی نہ رہی ویسے یہ حقیقت ہے کہ اس عظیم خدمت کا میں اہل نہیں ہوں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ موصوف کو اس گرانمایہ دینی خدمت پر اجر جزیل عطا فرمائے اور اس مجموعۂ فتاوی کو قبول عام وخاص فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

فقیر نوری سید شاہد علی حسنی رضوی جمالی

مرکزی درسگاہ اہل سنت الجامعۃ الاسلامیہ رامپور

تقریظ جلیل

جامع معقول ومنقول مقدام العلماء الفحول بقیۃ السلف عمدۃ الخلف

حضرت العلام مفتی محمد صالح قادری صاحب دام ہالمفاخر والمعالی

شیخ الحدیث، مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، بریلی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعض احباب سے سن کر معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مفتی ذوالفقار صاحب نعیمی ایک اچھے عالم دین ووقیع مفتی ہیں اور بڑی علمی عملی خوبیوں کے جامع ہیں گویا جواں سالی میں شیخ کبیر ہیں۔ حسن افتاء، کثرت مطالعہ، زود نویسی، ملت کی خیر خواہی وغیرہ صفات حمیدہ سے متصف ہیں۔ اس خبر سے مجھے بڑی مسرت ہوئی اور ہر سُنی کو ہونی چاہئے۔ مولائے کریم رب قدیر حضرت مفتی صاحب موصوف کی دینی کاوشوں کو مشکور فرمائے اور قوم وملت کو ان کی ذات و کارکردگی سے خوب نفع بخشے۔ آپ کا مجموعہ فتاوی جو زیر کتابت وطباعت ہے اگرچہ میں نے نہیں دیکھا ہے مگر بعض احباب کی تقریظات مشعر ہیں کہ ایک قابل قدر ولائق اعتماد کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسے مقبول عام کرے۔ بحرمت نبی رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم والحمد للہ رب العلمین فی الاولیٰ والآخرۃ۔

راقم الحروف پُرقصور

محمد صالح قادری بریلوی غفرلہٗ

خادم الطلبہ بجامعۃ الرضا، بریلی شریف

۱۳ر صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

تقریظ جلیل

الصنديد المعظم والمسقع المفخم حضرت العلام

مفتی محمد مکرم احمد نقشبندی دام فیضہ

مسند نشین مفتی اعظم دہلی وشاہی امام فتح پوری مسجد دہلی

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد: فقیہ اعظم مفتی اعظم امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں "لولا الخوف من اللہ تعالیٰ ان یضیع العلم ماافتیت" (اگر علم کے ضائع ہونے پر اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا تو میں فتویٰ نہ دیتا)

امام کے مذکورہ بالا قول مبارک سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ فتویٰ نویسی نہایت ہی کٹھن اور اہم کام ہے اس کام میں، سوجھ بوجھ، علم، استقامت، اصابت رائے، تقویٰ، حالات زمانہ سے واقفیت، دینی مسائل کا استحضار جیسی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم بھی شامل حال ہونا ازحد ضروری ہے، حضرت علامہ مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی مدظلہ العالی ماشاء اللہ صاحب نسبت اور فقیہانہ ذوق کے حامل ہیں ان کے لکھے ہوئے چند فتاوی میں نے بالاستیعاب دیکھے موصوف کے فتاویٰ مفصل جامع اور مدلل ہوتے ہیں اپنے اسلاف سے اور اساتذہ کرام سے جو کچھ حاصل کیا ہے اسے عوام وخواص تک پہنچانے میں ہمہ وقت مصروف ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اجر جزیل عطا فرمائے آمین۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم.

محمد مکرم احمد نقشبندی

۲ر جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ

تقریظِ جلیل

العالم الامعی والفاضل اللوذعی حضرت العلام

مفتی محمد سلیمان صاحب نعیمی برکاتی عم فیضہ

نائب مفتی دار الافتاء جامعہ نعیمیہ مراد آباد

نحمدہ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم

اصطلاحِ شرع میں افتاء کے معنی شرعی حکم اور فیصلہ سنانا ہے علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں ''الافتاء فانہ افادۃ الحکم الشرعی''فتوی دینے کا مطلب حکم شرعی سے آگاہ کرنا ہے اور امام عشق ومحبت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے اس کی تعبیر یوں بیان فرمائی ہے: انما الافتاء ان تعتمد علیٰ شیء وتبین لسائلک ان ھذا حکم شرعی ''فتوی دینے کے معنی پورے اعتماد کے ساتھ سائل کو اس کے سوال کا حکم شرعی بتانا ہے [فتاوی رضویہ، جلد اوّل] ان اقوال سے یہ بات اظہر من الشمس واجلیٰ من القمر ہے کہ فتوی اور افتاء کو مذہب اسلام میں ایک عظیم مقام حاصل ہے ہر دور میں مفتیانِ کرام وفقہاء عظام نے سائلین مسائل شرعیہ کو تسلی وتشفی بخش جواب عطا فرما کر سیرابی وآسودگی عطا فرمائی ہے، اور گمراہیت ولادینی سے نکال کر صراطِ مستقیم پر چلنا سکھایا ہے آج اس دور الحاد وفتن میں جبکہ قحط الرجال ہے حضرت علامہ مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی فاضل جامعہ نعیمیہ دیوان بازار مراد آباد نے درجۂ تخصص سے اعلیٰ کامیابی جامعہ سے حاصل کی۔ اور اوّل نمبر پر دستارِ افتاء سے نوازے گئے۔ اور بعد فراغت انہوں نے کافی تعداد میں آنے والے سوالات کے تحقیقی جوابات لکھے جو آپ کے پیش نظر ہیں۔ میں نے بالاستیعاب تمام جوابات پڑھے بحمد اللہ تعالیٰ دلائل وبراہین سے مزین پایا اور مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ومسلک اعلیٰ حضرت کے

مطابق پایا۔ میری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے وطفیل مفتی موصوف کو مزید توفیق عطا فرمائے اور احقاق حق وابطال باطل کا جذبۂ کامل عطا فرمائے اور آپ کی عمر وعلم وعمل میں برکتیں فرمائے: آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم،

محمد سلیمان نعیمی برکاتی

خادم التدریس والافتاء جامعہ نعیمیہ مراد آباد

مورخہ ۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ

تقریظِ جلیل

بحرِ ذخار علوم عقلیہ ونقلیہ

حضرت علامہ مفتی قاضی شہید عالم رضوی دامت برکاتہم القدسیہ

شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

باسمہ و حمدہ تعالیٰ

فاضل نوجوان حضرت مولانا مفتی ذوالفقار خان صاحب نعیمی ایک بالغ نظر عالم، باریک بیں مفتی اور کثیر المطالعہ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی فعال اور متحرک شخصیت کے مالک ہیں۔

موصوف کے فتاویٰ کا مجموعہ باصرہ نواز ہوا- دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی، اس نوعمری میں ہی موصوف نے اس منزل کو پالیا ہے جہاں تک پہنچنے کے لئے کسی ماہر فقیہ کے زیر سایہ ایک طویل مدت تک مشاقی کی ضرورت پڑتی ہے۔ مجموعہ فتاویٰ ایک بیش قیمت علمی خزانہ ہے۔ سوال منہی، سوال کے ہر پہلو کا احاطہ، قوت استدلال، استحضار جزئیات ہر پہلو سے موصوف کا مجموعہ فتاویٰ قابل ستائش ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس مجموعہ کو قبولیت عام عطا فرمائے اور موصوف کو ایک تبحر عالم اور فقیہ بنائے اور اسی طرح زیادہ سے زیادہ دین کی خدمت کرتے رہنے کا جذبہ وحوصلہ مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

قاضی شہید عالم رضوی

جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

مؤرخہ ۷ صفر المظفر ۱۴۴۴ھ

تقریظِ جلیل

العالم الاکمل فاصل بین الحق والباطل حضرت علامہ مفتی محمد عاقل دام فیضہ

صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محبّ مکرم فاضل نوجوان حضرت مولانا محمد ذوالفقار صاحب نعیمی دام ظلہ دینی لگن، مذہبی حمیت، علمی فکر جیسے اوصاف جلیلہ میں اپنے ہم عصر نوجوان علماء میں انفرادی شخصیت کے حامل ہیں۔

یہ تلخ حقیقت ہے کہ آج کل نئی نسل کے علماء میں کبر ونخوت، تن پروری، آرام پسندی، مسلکی بے رہ روی کے گھٹیار جحانات پائے جارہے ہیں، جو خود ان کے لئے نیک فال نہیں ہیں، ان حالات میں مولانا موصوف کا کردار وعمل اور ان کی مسلکی خدمات کا وسیع دائرہ ان کے لئے مشعل راہ ہے، یہ جہاں رہتے ہیں دینی کام میں لگے رہتے ہیں بلکہ شب وروز ان کی انتھک کوششوں سے میدان عمل ہموار کرتے ہیں، ان کی تمام تر کدوکاوش، محنت وجانفشانی کا محور مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر واشاعت ہے اس سے پہلے بھی ان کے کئی مضمون اور ایک دو مستقل تصنیف نگاہ سے گذری، بہت اچھا اور علمی انداز میں لکھنے کے عادی ہیں اب مجھے یہ جان کر بے پناہ مسرت ہوتی ہے کہ معتمد علماء کی نظر ثانی کے بعد اپنے فتاویٰ کا مجموعہ شائع کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت محدث بریلوی رضی اللہ عنہ کے گراں قدر علمی فتاویٰ کا مجموعہ (العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ) اہل سنت کا سرمایۂ افتخار ہے جس کا عشر عشیر بھی کسی جماعت کے پاس نہیں۔ فتاویٰ میں قرآن وسنت سے مدرت استدلال کی کثرت، کلام فقہاء سے مسائل جدیدہ کا حسن استنباط، ائمہ کے مختلف اقوال میں واضح تطبیق اپنے موقف

کی تائید میں مضبوط دلائل کی فراوانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر عظیم فقیہ ماضی قریب میں کوئی دوسرا نہیں گذرا۔

اعلیٰ حضرت کا علمی فیضان اور فتاویٰ رضویہ کی کرامت کہیے کہ آج فتاویٰ امجدیہ، فتاویٰ حامدیہ، فتاویٰ مصطفویہ، فتاویٰ فیض الرسول، فتاویٰ شارح بخاری جیسا قیمتی سرمایہ اہل سنت کے ہاتھوں میں ہے۔

بجتا ہے آج علم کا جو ساز دوستو
ہے یہ بھی اس جرس کی آواز دوستو

میں اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے مولانا موصوف کے فتاویٰ کا مطالعہ تو نہ کر سکا البتہ ان کی قلمی ثقاہت، علمی لیاقت اور سابقہ تحریروں سے امید ہے کہ ان کے گراں قدر فتاویٰ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسلک اعلیٰ حضرت کی آئینہ دار ہونگے۔ اور انہیں علمی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ اللہ رب العزت جل جلالہ مولانا موصوف کی اس علمی کاوش کو قبولیت کا اعزاز بخشے اور ان کے قلم میں مزید پختگی، فکر میں بلندی اور حوصلوں میں مزید بلندی عطا فرمائے ہمیشہ ان کے قلم کی سیاہی جادۂ مستقیم پر گامزن رہے دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہ نبیہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

محمد عاقل رضوی غفرلہٗ
خادم جامعہ رضویہ منظر اسلام سوداگران بریلی شریف
۵ر صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

تقریظِ جلیل

الادیب اللبیب الفاضل النسیب
حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن نظامی مدظلہ العالی

زیب مسند تدریس وافتاء مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا
مرکز نگر متھراپور، بریلی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سبحانہ ما اعظم شانہ یضل من یشاء و یھدی من یشاء و الصلوٰۃ و السلام علیٰ من شید الایمان و رفع درجات الذین اوتوا العلم و الاتقان و علیٰ آلہ و اصحابہ الذین ایدوا الاسلام و الایمان و السلام علیٰ الذین استنبطوا المسائل من الاحادیث و القرآن یبتغون فضلا من اللہ و الرضوان.

اما بعد! قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین۔

پیش نظر مجموعہ فتاویٰ کی کتاب مستطاب محبّ گرامی وقار مرجع عوام وخواص کاشی پور حضرت العلام مولانا المکرّم ذوالطف والکرم مفتی محمد ذوالفقار خان ایدہ الرحمٰن بفضل سید الانس والجان صاحب کا گراں مایہ بیش بہا علمی سرمایہ اور صرف دو (۲) سالہ محنت کا عظیم ذخیرہ ہے۔ اس حقیر فقیر غفرلہٗ القدیر نے بھی موصوف کے مجموعہ فتاویٰ کا مطالعہ کیا ہر فتویٰ زیور دلائل و براہین اور جزئیات سے آراستہ پایا جو افتا کی اک شان ہے اور تحقیقات وتنقیحات سے مزین جو فتویٰ نویسی کا اعلیٰ معیار ہے ہر زاویہ سے موصوف کی کاوش سراہے جانے کے لائق اور قابل صد ستائش ہے۔

موصوف محترم نوجوان مفتیانِ کرام میں اپنی الگ ہی پہچان رکھتے ہیں عربی فارسی اور

اردو کتابوں کا مطالعہ بھی اتنا وسیع ہے کہ بآسانی سائلین کے سوالات حالات حاضرہ کے تناظر میں سمجھ کر برجستہ جوابات استحضار جزئیات کی روشنی میں سپرد قرطاس کرتے ہیں۔

کچھ سوالات تو ان سے ایسے بھی کئے گئے جس سے خواہی نخواہی ذہنی الجھنیں پیدا ہو جانا لازمی وضروری ہے اور کم علمی کی بناء پر فساد عقیدہ کا بھی امکان نظر آتا ہے۔ مگر موصوف نے ایسے واہیات ذہنیت رکھنے والوں کے سوالات کے بھی جوابات اپنی بالغ علمی اور دقت نظری کا سہارا لے کر فقہا ومشائخ کے علمی فیضان کی روشنی میں تحریر فرما کر عوام کو ضلالت وظلمت اور شیطانی فتنوں سے بچالیا، اللہ تعالیٰ موصوف کو مزید علم وعمل فکر ونظر اور تفقہ فی الدین کی لازوال نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہٖ سید المرسلین۔

مجموعہ فتاویٰ میں ۲/۳ سوالات پر میری نظر پڑی جو پریشان کن تھے جیسے:

۱۔ ''لا الٰہ الا اللہ چشتی رسول اللہ'' کا سوال
۲۔ ''کرشن کنہیا'' کا مسئلہ
۳۔ اور ''ایک معنی خیز شعر'' سے متعلق

مولانا المکرّم مفتی ذوالفقار حفظہ الغفار صاحب نے ان سوالات کے مسکت جوابات درج فرمائے اور یہ بھی واضح کر دوں کہ ایسے واہیات سوالات مذاہب باطلہ فرق عاطلہ ضالہ مضلہ کے لوائے شیطانیت کے سایہ میں زندگی گذارنے والوں ہی کی طرف سے اکثر ہوا کرتے ہیں موصوف سے میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سب انہیں لوگوں کی خباثت ہے۔

مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ موصوف کثیر المطالعہ ہونے کے باوجود امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی مدظلہ العالی کے فقہی انسائیکلوپیڈیا العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ کے مطالعہ اور امام اہل سنت کی تحقیقات وتنقیحات پر وسیع نظر رکھتے ہیں اور اسی کو حرف آخر اور معیار افتا جانتے ہیں۔

الغرض تحریری وتقریری طور پر مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت میں ہمہ دم کوشاں رہتے ہیں اور گستاخان رسول کا دنداں شکن جواب دیتے ہیں۔ جزاہ اللہ فی الدین و الدنیا و للہ الحمد فی الاولیٰ و الآخرہ ھو اھل التقویٰ و المغفرۃ جعل اللہ سعیہ مشکورا و ذنبہ مغفورا و عدوہ فی الدین مقھوراً و لقی السنۃ نضرۃ و سرورا و رزقہ فی الدارین فضلا و نوراً۔

فقیر اپنے تمام برادران اہل سنت سے سفارش کرتا ہے کہ اس کا مطالعہ کریں اور ضروری مسائل سے واقفیت حاصل کریں۔ امید ہے کہ اس کو مطالعہ کی میز کی زینت بنانے کی ہماری اس سفارش کو قبول فرما کر دارین کی سعادت حاصل کریں گے اور ہمیں بھی حصہ دار بنائیں گے۔ من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منھا فی الاولیٰ و الآخرۃ و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سید المرسلین و آلہ الطیبین و اصحابہ المطھرین و ائمتہ المجتھدین و العلماء الکاملین و الفقھاء المستنبطین الیٰ یوم الدین، و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین.

فقیر سراپا تقصیر محمد مطیع الرحمن نظامی
خادم التدریس والافتاء مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا
مرکز نگر متھراپور، بریلی شریف
۱۳ر صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

تقدیم

فاضل جلیل حضرت العلام

مفتی محمد حسین صاحب قبلہ دام ظلہ العالی

زیب مسند افتاء کنز الایمان کراچی پاکستان

الحمدللّٰہ الحمید المجید، والصّلوۃ علی من امر بتبلیغ ماانزل الیہ من ربہ المنیب ھو اول من قام بھذاالمنصب الشریف فکان یفتی بوحیہ تعالیٰ فکانت فتاواہ ﷺ جوامع الاحکام سیدنامحمدسیدالمرسلین و خاتم النبیین صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و الہ وسلم و اصحابہ و السّلام علیٰ ابی حنیفۃ و احبابہ،

امابعد! اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو ہر معاملے میں مکمل رہنمائی دیتا ہے اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر اس کا حکم نافذ ہے، ہر کام کے قوانین موجود ہیں، جہاں عبادات کے طریقے بتاتا ہے وہیں معاملات کے متعلق بھی پوری روشنی ڈالتا ہے زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ اسلام میں اس کے لئے رہنمائی نہ ہو۔ اسلام کا یہ نہ صرف دعویٰ ہے بلکہ تاریخ اس بات کی شاہد و مصدق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام تمام ادیان میں انفرادی اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور دنیا کے تمام ملل و ادیان میں دین اسلام ہی ہے جس نے اپنے ہر ماننے والے کے لئے علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے۔ اسلام کے پاس فقہ و قانون کا جو ذخیرہ ہے وہ مصالح کی رعایت اور انسانی فطرت سے ہم آہنگی کا ایک شاہکار ہے جس کے مقابل دنیا کا کوئی قدیم و جدید قانون بھی پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ دعویٰ یوں بھی ممکن ہوا کہ ائمہ دین اور فقہائے مجتہدین نے احکام قرآن و سنت میں گہری نظر اور طویل غور و خوض کے نتیجے میں فقہ کے ایسے اصول و قواعد وضع کئے کہ جن کی روشنی میں نہ صرف بے شمار جزئیات مستنبط کیے بلکہ انہوں نے

انسانی زندگی کے جزئیات کا اس قدر احاطہ کیا کہ بجا طور آج اس دنیا میں کم ہی مسائل ایسے ملیں گے کہ جس کے لئے فقہ اسلامی ذخیرہ میں کوئی نظیر موجود نہ ہو۔ فقہ اسلامی کا انسان کی زندگی میں ایک اہم حصہ ہے کہ اس کے بغیر ہماری عبادت، تجارت، معاشرت کی صالح تعمیر نہیں ہوسکتی اور یہ علم عطیہ ربانی ہے کہ خدائے بحر و بر جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے اس نعمت سے نوازتا ہے۔

تاریخ فتوی نویسی:

اسلام میں سب سے پہلے افتاء کے منصب پر فائز ہونے والے میرے آقا ﷺ ہیں جیسا کہ ابن قیم نے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں لکھا ''اول من قام بھذا المنصب الشریف سیدالمرسلین ﷺ و امام المتقین.. الخ'' [اعلام الموقعین، ۱/ ۱۱، دار الجیل بیروت]

عہد رسالت میں رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی فتوی دیا کرتے تھے جن میں سے بعض صحابہ وہ تھے جنہیں سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے کسی خطہ میں دینی اور انتظامی امور کی ذمہ داری سونپی تھی جیسے علی المرتضیٰ، معاذ بن جبل وغیرھما رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بعض صحابہ کرام خود ہی فتوی دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم عہد رسالت میں بھی فتوی دیا کرتے تھے۔ [طبقات ابن سعد ۲/ ۳۷۹ نفیس اکیڈمی کراچی]

اس کے علاوہ بھی مختلف صحابہ کرام علیہم الرضوان کی فتوی نویسی کے بارے میں مختلف روایتیں ملتی ہیں مگر حضور ﷺ کے وصال ظاہری کے بعد کثیر صحابہ کرام نے فتوی دینے سے اجتناب کیا جس کی مختلف وجوہات کتب میں ملتی ہیں ایک یہ کہ فتوی دینے میں احتیاط کا بڑا دخل ہے دوسرا صلاحیت و استعداد میں تفاوت اور تیسرا کام کو، کیوں کہ صحابہ کرام تعلیم و تعلم، دعوت و جہاد اور انتظام انصرام کی ذمہ داریاں بھی انجام دیتے تھے جس کی وجہ سے ایک محدود تعداد علم و تحقیق اور قضاء و افتاء کے کام میں مشغول ہوئی۔ صحابہ کرام کے عہد سے لے کر اب تک فقہائے

کرام کا ایک طویل سلسلہ ہے ابوالحسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب ''المعتمد فی اصول الفقہ'' میں صحابہ کرام کے فتاوی کا ذکر کیا اور فرمایا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاوی پانچویں صدی ہجری تک پائے جاتے تھے۔ صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور فقہ اسلامی کی تاریخ میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ ان کے بعد کے فقہاء نے بھی ان فتاوی سے خاص طور پر استفادہ کیا مکہ مکرمہ میں امام مجاہد اور عطاء بن رباح مدینہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ کی شاگردہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنھما اور دیگر امصار و بلاد میں مختلف تابعین و تبع و تابعین کے فتاوی کو بام عروج حاصل تھا۔ اس کے بعد دوسری صدی ہجری میں ایسے ایسے ائمہ مجتہدین پیدا ہوئے جنہوں نے اس باب میں نہایت اہم کارنامے انجام دئے اور آنے والے فقہاء کے گروہ انہیں ائمہ کی تقلید کے پابند رہے۔ ان میں اہل سنت کے چاروں ائمہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنھم سرفہرست ہیں۔ ان کے علاوہ بھی مختلف بلاد و امصار میں ارباب افتاء موجود تھے۔

یاد رہے کہ تبع تابعین کے دور میں اس علم کی خدمت میں اہل قضاۃ پیش پیش تھے کہ ان کے پاس روز مقدمات پیش ہوتے جن کے وہ فیصلے صادر فرماتے اور ان فیصلوں کو محفوظ بھی رکھتے تھے ایک ایسا ہی مجموعہ امام ابو یوسف کی طرف بھی منسوب ہے۔ کتب فتاوی کی تاریخ بہت قدیم ہے جس کی تفصیل حاجی خلیفہ کی کشف الظنون اور اسماعیل پاشا کی ہدیۃ العارفین میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اب مختصرا ایک نظر فقہ اور فقیہ کے حوالے سے ڈالتے ہیں کہ فقہ کیا ہے اور فقاہت کسے کہتے ہیں۔

فقہ کی تعریف:

بحر المحیط میں ہے ''الفقہ العلم بالشیء و الفھم لہ'' کسی شے کے علم اور اس کی سمجھ کو فقہ کہتے ہیں۔

لسان العرب کے اندر بھی فقہ کی یہی تعریف کی گئی ہے۔

منصفی میں ہے ''الفقہ عبارۃ عن العلم و الفھم فی اصل الوضع'' اصل وضع میں فقہ علم و فہم سے عبارت ہے۔ فصول الحواشی میں ہے: ''الفقہ لغۃ فھم غرض المتکلم من کلامہ'' لغت میں متکلم کے کلام سے اس کی غرض کو سمجھنے کا نام فقہ ہے۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف:

صدر اوّل سے قبل فقہ فی الدین کا لفظ کافی وسیع معنیٰ میں بولا اور سمجھا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ امام اعظم سے ''معرفۃ النفس مالھا و ما علیھا'' کے الفاظ کے ساتھ فقہ کی تعریف منقول ہے جو علم فقہ کے علاوہ علم کلام اور علم اخلاق کو بھی شامل تھی لیکن صدر اول میں جب حوادث کی بنا پر اجتہاد کی ضرورت پیش آئی اور مجتہدین کا ظہور ہوا اور اصول فقہ کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی اس وقت ائمہ اصول نے فقہ کی تعریف میں یہ اضافہ فرمایا۔ فتاوی شامی میں علامہ ابن عابدین نے فقہ کی تعریف یوں کی ہے: ''العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ من ادلۃ التفصیلیۃ'' یعنی شرعی معمولات کے احکام کو تفصیلی دلائل سے جاننا فقہ ہے۔

بحر الرائق میں بعض فقہاء کی بڑھائی ہوئی اس قید کا بھی ذکر ہے: ''المکتسبۃ من ادلتھا التفصیلیۃ بالاستدلال'' یعنی شریعت کے عملی احکام کو ان کے ماخذ اور تفصیلی دلائل جو بذریعہ استدلال حاصل ہوں کے ذریعہ جاننے کا نام فقہ ہے۔

مفتی و فقیہ کی خصوصیات:

فقہ کی ان تعریفات سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ مفتی و فقیہ مجتہد ہی ہوسکتا ہے۔ کہ مفتی کے اندر اجتہادی بصیرت کا پایا جانا ضروری ہے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے: ''فلیس الفقیہ الا المجتھد عندھم و اطلاقہ علی المقلد الحافظ المسائل مجاز'' فقہاء کے نزدیک فقیہ صرف مجتہد ہی ہے مگر مقلد فقہی جزئیات و مسائل کے حافظ و عالم پر مجازا اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

علامہ شامی نے فتاوی شامی میں فقیہ کی تعریف یوں بیان کی ہے: ”و قد استقر رأی الأصولیین علی ان المفتی ھو المجتھدفاما غیر المجتھدممن یحفظ اقوال المجتھد فلیس بمفت،و الواجب علیه اذاسئل ان یذکر قول المجتھد کالامام علی وجه الحکایة فعرف ان مایکون فی زماننامن فتوی الموجودین لیس بفتوی بل ھونقل کلام المفتی لیاخذبه المستفتی“ یعنی اصولیین کی ثابت شدہ رائے یہ ہے کہ مفتی صرف مجتہد ہوتا ہے اور غیر مجتہد جو اقوال مجتہد کا حافظ ہو (حقیقتاً) مفتی نہیں ہوتا ایسے شخص پر واجب ہے کہ جب اس سے سوال کیا جائے تو بطور حکایت کسی مجتہد جیسے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کردے۔ اس وضاحت سے معلوم ہوگیا کہ ہمارے زمانے کے فقہاء کا فتوی حقیقتاً فتوی نہیں بلکہ مفتی مجتہد کے کلام کو سوال کرنے والے کے لئے نقل کرنا ہے تاکہ وہ اس کی روشنی میں شرعی حکم پر عمل کرسکے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، ۱/۱۶۲، دار المعرفۃ بیروت)

سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فتاوی رضویہ میں فتوی کے حوالے سے فرماتے ہیں: ”الفتوی حقیقة و عرفیة

فالحقیقة :ھو الافتاء عن معرفة الدلیل التفصیلی و اولئک الذین یقال لھم اصحاب الفتوی ویقال بھذا افتی الفقیه ابو جعفر و الفقیه ابو اللیث و اضرابھما رحمھم الله تعالی،

و العرفیة :اخبار العالم با قوال الامام جاھلا عنھا تقلیداله من دون تلک المعرفة کما یقال فتاوی ابن نجیم و الغزی و الطوری و الفتاوی الخیریة وھلم تنزلا زمانا و رتبة الی الفتاوی الرضویة جعلھا الله تعالی مُرضیة مرضیة امین“

ایک حقیقی فتوی ہوتا ہے اور ایک عرفی فتوائے حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتوی دیا جائے۔ یہی وہ لوگ جن کو اصحاب فتوی کہا جاتا ہے اور اسی معنی میں یہ بولا جاتا ہے

کہ فقیہ ابو جعفر، فقیہ ابو اللیث اور ان جیسے حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ نے فتوی دیا، اور فتوائے عرفی یہ ہے کہ اقوال امام کا علم رکھنے والا اس تفصیلی آشنائی کے بغیر ان کی تقلید کے طور پر کسی نہ جاننے والے کو بتائے۔ جیسے کہا جاتا ہے فتاوی ابن نجیم، فتاوی غزی، فتاوی طوری، فتاوی خیریہ، اسی طرح زمانہ و رتبہ میں ان سے فروتر فتاوی رضویہ تک چلے آئیے، اللہ تعالیٰ اسے اپنی رضا کا باعث اور اپنا پسندیدہ بنائے، آمین [فتاوی رضویہ، ۱/۱۰۹، رضا فاؤنڈیشن لاہور]

یہ تو تھا فقہ اور فتوی اب ذرا فقاہت کے سمندر کی طرف بھی نظر دوڑائیے کہ یہ سمندر ہے کیا اور اس میں غوطہ زنی کون کرسکتا ہے۔

فقاہت کے کیا معنی ہیں:

سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے یوں تو ہر اعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اُصول مقررہ وضوابط محررہ ووجوہ تکلم وطرق تفاہم وتنقیح مناط ولحاظ انضباط ومواضع یسر واحتیاط وتجنب تفریط وافراط وفرق روایات ظاہرہ ونادرہ وتمیز درآیات غامضہ وظاہر ومنطوق ومفہوم وصریح ومحتمل وقول بعض وجمہور ومرسل ومعلل ووزن الفاظ مفتین وسیر مراتب ناقلین وعرف عام و خاص وعادات بلاد واشخاص وحال زمان ومکان واحوال رعایا وسلطان وحفظ مصالح دین ودفع مفاسد دین وعلم وجوہ تجریح واسباب ترجیح ومناہج توفیق ومدارک تطبیق ومسالک تخصیص ومناسک تقیید ومشارع قیود وشوارع مقصود وجمع کلام ونقد مرام فہم مراد کا نام ہے کہ تطلع تام واطلاع عام ونظر دقیق وفکر عمیق وطول خدمت علم وممارست فن وحفظ وافی وذہن صافی مقادتحقیق مؤید بتوفیق کا کام ہے، اور حقیقۃً وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عزوجل بمحض کرم اپنے بندہ کے قلب میں القا فرماتا ہے: و ما یلقٰھا الا الذین صبر و او ما یلقٰھا الا ذو حظ عظیم۔ اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو، اور اسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا۔

صدہا مسائل میں اضطراب شدید نظر آتا ہے کہ ناواقف دیکھ کر گھبرا جاتا ہے مگر صاحب

توفیق جب ان میں نظر کو جولان دیتا اور دامن ائمہ کرام مضبوط تھام کر راہ تنقیح لیتا ہے تو فیق ربانی ایک سررشتہ اس کے ہاتھ رکھتی ہے جو ایک سچا سانچا ہوجاتا ہے کہ ہر فرع خود بخود اپنے محمل پر ڈھلتی ہے اور تمام تخالف کی بدلیاں چھٹ کر اصل مراد کی صاف شفاف چاندنی نکلتی ہے اس وقت کھل جاتا ہے کہ اقوال سخت مختلف نظر آتے تھے حقیقۃً سب ایک ہی بات فرماتے تھے، الحمد للہ فتاوائے فقیر میں اس کی بکثرت نظیریں ملیں گی۔

و للہ الحمد تحدیثا بنعمة اللہ وما توفیقی الا باللہ، وصلی اللہ تعالٰی علی من امدنا بعلمه و ایدنا بنعمه و علی اله وصحبه و بارک و سلم امین و الحمدللہ رب العلمین۔ [فتاوی رضویہ، ۱۶/۶۷۳، رضا فاؤنڈیشن لاہور]

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبارت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فقہ کس قدر مشکل فن ہے اور اس سمندر کو عبور کرنا یا اس میں ناؤ چلانا ماہر فن ہی کے بس کی بات ہے۔ صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی بہار شریعت کے بارہویں حصہ میں فرماتے ہیں

”فتوی دینا حقیقۃً مجتہد کا کام ہے کہ سائل کے سوال کا جواب کتاب وسنت واجماع و قیاس سے وہی دے سکتا ہے، افتاء کا دوسرا مرتبہ نقل ہے یعنی صاحب مذہب سے جو بات ثابت ہے سائل کے جواب میں اسے بیان کردینا اس کا کام ہے اور یہ حقیقۃً فتوی دینا نہ ہوا بلکہ مستفتی کے لئے مفتی (مجتہد) کا قول نقل کردینا ہوا کہ وہ اس پر عمل کرے۔“ (بہار شریعت)

اب اس مفتی ناقل کو کتنا علم ہونا چاہئے اس کے بارے میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”حدیث وتفسیر واصول وادب وقدر حاجت ہیأت وہندسہ وتوقیت اور ان میں مہارت کافی اور ذہن صافی اور نظر وافی اور فقہ کا کثیر مشغلہ اور اشغال دنیویہ سے فراغ قلب اور توجہ الی اللہ اور نیت لوجہ اللہ اور ان سب کے ساتھ شرط اعظم توفیق من اللہ، جو ان شروط کا جامع وہ اس بحر ذخار میں شناوری کرسکتا ہے مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطا واقع ہو رجوع سے عار نہ رکھے“ [فتاوی رضویہ، ۱۸/۵۹۰، رضا فاؤنڈیشن لاہور]

مفتی ناقل کی صفات بہار شریعت میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

یہاں تک تو جان لیا کہ فی زمانہ مفتی ناقل ہی کا وجود ہے اب اس بحر ذخار کی شناوری کون کرسکتا ہے اور اس کا کیا طریقہ کار ہے ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ شامی ردالمحتار میں بحر الرائق کے حوالے سے فقہی مہارت کے بارے میں نقل فرماتے ہیں کہ ”انه لایحصل الابکثرة المراجعة و تتبع عباراتھم و الاخذعن الاشیاخ“ یعنی علم فقہ کثرت مراجعت تتبع عبارات فقہاء اور ماہر شیوخ سے باقاعدہ سیکھے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ [ردالمحتار ۲/۱۷۳، دار المعرفۃ بیروت]

اور یہ فن اس قدر آسانی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے دن رات کی محنت شاقہ اور مشکل مسائل میں خوب غور وخوض کرکے اسے حل کرنے سے حاصل کرنا ہوگا مزید تفصیل میں جائے بغیر میں اپنی بات کو قاضی ولید بن ابراہیم کے اس واقعہ پر سمیٹتا ہوں جسے تدریب الراوی اور قسطلانی کے حوالے سے شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ رحمۃ القوی نے ”نزہۃ القاری شرح بخاری“ میں نقل کیا:

”آج تحصیل علم میں کتنی کاہلی ہے طلبہ کتنے آرام طلب ہیں علماء کتنے سہل پسند ہیں وہ سب پر ظاہر ہے ہم اس سلسلے میں امام بخاری کا ایک ارشاد نقل کردینا ضروری سمجھتے ہیں شاید ہم کاہلوں کے لئے کچھ مہمیز کا کام کرے۔ تدریب الراوی وقسطلانی میں یہ مذکور ہے کہ قاضی ولید بن ابراہیم ”ری“ کی قضا پر فائز تھے ان کا بیان ہے کہ جب مجھے علم حدیث کا شوق ہوا تو امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض مدعا کیا تو فرمایا: اے بیٹے! کسی کام کو اس وقت تک شروع نہ کرو جب تک کہ اس کے حدود اور مقادیر کو نہ جان لو میں نے عرض کیا علم حدیث کے حدود ومقادیر کو بیان فرمائیں تو ارشاد فرمایا ”اعلم أن الرجل لا یصیر محدثا کاملا فی حدیثه الابعدأن یکتب أربعامن أربع کأربع مثل أربع فی أربع عندأربع بأربع علی أربع عن أربع لأربع و کل ھذه الرباعیات لاتتم الابأربع مع أربع فاذا تمت له کلھاھان علیه اربع و ابتلی بأربع فاذاصبرعلی ذلک أکرمه اللّٰه فی

الدنیابأربع و أثابه فی الآخرة بأربع''

اس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر بارہ رباعیات کے کوئی محدث کامل نہیں ہوسکتا۔

ان بارہ رباعیات کے بعد اگر ایک اور رباعی پر صبر کرے گا تو اسے ایک بار رباعی دنیا میں ایک رباعی آخرت میں ملے گی۔قاضی ولید کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر گھبرا گیا میں نے درخواست کی کہ اس کی شرح فرمادیں تو امام بخاری نے اس کی شرح یہ کی:

أن یکتب أربعا: یعنی چار چیزیں لکھے اوّل احادیث رسول ﷺ دوم صحابہ کرام کے حالات اوران کی تعداد،سوم تابعین کے احوال،چہارم بعد کے علماء کے احوال اوران کی تاریخ۔

(۲)مع أربع: چار چیزوں کے ساتھ لکھے اول راویوں کے نام،دوم ان کی کنیت،سوم ان کی سکونت،چہارم ان کی ولادت اوروفات کی تاریخ۔

(۳)کأربع: چار کے مثل جیسے خطیب کے لئے اللہ کی حمد اور توسل کے ساتھ دعا اور سورتوں کے لئے بسم اللہ اور نماز کے لئے تکبیر لازم ہے اسی طرح راویوں کے نام کنیت جائے سکونت ولادت ووفات کی تواریخ جاننی لازم ہے۔

(۴)مثل أربع: چار کے مثل اول مسندات،دوم مرسلات،سوم موقوفات،چہارم قطوعات،ہر قسم کی احادیث کا جاننا ضروری ہے۔

(۵)فی أربع: چار میں۔اول کم سنی،دوم جوانی،سوم ادھیڑ عمر،میں چہارم بڑھاپے میں۔

(۶)عند أربع: چار حالتوں میں اول عدیم الفرصتی،دوم فرصت کے وقت،سوم کشائش کے وقت،چہارم تنگ دستی کے وقت۔

(۷)بأربع: چار جگہوں میں پہاڑ،سمندر،آبادی،جنگل۔

(۸)علی أربع: چار چیزوں،پتھروں،پر ٹھیکروں،پر چمڑوں،پر ہڈیوں،پر لکھے جب تک کاغذ میسر نہ ہو۔

(۹)عن أربع: ان میں سے جو عمر میں بڑے ہوں،جو ہم عمر ہوں،جو عمر میں کم ہوں،اپنے باپ کی کتاب سے،اگر یہ یقین ہے کہ یہ اس کے باپ ہی کی کتاب ہے۔

(۱۰) لأربع: چار مقصد کے لئے۔(۱)اللہ کی خوشنودی کے لئے(۲)اس پر عمل کرنے کے لیے بشرطیکہ جو کتاب اللہ کے موافق(۳)اور طلبہ میں اسے پھیلانے کے لیے(۴)تالیف کے لیے تاکہ اس کے بعد اس کا ذکر باقی رہے۔

یہ دس رباعیاں بغیر ان دو رباعیوں کے پوری نہ ہوں گی وہ یہ ہیں۔

(۱۱)الا بأربع: بغیر ان چار چیزوں کے پوری نہ ہوں گی لکھنے کا ڈھنگ علم لغت علم نحو علم صرف۔

(۱۲)مع أربع: ان چار چیزوں کے ساتھ جو عطائی ہیں صحت،قدرت،شوق،قوتِ حافظہ۔

جب یہ اڑتالیس باتیں کسی کو نصیب ہوجائیں تو پھر چار چیزیں اس کی نظروں میں ہیچ ہوجاتی ہیں۔

(۱۳)هان علیه بأربع: چار چیزوں میں آزمایا جاتا ہے دشمنوں کے تیر و نشتر،دوستوں کی ملامت،جاہلوں کے طعن،علماء کے حسد سے،فاذا صبر علی ذلک' اور جب ان سب پر صبر کرے گا تو۔

(۱۵)أکرمه الله فی الدنیابأربع: اللہ عزوجل اسے دنیا میں چار نعمتوں سے نوازے گا قناعت کی عزت،ہیبت،علم کی لذت اور حیات ابد۔

(۱۶)و أثابه فی الآخرة بأربع: اور آخرت میں چار نعمتیں عطا فرمائے گا اپنے متعلقین میں سے جسے چاہے اس کی شفاعت عرش کے نیچے سایہ جس دن سوائے عرش کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔نبی ﷺ کے حوض کوثر سے جسے چاہے گا پلائے گا،اعلیٰ علیین اور جنت میں انبیاء کرام کا جوارِ اقدس عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا،میں نے اپنے اساتذہ سے متفرق جو سنا تھا اکٹھا کر کے سنادیا۔اب تمہیں اختیار ہے علم حدیث حاصل کرو یا یہ ارادہ ترک کردو۔

قاضی ولید نے کہا یہ سب سن کر مجھ پر ہول سوار ہوگیا میں غور کرتا رہا مگر کچھ نہ بول سکا،ادب سے گردن جھکادی تو امام بخاری نے فرمایا اگر ان مشقتوں کے اٹھانے کی تم میں طاقت نہیں تو فقہ حاصل کرلو،اس لئے کہ گھر بیٹھ کر فقہ حاصل کرنا ممکن ہے اس کے لئے لمبے لمبے سفر شہر شہر قریہ قریہ گھومنے اور سمندروں،دریاؤں کے طے کرنے کی ضرورت نہیں حالانکہ فقہ بھی حدیث ہی کا ثمرہ ہے اور آخرت میں فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں۔اور نہ فقیہ کی عزت محدث سے کم ہے۔قاضی ولید کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ سنا تو میں نے طلب حدیث کا ارادہ ختم کردیا اور فقہ حاصل کرنے لگا۔یہاں تک کہ اس میں آگے ہوگیا۔'' [نزہۃ القاری،۱/۱۶۲،فرید بکسٹال لاہور]

میرے پیش نظر فاضل جامعہ نعیمیہ مرادآباد مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی زید مجدہ کا فتاویٰ ہے جو کہ حجم کے اعتبار سے اگرچہ کم مگر علمی اعتبار سے وقیع ہے جو فقہ کے مختلف ابواب پر مشتمل ہے۔حضرت فاضل سے دو بدو ملاقات تو نہیں مگر ہمارے لاہور کے محترم ومکرم ثاقب رضا قادری زید مجدہ دوست ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے علمائے اہل سنت پر کام کرنے کے جذبے سے سرشار فرمایا ہے کئی علماء پر کام کرچکے ہیں مختلف ماہناموں میں ان کے مضامین بھی شائع ہوتے رہتے ہیں،انہیں کے واسطہ سے حضرت کا تعارف ہے اور سوشل میڈیا کے ذریعہ حضرت کی علمی کاوشوں سے مستفیض ہوتا رہتا ہوں۔موصوف مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ صدر الافاضل کی کتب پر تخریج وتحقیق کا کام بھی سرانجام دے رہے ہیں اور کہنہ مشق مدرس بھی ہیں۔

زیر نظر فتاویٰ کے مجموعہ کو چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھنے کا موقع ملا فاضل مصنف نے کافی محنت سے ان فتاویٰ کو ترتیب دیا ہے ہر مسئلے کو فقہ کی کتب معتبرہ سے مدلل ومزین کیا ہے۔اوّل تا آخر ہر فتویٰ کئی کتب کے حوالوں سے مزین ہے بعض ذہنی الجھاؤ والے سوالوں کے خالص علمی انداز میں مسکت جواب دئے ہیں جو ان کے فقہی جزئیات کے استحضار پر دال ہیں

ہمیں امید واثق ہے کہ مسلک امام اعظم ابوحنیفہ،مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی میں لکھے گئے یہ فتاویٰ بھی فقہ میں اضافے کا باعث بنیں گے۔ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کے علم وقلم میں مزید ترقی عطا فرمائے۔

محمد حسین قادری غفرلہٗ

دارالافتاء کنز الایمان،کراچی

فتویٰ نویسی ایک جائزہ

فاضل جلیل عالم نبیل حضرت العلام
مفتی محمد کاشف رضوی دام ظلہ العالی
دار الافتاء احیا اکیڈمی بنگلور

اللہ عزوجل نے بنی آدم کی ہدایت کے لیے انبیاے کرام کو مبعوث فرمایا، ان نفوس قدسیہ نے خلق کو خالق سے مربوط کرنے کے لیے اپنے اپنے ادوار میں احکام شریعہ کی تبلیغ کی، انبیائے کرام کی اس مقدس سلسلہ کی تکمیل نبی آخر الزمان سید الانس والجان رحمت عالمیان، سرورِ کون و مکان، راحت قلب و جان، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وبارک وسلم کی ذاتِ والاصفات پر ہوا، اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو رہتی دنیا تک خلق خدا کی ہدایت و فلاح وصلاح ونجاح کے لیے حتمی لائحۂ عمل و دستور عطا فرمایا اور آپ ﷺ کے دین کو کامل و اکمل فرمادیا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا. (المائدۃ)

حضور اکرم ﷺ نے اپنی شبانہ روز مساعی جمیلہ سے صحابہ کرام کی جماعت تیار فرمائی جس نے چہار دانگ عالم کو نور اسلام سے منور وتاباں کردیا، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عین حیات اور وصالِ ظاہری کے بعد بھی صحابۂ کرام نے تبلیغ اسلام کے فریضہ کو بحسن وخوبی نبھایا، مجاہدین اسلام فتوحات کے دائرے بڑھاتے رہے اور قریہ قریہ نگری نگری شریعت محمدی کے پھریرے لہراتے رہے۔

اصحاب کرام کے بعد تبلیغ دین کی ذمہ داری تابعین، تبع تابعین اور پھر ائمہ کرام وعلمائے عظام پر آئی۔ خدائے بزرگ و برتر کا کروڑہا کروڑ احسان کہ اس نے ہر دور میں ایسی ایسی

برگزیدہ ہستیاں پیدا فرمائیں کہ جنہوں نے اپنی زندگیاں خدمت دین میں صرف فرمادیں، نہ صرف تعلیمات اسلام کا پرچار فرمایا بلکہ جہاں جہاں اور جب جب دشمنانِ اسلام نے سر اٹھایا، اس مبارک جماعت نے اس کا بھرپور جواب دیا، یہ انہیں نفوس قدسیہ کی خدمات جلیلہ کا ثمرہ ونتیجہ ہے کہ آج ۱۴۰۰ چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی شریعت محمدی اسی صاف و شفاف صورت میں ہمارے پاس ہے۔

جہاں وجود مصطفیٰ منفرد ہے وہیں امت مصطفیٰ بھی دیگر امتوں میں ممتاز ہے اور امت مصطفیٰ میں سب سے ممتاز درجہ پر علماے اسلام ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں تبلیغ دین اور اشاعت علم پر صرف کریں علماء ہی کی شان میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ''کیا علم والے اور بے علم برابر ہوجائیں گے اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے خاص کر ان کے درجہ کو بلند فرمائے گا۔''

اور حضور اکرم ﷺ نے علماء کی شان یوں بیان فرمائی:

''عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنی آدمی پر'' (مشکوۃ)

حضرت علی سے روایت ہے: ''علماء دنیا کے چراغ ہیں اور انبیاء کے جانشین ہیں اور میرے نزدیک دیگر انبیاء کے وارث ہیں'' (کنز العمال)

عالم دین چاہے وہ کسی بھی فن کا ہو علم دین کی وجہ سے امت کے لیے فیض ورحمت ہے لیکن علمائے فقہ یعنی فقہا کا مقام سب سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے امت اپنے شرعی مسائل کے حل کے لیے انہیں کی طرف رجوع کرتی ہے۔

محدث کا شغف حدیث سے ہوتا ہے مفسر کا تفسیر سے اصولیوں کا اصول سے مگر فقیہ وہ ہوتا ہے جس کی نظر ہر علم وفن پر ہوتی ہے۔ فقیہ کو کبھی محدث بننا پڑتا ہے ہے تو کبھی مفسر کبھی منطقی تو کبھی فلسفی۔ الغرض فقہ کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کے اندر تمام علوم مجتمع ہیں۔ فتوی نویسی بھی اسی شجر کی ایک شاخ ہے ہم ذیل میں اس کا قدرے جائزہ لیتے ہیں

فتوی کی تعریف:

لفظ فتوی فاء کے فتحہ کے ساتھ اور فاء کے ضمہ کے ساتھ منقول ہے لیکن صحیح فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں کسی بھی سوال کا جواب دینا اور ارباب علم کی اصطلاح میں لفظ فتویٰ شرعی حکم بیان کرنے کے لیے خاص ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ کی حیات مقدسہ میں جب بھی کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ کی جانب ہی رجوع کرتا اور نبی ﷺ مسئلہ کا حل ارشاد فرماتے ہاں بعض اوقات سرکار کی اجازت سے بعض صحابہ بھی فتوی دیا کرتے تھے۔

سرکار ﷺ جب کسی صحابی کو کسی علاقہ میں حاکم بنا کے بھیجتے تو اسے قرآن وحدیث اور قیاس سے مسائل مستنبط کرنے کی وصیت کرتے جیسا کہ جب حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو یہی تلقین فرمائی۔

سرکار ﷺ کی صحبت بافیض اور کمال تربیت نے صحابۂ کرام کے اندر ایسے مجتہدانہ شان کے افراد پیدا فرمائے جو سرکار کے وصال ظاہری کے بعد فتوی دیا کرتے تھے۔ زیادہ فتویٰ دینے والوں میں یہ صحابہ تھے

حضرت عمر بن الخطاب حضرت علی حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عائشہ حضرت زید بن ثابت حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

صحابہ کرام کو جو فیض صحبت نبوی اور میراث علم نبوی کا حصہ ملا تھا وہ انہوں نے اپنے بعد والوں کو پوری ذمہ داری کے ساتھ منتقل کیا مجتہد صحابہ کرام کے شاگردوں نے بعد میں مسند افتا سنبھالی مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن میبّب حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف حضرت عروہ بن زبیر یسار اور حضرت خارجہ بن زید فتوی دیا کرتے تھے انہیں کو فقہاے سبعہ بھی کہا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں عطا بن ابی رباح علی بن ابی طلحہ اور عبدالملک بن جریج یہ کام کیا کرتے تھے۔

کوفہ میں ابراہیم نخعی ابن ابی سلیمان عامر بن شراحیل علقمہ شعبی۔

بصرہ میں حضرت حسن بصری یمن میں طاؤس بن یسان اور شام میں حضرت مکحول ابو ادریس الخولانی شراحیل بن سمک عبداللہ بن ابی زکریا الخزاعی اس کام میں مصروف تھے۔ اگرچہ ہر تابعی اپنی جگہ علم نبوی کے روشن ستارے تھے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت سب کے درمیان آفتاب اور مہتاب بن کے نکلے۔ آپ کے بارے میں سرکار نے بشارت دی تھی کہ اگر علم ثریا ستارے پر بھی ہوگا تو اہل فارس میں سے ایک شخص اس کو حاصل کرلے گا۔

امام اعظم ابوحنیفہ خود علم وحکمت کے بحر ناپیدا کنار تھے اس کے باوجود بھی آپ نے مسائل کے حل کے لیے ایک مجلس مشاورت قائم کی تھی جس میں ہر فن کے امام شامل تھے مسائل مشاورت کے سامنے پیش کیے جاتے اور ان پر بحث ہوتی بعض اوقات تو بحثیں گھنٹوں اور دنوں چلتیں آخر میں جس پر اتفاق ہوتا وہ لکھ لیا جاتا۔

فقہ حنفی کی اشاعت میں امام اعظم کے شاگردوں کا خاص حصہ رہا گرچہ امام اعظم نے قضا قبول نہ کیا لیکن آپ کے شاگردوں نے مسند افتاء وقضاء سنبھالی جس کی وجہ سے فقہ حنفی اطراف عالم میں پھیل گیا۔

فقہ حنفی کو یہ شان بھی حاصل رہی کہ خلفاے عباسیہ کے دور سے لے کر ماضی قریب میں سلطنت مغلیہ تک اکثر اسلامی ممالک میں یہ قانونی شکل میں نافذ اور رائج رہا۔ ان صفات اور اقرب الی نصوص ہونے کی وجہ سے فقہ حنفی بہت مشہور ہوا یہی وجہ ہے کہ آج بھی پورے دنیا میں فقہ حنفی کے متبعین سب سے زیادہ ہیں۔

ہر دور میں اللہ عزوجل نے احناف میں ایسے امام پیدا کیے جنہوں نے احکام شریعت اور بالخصوص فقہ حنفی کے فروغ میں نمایاں کردار نبھایا فقہ حنفی پر مجلدات کی مجلدات لکھی گئیں۔

ہندو پاک میں کیوں کہ فقہ حنفی ہی عمومی طور پر رائج ہے اور ایک عرصہ تک یہاں پہ فقہ حنفی ہی قانونی شکل میں نافذ تھا اس لیے فقہ حنفی پہ یہاں کافی کام ہوا۔ عالم اسلام کا مشہور ترین

فتاویٰ، فتاویٰ عالمگیری اسی سرزمین پر مرتب کیا گیا۔

ماضی قریب کے فقیہ اعظم جنہوں نے فقہ حنفی پہ سب سے زیادہ کام کیا وہ امام احمد رضا محدث بریلوی تھے آپ کے فتاوی کی تیس جلدیں آپ کے فقہ حنفی پہ عبور کی بین دلیل ہے۔

فتویٰ کی اہمیت اور مفتی کے شرائط:

فتویٰ لکھنے میں یہ چند باتیں ضروری ہیں:

(۱) سوال کو کما حقہ سمجھنا

(۲) سوال کے لب ولہجہ سیاق وسباق سے یہ پہچان لینا کہ سائل کا منشا کیا ہے یہ سب سے اہم کام ہے جو شخص بہت دقیق تنقیدی نظر یہ رکھتا ہو وہ اس کو شاید ہی جان سکے یہ بہت ماہر حاذق کا کام ہے۔

(۳) مفتی مخلص ہو

(۴) انتہائی ذہین وفطین ہو۔

(۵) زبان عرب کا پورا پورا ماہر ہو، عبارت النص، دلالت النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص وغیرہ کے ذریعہ فقہی عبارتوں کے جملہ معانی سمجھنے کا ملکہ رکھتا ہو۔

(۶) متداول کتب فقہ کا کامل مطالعہ کیے ہوئے ہو اور اس کے حافظہ میں فقہ کے اکثر کلیات وجزئیات محفوظ ہوں۔

(۷) کسی سے مرعوب نہ ہو۔

(۸) اتنا جری ہو کہ بلا خوف لومۃ لائم حق بات کہنے کی جرأت رکھتا ہو مزاج پر غصہ غالب ہو اور نہ نرمی۔

(۹) سوال کے بارے میں جب تک پورا اطمینان خاطر نہ ہو جائے کوئی حکم صادر نہ کرے۔

(۱۰) جو بھی حکم دے اس کی قوی دلیل پہلے ذہن نشین کر لے۔

(۱۱) متشابہ مسائل میں امتیاز پر قادر ہو وغیرہ وغیرہ۔

مفتی کی تعریف:

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمہ نے مفتی کی ایسی جامع تعریف فرمائی ہے کہ اس کے بعد اس پر کچھ اور اضافہ کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: ''تفسیر وحدیث، اصول وادب ہیات وہندسہ توقیت (بقدر ضرورت) کتب فقہیہ کا کثیر مشغلہ اشتغال دنیویہ سے یک گونہ فراغ قلب اور توجہ الی اللہ نیت لوجہ اللہ اور ساتھ ہی ساتھ توفیق من اللہ اور مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطا واقع ہو تو رجوع سے عار نہ کرے جو ان شرائط کا جامع ہو اور اس بحر ذخار میں شناوری کر سکتا ہو وہ مفتی ہو سکتا ہے۔''

الحمد للہ یہ ساری خوبیاں عزیزی مفتی محمد ذوالفقار نعیمی ککرالوی بدایونی صاحب میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں آپ کے فتاوی تحقیق انیق کے مظہر ہیں۔ اللہ عزوجل آپ کے علم وعمل میں خوب برکتیں عطا فرمائے اور امت کے لیے سرچشمہ فیض وبرکت بنائے۔ آمین

فقیر قادری محمد کاشف رضوی

خادم درس وافتاء احیا اکیڈمی بنگلور

باب الایمان والکفر

نقل استفتاء

باسمی تعالیٰ

جناب مفتی صاحب السّلام علیکم ورحمة اللّٰہ وبرکاته

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل (قول) کہنے والوں کے لیے

(۱) کرشن کنہیا کا فر تھا لیکن وہ ایک ہی بار میں سو جگہ حاضر ہو گیا

(۲) لا الٰہ الا اللّٰہ چشتی رسول اللّٰہ

(۳) بندگی سے آپ کی ہم کو خداوندی ملی جہاں خداوند ہے بندہ رسول اللہ کا

کیا درج بالا لوگ مسلمان ہیں یا دائرۂ اسلام سے خارج ہیں

محمد شاہد صدیقی، محلّہ علی خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهّاب

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم نحمده ونصلّی علی النّبی المختار الکریم

والسّلام علیٰ من اتبع الهدی

مذکورہ بالا سوالات کے جوابات تحریر کرنے سے قبل سائل کو ایک اہم مسئلہ سے آگاہ کیا جاتا ہے، سائل نے استفتاء کے شروع میں ''**باسمی تعالیٰ**'' لکھا ہے یعنی اپنے لئے لفظ ''**تعالیٰ**'' استعمال کیا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ ''**تعالیٰ**'' صرف اللہ پاک کے ساتھ خاص ہے اور ہر وہ صیغہ جو اللہ کے لئے خاص ہو اس کا استعمال کسی بندہ کے لئے کرنا کفر ہے۔

مجمع الانہر میں ہے:

"اطلق علی المخلوق من الاسماء المختصة بالخالق جلّ وعلا .....یکفر"

کسی نے مخلوق پر ان اسماء کا اطلاق کیا جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں تو وہ کافر قرار دیا جائے گا۔ [مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، ۳۹۹/۴]

فتاویٰ شامی میں ہے:

"عزوجل مخصوص باللّٰہ تعالیٰ فلایقال محمد عز وجل وان کان عزیزا وجلیلاً"

"عزوجل" اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس کو محمد ﷺ کے لیے بھی استعمال نہیں کیا جائے اگر چہ وہ عزیز وجلیل ہیں۔ [ردالمحتار، کتاب الخنثیٰ، ۴۸۴/۱۰]

شاید یہ سبقت قلم کا نتیجہ ہے اگر ایسا ہی ہے اور حسن ظن ہے کہ ایسا ہی ہوگا تو سائل خدا کی بارگاہ میں از راہ احتیاط توبہ واستغفار کرلے اور آئندہ اس طرح کا کوئی کلمہ خود کے لئے استعمال نہ کرے۔

اب بالترتیب جوابات تحریر کئے جاتے ہیں:

﴿۱﴾ "کرشن کنہیا کافر تھا لیکن وہ ایک ہی بار میں سو جگہ حاضر ہو گیا" کہنے کا حکم

مذکورہ بالا قول کفر نہیں ہے اس کے قائل کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ یہ قول دراصل حضور شیخ ابوالفتح جالندھری علیہ الرحمہ کا ہے جسے سبع سنابل شریف میں بیان کیا گیا ہے۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان نے سبع سنابل شریف کے حوالے سے اس قول کو اپنے فتاویٰ میں نقل فرمایا ہے۔ ہم ذیل میں سیاق وسباق کے ساتھ اس قول کو نقل کرتے ہیں:

مخدوم شیخ ابوالفتح جون پوری رادرماہ ربیع الاوّل بجہت عرس رسول علیہ الصّلاۃ والسّلام ازدہ جاا ستدعا آمدکہ بعد از نماز پیشیں حاضر شوند بردہ استدعا قبول کردند حاضراں پرسیدند کہ اے مخدوم بردہ استدعا قبول فرمودید وبرجا بعداز نماز پیشیں حاضر باید شد چگونہ میسر خواہد آمد فرمود کہ کشن کہ کافر بود چند صد جا حاضر می شد اگر ابوالفتح دہ جا حاضر شود چہ عجب"

ماہ ربیع الاول شریف میں مخدوم شیخ ابوالفتح جون پوری کو میلاد پاک میں ظہر کے بعد شرکت کے لئے دس (۱۰) جگہ مدعو کیا گیا آپ نے قبول کرلیا۔

حاضرین نے پوچھا: اے مخدوم آپ نے دسوں دعوتیں قبول فرمالیں آپ ہر جگہ نماز کے بعد کیسے حاضر ہوں گے؟

فرمایا: کشن جو کافر تھا کئی سو جگہ حاضر ہوسکتا ہے اگر ابوالفتح دس جگہ حاضر ہو کیا تعجب ہے۔ [فتاویٰ رضویہ جدید ۱۴/ ۶۵۷، ۶۵۸]

الحاصل: اس قول میں کوئی وجہ کفر نہیں ہے جس کے سبب قائل کو کافر کہہ سکیں۔ اس قول کو دراصل مخدوم ابوالفتح نے صرف یہ بتانے کے لئے بیان کیا ہے کہ جب کافر ہو کر کشن ایک وقت میں سیکڑوں مقامات پر جا سکتا ہے (جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے) تو میں مسلمان ہو کر دس (۱۰) مقامات پر جاؤں تو اس میں کیا تعجب ہے!!! یہ بات بالکل ایسے ہے جیسے کوئی کہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ کیسے بن سکتا ہے تو جواباً کہا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے ہوئے کافر جادوگروں کی لاٹھیاں سانپ بن سکتی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کا عصا

سانپ بن جائے کیا تعجب ہے!!! یا کوئی یہ پوچھے کہ پردہ فرمانے کے بعد اولیاء کرام ہماری آواز کیسے سن سکتے ہیں تو جواباً کہا جائے کہ جب ابوجہل وغیرہ کفار ومشرکین اپنے مرگھٹ سے آواز سن سکتے ہیں (جیسا کہ بخاری شریف میں ہے) تو اولیاء کرام اپنے مزارات سے ہماری آواز سنیں کیا تعجب ہے!!!

تو جس طرح ان دونوں مثالوں میں کفار ومشرکین کے فعل کی تحسین مقصود نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت معجزہ اور مسلمانوں کی قوت سماعت کا اظہار مقصود ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا قول میں بھی کافر کے استدراج کی تحسین مقصود نہیں بلکہ استدراج پر فوقیت کرامت کا اظہار مقصود ہے۔

ہاں البتہ صرف اتنا ہی قول کرشن کنہیا کافر کی تحسین وتعریف کے طور پر بولا جاتا اور اس کے اس استدراج کو حق سمجھا جاتا تو ضرور محل کلام ہوتا۔ اس لئے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ **"غمز العیون"** کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"اتفق مشائخنا من رای امر الکفار حسناً فقد کفر.

جس نے کافروں کے کسی فعل کو اچھا سمجھا بالاتفاق مشائخ کافر ہو گیا۔ [فتاوی رضویہ جدید، ۲۷۷/۱۴]

﴿۲﴾ "لا الہ الا اللہ چشتی رسول اللہ" کہنے والے کا حکم

کلمہ طیبہ میں **"محمد رسول اللہ"** کی جگہ کسی اور کا نام یا نسبت جیسے چشتی رسول اللہ، اشرف علی رسول اللہ کہنے والا اگر ہوش وحواس میں ہے تو بلاشبہ کافر ہے۔

البتہ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس کلمہ کو خواجہ غریب نواز کی طرف منسوب کر کے مولوی اشرف علی تھانوی کے کلمہ **(اشرف علی رسول اللہ)** کے دفاع میں پیش کیا جاتا ہے اور لوگوں کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ دیکھو خواجہ صاحب نے بھی تو یہی کہا تھا اب اگر

اشرف علی تھانوی کافر ہے تو خواجہ صاحب بھی کافر ہیں۔ حالانکہ علماء اہل سنت کے نزدیک اس کلمہ کا انتساب خواجہ صاحب کی طرف جہلا کا الحاق ہے کتب تصوف میں بہت سے واقعات جاہلوں نے الحاق کردئے ہیں۔ دیوبندی پیشوا مولوی رشید گنگوہی کو بھی اس بات کا اعتراف ہے وہ لکھتے ہیں:

"بزرگوں کی حکایات اکثر جہلاء نے غلط بنادی ہیں۔"

[فتاوی رشیدیہ، ص ۱۰۷]

لہٰذا علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور اس کی نسبت خواجہ صاحب کی طرف باطل وبے بنیاد ہے۔ مگر بر سبیل تنزل تسلیم بھی کرلیں کہ خواجہ غریب نواز نے یہ جملہ استعمال کیا ہے تب بھی اس سے خواجہ صاحب اور مولوی اشرف علی تھانوی کے کلموں میں زمین وآسمان کا فرق ہے خواجہ صاحب کے واقعہ کے شروع میں لکھا ہے:

"خواجہ در حالتے بود"

یعنی اس وقت خواجہ صاحب خاص حالت میں تھے۔

اور اس پر علماء واولیاء کا اتفاق ہے کہ **حالت خاص** میں ولی **مکلف** نہیں ہوتا ہے اور اس پر شریعت مواخذہ نہیں فرماتی ہے، جیسا کہ حضرت حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمہ کے کلمہ "انا الحق" کو **"انا الحق"** سمجھنے کی بنیاد پر انہیں سولی چڑھا دیا گیا کیونکہ یہ کلمہ کفر ہے مگر دیوبندی عالم رشید گنگوہی سے جب اس بارے میں سوال ہوا کہ جب یہ کلمہ کفر ہے تو منصور حلاج کافر ہوئے یا نہیں تو انہوں نے جواب دیا:

"منصور معذور تھے بے ہوش ہو گئے تھے ان پر کفر کا فتوی دینا بے جا ہے" [فتاوی رشیدیہ، ص ۱۰۷]

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ ولی کا خاص حالت میں ہونا یعنی ہوش وحواس میں نہ ہونا ان کو معذور بنا دیتا ہے جس پر شرعاً کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس فتوی کی رو سے بھی ثابت

ہو گیا کہ خواجہ صاحب خاص حالت میں ہونے کے سبب شرعاً معذور ہیں۔

مزید یہ کہ خود اشرف علی تھانوی نے بھی اس کلمہ کو کلمہ کفر تسلیم نہیں کیا ہے وہ اپنی کتاب ''السنة الجلية في الجشتية العلية'' میں خواجہ صاحب کے واقعہ کو لکھنے کے بعد اس کے کلمہ کفر نہ ہونے سے متعلق لکھتے ہیں:

''کلمہ کفر جب ہے کہ مأول نہ ہو اور اگر یہ تاویل کی جائے کہ رسول سے مراد معنی لغوی ہوں اور عام ہوں بواسطہ و بلاواسطہ کو اور اس بنا پر یہ معنی ہوں گے کہ چشتی اللہ تعالیٰ کا پیام رساں اور احکام کی تبلیغ کرنے والا ہے بواسطہ رسول اللہ کے جیسا حدیث وارد فی المشکوٰۃ باب الوقوف بعرفة ''میں ابن مربع انصاری صحابی کا قول ہے ''إني رسول الله اليكم'' جس میں رسول اول بمعنی لغوی ہے اور جیسے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادوں کو جو انبیاء نہ تھے سورہ یٰسین میں مرسل فرمایا ہے تو پھر کلمۂ کفر نہیں رہتا اسی طرح اگر یہ حمل تشبیہ بلیغ پر مبنی ہو جیسے ابو یوسف ابوحنیفہ میں سب کے نزدیک مسلّم ہے تب بھی کافر نہیں رہتا اور ظاہری ومتبادر معنی مراد نہ لینے کی تصریح خود حضرت خواجہ صاحب کے اس قول میں ہے میں کون ہوں اور کیا چیز ہوں البتہ یہ سوال باقی رہا کہ موہم کا استعمال بھی تو جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مجلس خاص تھی اور مخاطب و دیگر سامعین خوش فہم تھے اس لئے یہ مفسدہ متحمل نہ تھا اب رہی یہ بات کہ آخر مصلحت ہی کیا تھی جواب ظاہر ہے کہ مصلحت امتحان کی تھی اس طرح کہ اگر یہ راسخ العقیدہ ہے تو مجھ کو مخالف شریعت نہ سمجھے گا کوئی تاویل کر لے گا ورنہ بھاگ جائے گا۔''

[السنة الجلية في الجشتية العلية، باب سوم، ص ۱۲۵]

یہ الگ بات کہ خود مولوی اشرف علی تھانوی کے مجوّزہ کلمہ کو علماء اہلسنت کے علاوہ علمائے دیوبند نے بھی کفر قرار دیا ہے، جیسا کہ دیوبندی عالم مولوی سعید احمد اکبر آبادی مدیر ماہنامہ

برھان-دہلی لکھتے ہیں:

''معاملات میں تاویل وتوجیح اور اغماض ومسامحت کرنے کی مولانا میں جو خُو تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی کیا جا سکتا ہے ایک مرتبہ کسی مرید نے مولانا کو لکھا کہ میں نے رات خواب میں دیکھا ہے کہ میں ہر چند کلمہ تشہد صحیح صحیح ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور ہر بار ہوتا یہ ہے کہ لا الـــــہ الا اللّٰـــہ کے بعد **اشرف علی رسول اللہ** منہ سے نکل جاتا ہے **اس کا صاف اور سیدھا جواب یہ تھا کہ یہ کلمہ کفر ہے شیطان کا فریب اور نفس کا دھوکہ ہے تم فوراً توبہ کرو اور استغفار پڑھو** لیکن مولانا تھانوی صرف یہ فرما کر بات آئی گئی کر دیتے ہیں کہ تم کو مجھ سے غایت محبت ہے اور یہ سب اسی کا نتیجہ اور ثمرہ ہے'' [ماہنامہ برھان دہلی شمارہ فروری ۱۹۵۲، ص ۱۰۷]

الحاصل: مذکورہ بالا تحریر کا لب لباب یہ ہے کہ اگر مذکورہ بالا کلمہ خواجہ صاحب کی طرف منسوب ہے تب تو وہ حالت خاص میں ہونے کے سبب معذور اور شرعی گرفت سے محفوظ ہیں اور اگر اس کا قائل اور مؤید کوئی عام انسان ہے خواہ عالم ہی ہو یا ولی ہو مگر حالت خاص وسکر میں نہ ہو تو اس کلمہ کا حکم **''اشرف علی رسول اللہ''** کے مثل ہے کہ اس کا قائل اور مؤید از روئے شرع دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

﴿۳﴾ ''بندگی سے آپ کی ہم کو خداوندی ملی

جہاں خداوند ہے بندہ رسول اللہ کا'' کہنے کا حکم

استفتاء میں شعر غلط نقل کیا گیا ہے درست شعر اس طرح ہے

بندگی سے آپ کی ہم کو خداوندی ملی ☆ ہے خداوندِ جہاں بندہ رسول اللہ کا

یہ شعر دراصل خواجہ یار فریدی صاحب علیہ الرحمہ (چاچڑاں شریف) کا ہے، جو اکابر اہل سنت سے ہیں۔

یہ شعر اپنے الفاظ ومفاہیم کے اعتبار سے بالکل صحیح ودرست اور معنویت سے بریز ہے۔ اس شعر کا سادہ سا مفہوم یہ ہے:

یا رسول اللہ ﷺ آپ کی غلامی واطاعت کے صدقہ میں ہمیں ملکیت وحکومت ملی، بادشاہ رسول اللہ کا غلام ہے۔

در اصل شاعر نے اس شعر میں **بندگی، خداوندی، خداوند جہاں، بندہ رسول اللہ**، جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں جسے سمجھنے میں مستفتی کو اُلجھن پیش آرہی ہے لہٰذا راقم مذکورہ بالا الفاظ کی قدرے وضاحت پیش کئے دیتا ہے۔ تاکہ شعر سے متعلق سائل کی ذہنی اُلجھن دُور ہو جائے۔

''بندگی'' فارسی لفظ ہے اس کے چند معانی ہیں انہیں میں سے غلامی'' تابع داری'' ''خدمت'' بھی ہے۔ دیکھیں لغات کشوری، صفحہ ۴۷، اور نور اللغات جلد اول صفحہ ۳۶۷۔

اور نبی کی تابع داری وغلامی سے کسے انکار ہے۔ قرآن میں ہے:

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعونی

اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار بن جاؤ۔ [کنز الایمان، پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت ۳۱]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اس کے محبوب بندوں کو اپنی اتباع کا حکم دیں۔

دوسرا لفظ **''خداوندی''** ہے یہ لفظ بھی فارسی ہے جس کا معنی ملکیت، بادشاہت ہے۔ [فیروز اللغات اردو ۵۸۷]

اور شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے **''گلستان''** میں (جو کہ اہل سنت کے علاوہ دیوبندی مدارس میں بھی پڑھائی جاتی ہے) جابجا اس لفظ کو دنیاوی بادشاہت اور حکومت کے لئے استعمال کیا ہے

[گلستان، صفحہ ۳۳]

تیسرا لفظ **''خداوند جہاں''** ہے یہ بھی فارسی لفظ ہے اس کا معنی بادشاہ ہے۔ گلستان میں شیخ سعدی نے بادشاہ اتابک ابوبکر بن سعد بن زنگی کو **''خداوند جہاں''** لکھا ہے اور اس کے علاوہ بھی بہت سارے دنیاوی بادشاہوں کو **''خداوند جہاں''** لکھا ہے۔ [گلستان، صفحہ ۱۵]

''بندہ'' بھی فارسی لفظ ہے اس کا معنی غلام، تابع دار ہے [لغات کشوری، ص ۴۷]

اور بندہ کی نسبت (اضافت) نبی کی طرف بلا قباحت جائز ہے قرآن شریف میں ہے:

''قل يعبادی'' [پارہ ۲۴ سورہ زمر، آیت ۵۳]

مولوی اشرف علی تھانوی نے اس کا ترجمہ کیا:

''آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو''

اس میں بندوں کی نسبت (اضافت) رسول اللہ ﷺ کی طرف کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں مولائے روم کی مثنوی شریف جس کے بارے میں دیوبندی پیشوا مولوی قاسم نانوتوی کا کہنا ہے:

''دنیا میں تین کتابیں انوکھی ہیں قرآن شریف بخاری شریف مثنوی شریف''

اور دیوبندی پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی نے چوبیس جلدوں پر مشتمل مثنوی کی شرح بنام **کلید مثنوی** لکھی ہے جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس میں اس آیت کریمہ کا مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

بندہ خود خواند احمد در رشاد

جملہ عالم را بخوان قل یا عباد

[مثنوی شریف، دفتر اوّل، ص ۶۵]

مولوی اشرف علی تھانوی نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:

''قرآن میں احمد ﷺ نے اپنا بندہ کہہ کر پکارا ہے تمام جہان کو قل یا عباد پڑھ لے''

اور پھر اس کی شرح اس طرح کی ہے:

''تمام عالم کو (باعتبار معنی تسخیر کے) رسول اللہ ﷺ نے اپنا بندہ ارشاد فرمایا ہے چنانچہ تم آیہ ''قل یعبادی الذین اسرفوا'' کو پڑھ کر دیکھ لو'' [کلید مثنوی جلد ۲ دفتر ۱، ص ۱۲۵]

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں مگر یہ مقام اس کا متحمل نہیں ہے۔

عبارات بالا سے صاف ظاہر ہوگیا کہ مندرجہ بالا شعر میں مندرج الفاظ کا استعمال غیر اللہ کے لئے بھی جائز ہے، لہٰذا مذکورہ بالا شعر اپنے الفاظ و مفاہیم کے اعتبار سے بالکل درست ہے اس میں از روئے شرع کوئی ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے اس کے لکھنے والے کو کافر قرار دیا جاسکے۔

ھذا اما عندی و العلم عنداللّٰہ تعالیٰ و رسولہ ﷺ.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۸/رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

﴿وجود باری کا انکار کرنے والے کا حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان ذوی الاحترام اس مسئلہ میں کہ زید ایک مسلمان ہے اس کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نہیں ہے اللہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے اگر اللہ ہوتا تو مجھے بیٹا ضرور دیتا زید کے سب لڑکیاں ہیں۔ زید کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے نام کے لئے اپنے نواسے کو شہید کرادیا، وہ کیا ہیں وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں زید مومن ہے یا کافر؟ ایسے شخص سے تعلقات رکھنا یا ایسے کی نماز جنازہ میں شریک ہونا کیا جائز ہے؟

حاجی محمد یعقوب انصاری محلہ خالصہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم. نحمدہ و نصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

زید اپنے جملہ خبیثہ کفریہ کے سبب کافر ومرتد ہوگیا زید پر فرض ہے کہ فوراً توبہ اور تجدید ایمان کرے اور اگر بیوی رکھتا ہو تو تجدید نکاح کرے نیز کسی پیر کامل سے مرید ہو تو از سر نو بیعت بھی کرے۔ درمختار مع فتاوی شامی باب المرتد میں ہے:

مایکون کفراً اتفاقاً یبطل العمل و النکاح و اولادہ اولاد زنا، و مافیہ خلاف یؤمر بالاستغفار و التوبۃ (أی تجدید الاسلام) و تجدید النکاح'' [۶/۳۹۱]

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے اور اس حالت میں جو اولاد ہوگی وہ اولادِ زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں تو بہ تجدید اسلام وتجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے شخص سے بموجب فرمان الٰہی

و اما ینسینک الشیطان فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین. [پارہ ۷، ۲۸: سورۃ الانعام آیت ۶۸]

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

اور فرمان رسول ﷺ:

ایاکم و ایاھم لایضلونکم و لایفتنونکم

گمراہوں سے دُور بھاگو انہیں اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ [مسلم شریف، ۱/۱۰]

ہر طرح کا تعلق ختم کردیں اور مرنے پر اس کی نماز جنازہ میں بھی شریک نہ ہوں۔

و العلم عنداللّٰہ تعالیٰ.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۲/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

لیا جاتا ہے گویا کہ حافظ صاحب مذکور نے اس کو ذریعہ معاش بنالیا ہے جس وقت اس مدرسہ کی تعمیر ہوئی تو اس وقت جامعہ نعیمیہ سے فتوی لیا گیا اور جامعہ کے اسٹاپ کو دعوت دی گئی جس میں ایک پروگرام اس سلسلے میں منعقد کیا گیا لیکن زید کے باپ نے کہا یہ فتوی ہمارے سر آنکھوں پر ہے مگر ہم کسی مفتی یا متقی کی بات نہیں مانیں گے چونکہ کچھ لوگ جو اہل علم تھے وہ اس کے ساتھ اس کی حمایت میں تھے جب بستی کے علم دار لوگ زید کے خلاف ہوئے اور لعنت وملامت کی گئی کہ تم مولوی ومفتی ہو اس مسئلہ پر اپنے باپ کو اور جو لوگ تمہارے باپ کے ساتھ ہیں انہیں اس مسئلہ پر سمجھاؤ تو زید نے جمعہ کے دن بھری مسجد میں قسم کھائی کہ آپ لوگ مطمئن رہو اس کو میں توڑوں گا لیکن زید کا اس پر عمل نہیں ہوا بعدہٗ اس مسئلہ پر ایک قاری صاحب نے زید کو سمجھایا کہ اس مدرسہ کو ختم کردو تو زید نے قاری صاحب کو یہ جواب دیا کہ قاری صاحب یہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن اب بات شریعت کی نہیں بلکہ ہماری طبیعت کی بات ہے۔ آیا اس صورتِ حال میں مدرسہ کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے یا جو لوگ اس میں چندہ دیں یا اس کی حمایت کریں ایسے لوگوں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہوگا اور زید مذکور کے الفاظ **''ہم کسی مفتی متقی کی بات نہیں مانیں گے''** اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے مہربانی فرما کر سب سوالوں کے جواب مدلل ومفصل قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمادیں۔

دڑھیال ضلع رامپور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلّی علی حبیبہ الکریم

وقفی قبرستان میں مدرسہ کی تعمیر از روئے شرع ناجائز وحرام ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''وقف کی تبدیل جائز نہیں جو چیز جس مقصد کے لئے وقف ہے اسے

بدل کر دوسرے مقصد کے لئے کر دینا روا نہیں جس طرح مسجد یا مدرسہ کو قبرستان نہیں کر سکتے یونہی قبرستان کو مسجد یا مدرسہ یا کتب خانہ کر دینا حلال نہیں۔سراج وہاج پھر فتاوی ہندیہ میں ہے:

لا یجوز تغیر الوقف عن هیأته

(وقف کو اس کی ہیئت سے تبدیل کرنا جائز نہیں)

[فتاوی رضویہ جدید، ۹/ ۴۵۷]

لہٰذا حافظ مذکور پر لازم ہے فوراً قبرستان سے مدرسہ ختم کرے اور قبرستان میں کسی طرح کا کوئی تصرف نہ کرے ورنہ مستحق عذاب شدید ہوگا۔

حافظ مذکور کا یہ کہنا **"یہ فتوی ہمارے سر آنکھوں پر ہے مگر ہم کسی مفتی یا متقی کی بات نہیں مانیں گے"** اس میں فتوی کا انکار بھی ہے اور علماء کی توہین بھی اور فتوی کا انکار کرنے والا اور علماء کی توہین کرنے والا گمراہ و کافر ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"یہ شخص اگر خود عالم کامل نہیں تو مستند علمائے دین کے فتوے نہ ماننے کے سبب ضال و گمراہ ہے" [فتاوی رضویہ جدید، ۲۱/ ۱۷۳]

مزید فرماتے ہیں:

"عالم دین کی توہین کو ائمہ نے کفر لکھا ہے، مجمع الانھر میں ہے:

"الاستخفاف بالاشراف و العلماء کفر"

(علماء اور اشراف کی توہین کفر ہے) ایسے شخص پر توبہ فرض ہے۔"

[فتاوی رضویہ جدید ۳/ ۲۸۱]

حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں: "خانیہ میں ہے: زجلان بینهما خصومة فقال احدهما للآخر بیاناً بعلم رویم فقال

الاخر من علم چه دانم قال ابوبکر القاضی یکفر المجیب لانه یستخف بالعلم

یعنی دو آدمیوں میں جھگڑا تھا ایک نے دوسرے سے کہا آؤ علم کی طرف چلیں دوسرے نے کہا میں علم کو کیا سمجھتا ہوں قاضی ابوبکر نے فرمایا یہ دوسرا کافر ہو گیا کیوں کہ اس نے علم کا استخفاف کیا۔

روسی میں ہے: زجلان بینهما خصومة فجاء احدهما بخطوط الفقهاء و الفتوی فقال الخصم لیس کما افتوا او قال لا نعمل بهذا و هما من عرض الناس کان علیه التعزیر

اس سے معلوم ہوا کہ علماء کی تحریر فتوی کو کہہ دینا کہ ہم اس کو نہیں مانتے یا یہ ٹھیک نہیں ہے اس پر تعزیر ہوتی ہے لوگوں کی عادت ہو گئی ہے کہ علماء کے جھٹلانے اور ان کے بتائے ہوئے مسائل کی تکذیب کرنے پر جری ہو گئے ہیں" [فتاوی صدر الافاضل ص، ۵۵۵]

عبارات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ فتوی کا انکار گمراہی و لائق تعزیر جرم اور علماء کی توہین کفر ہے۔لہٰذا حافظ مذکور پر توبہ، تجدید ایمان، تجدید نکاح اور اگر مرید ہو تو تجدید بیعت لازم و ضروری ہے اور اگر حافظ مذکور ایسا نہ کرے تو مسلمانوں کو اس کا بائیکاٹ ضروری ہے اور جو لوگ حافظ مذکور کے معاون ہیں وہ لوگ بھی مرتکب جرم و لائق سزا ہیں۔

حدیث میں آیا:

من مشیٰ مع ظالم لیعینه و هو یعلم انه ظالم فقد خلع من عنقه ربقة الاسلام

جو شخص جان بوجھ کر ظالم کی مدد کو چلا اس نے اسلام کا پٹہ گردن سے

نکال دیا۔ [کنز العمال]

اور رہا حافظ مذکور کے بیٹے زید جو مفتی ہیں ان کا یہ کہنا کہ **"اب بات شریعت کی نہیں بلکہ ہماری طبیعت کی بات ہے"** اگر اس سے مراد یہ ہے کہ ہم شریعت نہیں بلکہ اپنی طبیعت کی مانیں گے تو گویا یہ شریعت پر طبیعت کو ترجیح دینا ہے اور شریعت پر طبیعت کو ترجیح دینا شریعت کی توہین ہے اور شریعت کی توہین کفر ہے۔حدیث شریف میں ہے:

لا یومن احدکم حتی یکون هواه تبعاً لما جئت به.

تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی طبیعت میری شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔[مشکوۃ شریف]

اعلیٰ حضرت **"شریعت نامنظور ہے بلکہ رواج منظور"** کہنے والے کے متعلق فرماتے ہیں:

"عالمگیریہ میں ہے: اذا قال الرجل لغیره حکم الشرع هذه الحادثة کذا فقال ذالک الغیر من برسم کار می کنم نه بشرع یکفر عند المشائخ.

اقول و صورة النازلة اشد من هذا بکثیر فان هذا اخبار عن عمله و الرجل ربما یعمل بالمعصیة و هو لا یرضاها فیکون عاصیاً لا کافراً لعدم الاستحسان و الاستحلال بخلاف ماثمه فانه صریح فی عدم قبول الشرع و ترجیح الرسم علیه فکان کالمسألة قبلها رجل قال لخصمه اذهب معی الی الشرع قال بباده ببارتا بروم بے جبر نروم یکفر لانه عاند الشرع.

جب کسی نے دوسرے سے کہا کہ اس معاملہ میں شریعت کا حکم یہ ہے تو اس دوسرے نے جواباً کہا کہ میں تو رسم کے مطابق کروں گا نہ کہ شریعت

کے مطابق تو بعض کے نزدیک یہ کافر ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں صورت نازلہ مذکورہ صورت سے بہت زیادہ شدید ہے کیونکہ اس میں عمل کی اطلاع ہے اور آدمی بہت دفعہ معصیت کا عمل کرتا ہے مگر اسے گناہ تصور کرتا ہے اور دلی طور پر اس سے خوش نہیں ہوتا تو اب عاصی ٹھہرا نہ کہ کافر کیوں کہ اس نے اسے حلال تصور نہیں کیا بخلاف سوالیہ صورت کے یہاں قبول شرع کا انکار ہے اور رسم کو اس پر ترجیح دے رہا ہے یہ اس سے قبل والے مسئلہ جیسا ہے کسی نے مخالف سے کہا میرے ساتھ شریعت کی طرف چل تو اس نے کہا کہ شریعت لادے تاکہ میں چلوں بغیر جبر کے میں نہیں جاؤں گا تو وہ کافر ہو جائے گا کیوں کہ اس نے شریعت سے عناد روا رکھا۔

[فتاوی رضویہ جدید ۱۴/ ۶۹۲]

لہٰذا مفتی صاحب پر اپنے ادا کئے ہوئے جملہ خبیثہ کے سبب توبہ تجدید ایمان تجدید نکاح اور تجدید بیعت ضروری ہے۔

درمختار مع فتاوی شامی باب المرتد میں ہے:

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل و النکاح و اولاده اولاد زنا، و مافیه خلاف یؤمر بالاستغفار و التوبة (أی تجدید الاسلام) و تجدید النکاح. [۶/ ۳۹۱]

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے اور اس حالت میں جو اولاد ہوگی وہ اولاد زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں تو بہ تجدید اسلام و تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا، نیز مفتی صاحب پر لازم ہے کہ اپنے والد صاحب کو سمجھائیں اور اگر نہ مانیں تو ان کے خلاف لوگوں کا ساتھ دیں گناہ پر والد کی مدد نہ کریں اور نہ ہی ان کی معصیت میں اتباع کریں۔حدیث میں ہے:

لاطاعة فی معصیة اللّٰہ انما الطاعة فی المعروف

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت ولحاظ نہیں بلکہ اطاعت نیک کام میں ہے۔[بخاری شریف ۲/ ۱۰۷۸]

ھذا ما عندی و العلم عند اللّٰہ تعالیٰ

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲ ربیع النور ۱۴۳۳ھ

تصدیقات علماء کرام

الجواب صواب۔ممتاز احمد نعیمی غفرلہ

لقد اصاب من اجاب۔محمد سلیمان نعیمی برکاتی خادم الافتاء والتدریس جامعہ نعیمیہ مرادآباد

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔محمد سلطان رضا نعیمی خادم الافتاء والتدریس جامعہ غوثیہ حفیظ العلوم صدیقی مارکیٹ کاشی پور۔

حاتم طائی کا کفر وایمان اور اس کی سخاوت

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ حاتم طائی مسلمان تھا یا کافر اور اسے سخی کہنا کیسا ہے؟ دلائل کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

(قاری) محمد تصور (امام) چمن مسجد پاکبڑا مرادآباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علی حبیبہ الکریم

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حاتم طائی کی بیٹی کو ایک جنگ کے موقع پر گرفتار کرکے بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا تو حاتم طائی کی بیٹی نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عریضہ پیش کیا جسے نبی ﷺ نے سنا اور جواب مرحمت فرمایا۔

حاتم طائی کی بیٹی اور نبی کریم ﷺ کے درمیان جو گفتگو ہوئی اسے درج ذیل حدیث پاک کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

فقالت یا محمد ﷺ ان رأیت ان تخلی عنی ولا تشمت بی احیاء العرب فانی ابنة سید قومی وان ابی کان یحمی الذّمار، ویفک العانی ویشبع الجائع ویکسو العاری ویقری الضیف ویطعم الطعام ویفشی السلام ولم یرد طالب حاجة قط انا ابنة حاتم طیئ فقال النبی ﷺ یا جاریة ھذہ صفة المومنین حقا لو کان ابوک مسلما (نوادر الاصول میں ''اسلامیا'' ہے بدایہ ونہایہ میں ''مومنا'' ہے) لترحمنا علیہ خلوا عنھا فان اباھا کان یحب مکارم الاخلاق واللّٰہ تعالیٰ یحب مکارم الاخلاق الخ

[کنز العمال لمتقی الھندی، ۳/ ۶۶۴، نوادر الاصول لحکیم الترمذی ۲/ ۲۷۷ دلائل النبوۃ للبیھقی، ۵/ ۳۴۱، البدایہ والنھایہ، ۲/ ۲۷۱، احیاء علوم الدین للامام الغزالی، ۲/ ۳۵۳]

حاتم طائی کی بیٹی نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے رہا فرمادیں اور اہل عرب کو مجھ پر نہ ہنسائیں میں اپنی قوم کے

سردار کی بیٹی ہوں۔میرا باپ قوم کی حفاظت کرتا اور قیدی کو چھڑاتا بھوکوں کو کھانا کھلاتا مہمان نوازی کرتا اور کھانا کھلاتا اور سلام پھیلاتا اور کبھی حاجت مند کو نہ لوٹاتا۔میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔

تو نبی ﷺ نے فرمایا اے لونڈی یہ تمام باتیں مومنین کی صفت ہیں۔ اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا تو ضرور ہم اس کے لئے دعائے رحمت فرماتے، (پھر آپ نے صحابہ کو حکم دیا) اسے چھوڑ دو اس لئے کہ اس کا باپ اخلاقی خوبیوں کو پسند کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ اخلاقی خوبیاں پسند فرماتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

ان عدی بن حاتم اتی رسول اللّٰہ ﷺ فقال یا رسول اللّٰہ ﷺ ان ابی کان یصل القرابة ویحمل الکل ویطعم الطعام قال ھل ادرک الاسلام قال لا قال ان اباک کان یحب ان یذکر فذکر''

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں آئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میرے باپ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے اور کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے اور کھانا کھلاتے تھے۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے اسلام پایا کہا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے باپ شہرت پسند کرتے تھے تو وہ مشہور ہوگئے۔

[المعجم الکبیر للطبرانی، ۲۰/ ۱۹۷]

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حاتم طائی مسلمان نہیں ہے۔

رہا حاتم طائی کو ''سخی'' کہنا تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے البتہ بطور مدح اس کو سخی

نہیں کہنا چاہیے کیوں کہ مذکورہ بالا حدیث سے اس کا کافر ہونا ثابت ہے اور از روئے شرع کافر تو کافر کسی فاسق کی بھی مدح جائز نہیں ہے۔حدیث پاک میں ہے آتا ہے:

ان اللّٰہ عز وجل یغضب اذا مدح الفاسق فی الارض.

جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عزوجل غضب فرماتا ہے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتز لہ العرش.

جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کی وجہ سے عرش الٰہی کانپ جاتا ہے۔

[شعب الایمان للبیھقی ج۴ ص ۲۳۱، باب فی حفظ اللسان]

ھذا ما عندی والعلم عند اللّٰہ تعالیٰ.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

باب الصلوۃ

﴿رکعات نماز کا ثبوت احادیث سے﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان ذوی الاحترام اس مسئلہ کی بابت کہ کیا نماز پنج گانہ کی مکمل رکعات یعنی فرض، سنت قبلیہ وبعدیہ، وتر ونوافل احادیث سے ثابت ہیں؟ عام کتابوں میں رکعات کا ذکر تو ہے البتہ احادیث کے حوالے سے نماز پنج گانہ کی مکمل رکعات کا ذکر یکجا نہیں ہے۔ اگر رکعات نماز کے سلسلے میں احادیث کریمہ بیان فرمادیں تو بہتر ہوگا

محمد ثاقب رضا قادری ضیائی (مرکز الاولیاء لاہور پاکستان)

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم

یقیناً سبھی نمازوں کا ثبوت احادیث میں موجود ہے ہم قدرے اجمال سے ان احادیث کو بالترتیب قلمبند کرتے ہیں جن میں نماز پنج گانہ کا واضح ثبوت موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

احادیث نبویہ کی روشنی میں فرض نمازوں کا اجمالی بیان

بخاری شریف میں طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی فرماتے ہیں

"جاء رجل إلى رسول اللّٰه ﷺ من أهل نجد ثائر الرأس يسمع دوي صوته ، ولا يفقه ما يقول حتى دنا فإذا هو يسأل ، عن الإسلام ، فقال رسول اللّٰه ﷺ خمس صلوات في اليوم والليلة ، فقال: هل علي غيرها ؟ قال: لا، إلا أن تطوع"

(ایک شخص نجد کا رہنے والا جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے، رسول اللہ کے پاس

آیا اس کی آواز کی گنگناہٹ تو سنی جارہی تھی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہے البتہ جب وہ قریب ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے اسلام کی بابت پوچھ رہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں، وہ شخص بولا کہ کیا ان کے علاوہ بھی میرے اوپر فرض ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تو اپنی خوشی سے پڑھے)

[۱/۱۱، ۱۲، باب الایمان، باب الزکوۃ من الاسلام]

الحاصل: مندرجہ بالا حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ بندوں پر ایک دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔

کس نماز میں کتنی رکعات ہیں اب ہم اس کا تفصیلی بیان احادیث نبویہ کی روشنی میں قلمبند کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

نماز فجر کی رکعات

نماز فجر کی سنت رکعات کا ثبوت

بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے:

كان النبي ﷺ يصلي ركعتين خفيفتين بين النداء والإقامة من صلاة الصبح

(نبی کریم ﷺ نماز فجر میں اذان اور اقامت کے درمیان ہلکی سے دو رکعت پڑھتے تھے)

[بخاری، ۱/۸۷، باب الاذان بعد الفجر، مسلم، ۱/۲۵۰، باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر]

نماز فجر کی فرض رکعتوں کا بیان

بخاری شریف میں ہے "حدثنا سيار بن سلامة قال دخلت أنا وأبي على أبي برزة الأسلمي فسألناه عن وقت الصلوات فقال كان النبي ﷺ.....يصلي الصبح فينصرف الرجل فيعرف جليسه ، وكان يقرأ في الركعتين ، أو إحداهما ما بين الستين إلى المئة"

(سیار بن سلامہ کہتے ہیں کہ میں اور میرے والد ابو برزہ اسلمی سے ملنے گئے ہم نے ان سے نماز کے اوقات سے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ .....نبی ﷺ فجر کی نماز اس وقت ادا کرتے جب کہ اتنی روشنی ہوجاتی کہ آدمی اپنے پاس والے کو پہچان لیتا آپ دونوں رکعتوں میں یا ایک میں سو سے ساٹھ آیات تک تلاوت فرماتے تھے)[۱/۱۰۶، باب القراءۃ فی الفجر]

سنن ابوداؤد شریف میں ہے "عن قيس بن عمرو قال رأى رسول اللّٰه ﷺ رجلا يصلي بعد صلاة الصبح ركعتين فقال رسول اللّٰه ﷺ صلاة الصبح ركعتان فقال الرجل إني لم أكن صليت الركعتين اللتين قبلهما فصليتهما الآن فسكت رسول اللّٰه ﷺ"

(حضرت قیس بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو فجر کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ صبح کی نماز دو رکعت ہے اس نے عرض کیا کہ میں نے فجر سے پہلے کی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں اس وقت وہ پڑھی ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی)

[سنن ابوداود ۱/۱۸۰، باب التطوع، باب من فاتته متی یقضیها]

الحاصل: مذکورہ بالا احادیث کریمہ کی روشنی میں صاف ہوگیا کہ فجر کی فرض نماز دو (۲) رکعت ہے اور اس سے قبل دو رکعات نماز سنت ہے۔

نماز ظہر کی ابتدائی چار رکعت سنتوں کا بیان

بخاری میں حضرت عائشہ سے مروی ہے "أن النبی ﷺ کان لا یدع أربعا قبل الظهر"

(نبی ظہر سے پہلے کی چار رکعات کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔)

[بخاری، ۱/۱۵۷، باب الرکعتان قبل الظهر]

سنن ابوداؤد و سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ام حبیبہ سے مروی ہے فرماتی ہیں:

من حافظ علی أربع رکعات قبل الظهر وأربع بعدها حرمه الله علی النار

(جو شخص ظہر سے قبل اور بعد چار چار رکعات نماز (نوافل) کا اہتمام کرے، اللہ اسے آگ پر حرام کردے گا۔)

[سنن ابوداود، ۱/۱۸۰، باب الاربع قبل الظهر وبعدها، سنن ترمذی: ۱/۹۸، باب ماجاء فی الرکعتین بعد الظهر، سنن ابن ماجه، ص۱۸، باب ماجاء فیمن صلی قبل الظهر اربعا وبعدها اربعا]

الحاصل: احادیث مذکورہ سے ثابت ہوا کہ ظہر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعت (سنت مؤکدہ) ہیں۔

نماز ظہر کے چار رکعات فرض کا ثبوت

صحیح بخاری اور سنن ترمذی میں ہے:

"عن أنس بن مالک، رضی الله عنه، أن النبی ﷺ صلی الظهر بالمدینة أربعا"

(حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں چار رکعت نماز ظہر ادا فرمائی)

[۱/۲۰۹، باب من بات بذی الحلیفة حتی أصبح [سنن ترمذی: ۱/۱۲۲، باب التقصیر فی السفر]

سنن دار قطنی میں ہے:

"عن أبی مسعود قال أتی جبریل علیه السلام النبی ﷺ فقال قم فصل وذلک دلوک الشمس حین مالت الشمس فقام فصلی الظهر أربعا."

(حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے اور کہا کھڑے ہو جاؤ نماز پڑھو اور وہ سورج ڈھلنے کا وقت تھا پس نبی ﷺ کھڑے ہوئے ظہر کی چار رکعت ادا فرمائی)

[۱/۳۶۱، باب عدد رکعات الصلوات الخمس]

الحاصل: مذکورہ بالا احادیث سے نماز ظہر کی فرض رکعات چار ثابت ہیں۔ یعنی نماز ظہر میں فرض نماز چار رکعت ہے۔

نماز ظہر کے فرض کے بعد سنتوں اور نفل کی رکعتوں کا بیان

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی فرماتے ہیں

"صلیت مع رسول الله ﷺ .... رکعتین بعد الظهر"

میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز ظہر کے بعد دو رکعت نماز پڑھی)

[صحیح بخاری، ۱/۱۵۶، باب ماجاء فی التطوع مثنی مثنی، سنن مسلم،]

اسی میں حضرت عنبسہ بن ابوسفیان سے مروی فرماتے ہیں:

"أخبرتنی أختی أم حبیبة زوج النبی ﷺ أن حبیبها أبا القاسم ﷺ أخبرها قال ما من عبد مؤمن یصلی أربع رکعات بعد الظهر فتمس وجهه النار أبدا إن شاء الله عز وجل"

(مجھے میری بہن حضرت ام حبیبہ نے بتایا کہ ان کے حبیب ابوالقاسم ﷺ نے انہیں بتایا کہ کوئی مومن بندہ ایسا نہیں جو ظہر کے بعد چار رکعت نماز ادا کرے اسے جہنم کی آگ چھوئے اگر اللہ چاہے تو) [سنن نسائی، ۱/۲۰۱، باب الاختلاف علی اسماعیل]

الحاصل: احادیث مذکورہ سے دو رکعت سنت مؤکدہ اور دو نفل ثابت ہیں۔ ظہر کے فرض ادا کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ سے دو رکعت (سنت مؤکدہ) فعلاً ثابت اور چار رکعت یعنی دو سنت مؤکدہ اور دو نفل قولاً ثابت ہیں۔

نماز عصر سے قبل کی چار رکعت سنتوں کا بیان

سنن ابوداؤد و ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے

"عن النبی ﷺ قال رحم الله امرأ صلی قبل العصر اربعاً"

(اللہ تعالیٰ اس پر رحمت نازل فرمائے جو عصر کی نماز سے قبل چار رکعات پڑھے)

[سنن ابوداود، ۱/۱۸۰، باب الصلاة قبل العصر، سنن ترمذی: ۱/۹۸، باب الاربع قبل العصر]

الحاصل: نماز عصر سے پہلے چار رکعت سنت (غیر مؤکدہ) ہیں۔

نماز عصر کی فرض رکعات

مسلم شریف اور سنن ابوداؤد میں حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے

"أن رسول الله ﷺ صلی العصر فسلم فی ثلاث رکعات ثم دخل منزله فقام إلیه رجل یقال له الخرباق وکان فی یدیه طول فقال یا رسول الله فذکر له صنیعه وخرج غضبان یجر رداءه حتی انتهی إلی الناس فقال أصدق هذا قالوا نعم فصلی رکعة ثم سلم ثم سجد سجدتین ثم سلم"

(رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی تو آپ ﷺ نے تین رکعات کے بعد سلام پھیر دیا پھر اپنے گھر تشریف لے جانے لگے تو آپ ﷺ کی بارگاہ میں ایک آدمی کھڑا ہوا جسے خرباق کہا جاتا ہے اور اس کے ہاتھ بھی لمبے تھے اس نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ پھر آپ ﷺ نے جو کیا وہ آپ ﷺ کو اس نے یاد دلا دیا آپ ﷺ غصہ میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے نکلے اور لوگوں تک پہنچ گئے پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ سچ کہتا ہے لوگوں نے کہا کہ ہاں پھر آپ ﷺ نے ایک رکعت پڑھائی پھر سلام پھیرا پھر دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا)

[مسلم، ۱/۲۱۴، باب السهو فی الصلاة والسجود له، سنن ابوداود، ۱/۱۴۶، باب فی سجدة السهو]

سنن دار قطنی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی فرماتے ہیں

"قال النبی ﷺ أتی جبریل علیه السلام..... حین کان ظله مثله فقال قم فصل فصلی العصر أربعا"

(نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے.....اس وقت جب کہ سایہ ایک مثل ہوگیا کہا کھڑے ہوجاؤ نماز پڑھو تو آپ نے عصر کی چار رکعت نماز ادا فرمائی)

[۱/۳۶۱،باب عدد رکعات الصلوات الخمس]

الحاصل: درج بالا احادیث سے عصر کی فرض نماز چار رکعت ثابت ہوئی۔

نماز مغرب کی فرض رکعات

مسلم شریف میں ہے:

"عن ابن شهاب ان عبیداللّٰه بن عبداللّٰه بن عمر أخبره أن أباه قال جمع رسول اللّٰه ﷺ بین المغرب والعشاء لیس بینهما سجدة وصلی المغرب ثلاث رکعات"

(حضرت شہاب سے مروی ہے کہ عبید اللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو اکٹھا پڑھا اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی سجدہ نہیں کیا (یعنی کوئی نفل وغیرہ نہیں پڑھے) اور آپ ﷺ نے مغرب کی تین رکعتیں پڑھیں)

[مسلم، ۱/۴۱۷،باب الإفاضة من عرفات إلی المزدلفة واستحباب صلاتی المغرب والعشاء]

حضرت عائشہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا "کان أول ما افترض علی رسول

اللّٰه ﷺ الصلاة رکعتان رکعتان إلا المغرب فإنها کانت ثلاثا"

(رسول اللہ ﷺ پر اولاً دو دو رکعت نماز فرض ہوئی سوائے مغرب کے کہ وہ تین رکعت ہوئی)[مسند احمد ۶/۲۷۲]

الحاصل: مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ مغرب میں فرض نماز تین رکعت ہیں۔

مغرب کی سنت ونفل رکعات کا ثبوت

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت عبداللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں

"صلیت مع رسول اللّٰه ﷺ .....رکعتین بعد المغرب"

(میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مغرب کے بعد دو رکعت نماز پڑھی)

[صحیح بخاری، ۱/۱۵۶،باب ماجاء فی التطوع مثنی مثنی، صحیح مسلم]

سنن نسائی میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے

"أن رسول اللّٰه ﷺ کان یصلی بعد المغرب رکعتین فی بیته"

(نبی کریم ﷺ مغرب کی نماز کے بعد اپنے گھر میں دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے)

[سنن نسائی، ۱/۱۰۰،باب الصلاة بعد الظهر]

الحاصل: مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ مغرب کی فرض نماز کے بعد دو رکعت نماز سنت (مؤکدہ) ہے۔

اور مؤثر الذکر حدیث سے مغرب کی نماز کے بعد سے عشاء تک بیس رکعت نفل نماز ثابت ہے، اس میں دو رکعت ابتدائی سنت (مؤکدہ) اور اس کے بعد ہمارے یہاں جو دو نفل پڑھے جاتے ہیں اس کی اصل بھی اس میں موجود ہے۔

قبل عشاء سنتوں کی رکعتوں کا بیان

عشاء سے پہلے کی چار سنتوں کا ذکر کتب احادیث میں نہیں ہے البتہ فقہ حنفی کی کتاب "الاختیار لتعلیل المختار لابن المودود" میں حضرت عائشہ سے مروی درج ذیل روایت نقل کی گئی ہے جس میں عشاء سے قبل چار رکعات سنتوں کا ثبوت موجود ہے

"عن عائشة أنه علیه الصلاة والسلام کان یصلی قبل العشاء أربعا"

(حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ عشاء سے پہلے چار رکعت نماز ادا فرماتے تھے)[۱/۷۲]

نماز عشاء کی فرض رکعات

بخاری شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

شکا أهل الکوفة سعدا إلی عمر رضی اللّٰه عنه فعزلهوا استعمل علیهم عمارا ، فشکوا ، حتی ذکروا أنه لا یحسن یصلی ، فأرسل إلیه فقال یا أبا إسحاق إن هؤلاء یزعمون أنک لا تحسن تصلی ؟ قال أبو إسحاق: أما أنا واللّٰه فإنی کنت أصلی بهم صلاة رسول اللّٰه ﷺ ما أخرم عنها ، أصلی صلاة العشاء ، فأرکد فی الأولیین ، وأخف فی الأخریین"

(کوفہ والوں نے حضرت عمر سے حضرت سعد کی شکایت کی حضرت عمر نے حضرت سعد کو معزول فرمادیا اور عمار کو ان کا گورنر بنادیا انہوں نے حضرت سعد کی بہت زیادہ شکایتیں کیں یہاں تک کہ وہ نماز بھی درست نہیں پڑھاتے

تھے حضرت عمر نے انہیں بلالیا اور ان سے کہا کہ اے ابواسحاق یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھاتے تھے حضرت سعد بولے خدا کی قسم ان کے ساتھ میں نے ویسی نماز ادا کی ہے جیسی حضور ﷺ کی نماز ہوتی تھی، چنانچہ میں عشاء کی نماز پڑھاتا تھا تو پہلی دو رکعتوں میں زیادہ دیر لگاتا تھا اور اخیر کی دو رکعت ہلکی پڑھتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے ابواسحاق تم سے یہی امید تھی)

[۱/۱۰۴،باب وجوب القراءة للإمام والمأموم فی الصلوات کلها فی الحضر والسفر]

الحاصل: مذکورہ بالا حدیث پاک کی روشنی میں ثابت ہوا کہ عشاء کی فرض نماز چار رکعت ہے۔

عشاء کے بعد کی سنت وتر اور نوافل رکعات

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی فرماتے ہیں

"أن رسول اللّٰه ﷺ کان یصلی ....بعد العشاء رکعتین"

(رسول اللہ ﷺ عشاء کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے)[صحیح بخاری، ۱/۱۲۸،باب الصلاة بعد الجمعة وقبلها، صحیح مسلم]

درج بالا احادیث سے فرض کے بعد دو رکعت سنت (مؤکدہ) ثابت ہوتی ہے۔

سنن ابوداؤد میں ہے:

حدثنا زرارة بن أوفی أن عائشة رضی اللّٰه عنها سئلت عن صلاة رسول اللّٰه ﷺ فی جوف اللیل فقالت کان یصلی

صلاة العشاء فی جماعة ثم یرجع إلی أهله فیرکع أربع رکعات"

(زرارہ بن اوفی سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ سے رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز سے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ نبی ﷺ عشاء جماعت سے ادافرمانے کے بعد اپنے گھر والوں میں تشریف لے آتے تھے اور چار رکعت نماز ادافرماتے تھے)

[سنن ابو داود، ۱/ ۱۹۰، باب صلاۃ اللیل]

اس حدیث پاک سے نماز عشاء کے فرض کے بعد چار رکعت نماز یعنی دو رکعت سنت (مؤکدہ) اور دو نفل کا ثبوت ملتا ہے۔

سنن ترمذی میں حضرت علی سے مروی فرماتے ہیں:

"کان النبی ﷺ یوتر بثلاث... قال أبو عیسی وقد ذهب قوم من أهل العلم من أصحاب النبی ﷺ وغیرهم إلی هذا ورأوا أن یوتر الرجل بثلاث قال سفیان إن شئت أوترت بخمس وإن شئت أوترت بثلاث وإن شئت أوترت برکعة قال سفیان والذی أستحب أن یوتر بثلاث رکعات وهو قول ابن المبارک وأهل الکوفة"

(رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے.....امام ابو عیسی ترمذی فرماتے ہیں علماء صحابہ وغیرہم کی ایک جماعت کا اسی پر عمل ہے کہ وتر میں تین رکعات پڑھی جائیں سفیان ثوری کہتے ہیں کہ پانچ رکعت تین رکعت ایک رکعت جتنی چاہے پڑھے لیکن میرے نزدیک وتر کی تین رکعتیں پڑھنا مستحب ہے ابن مبارک اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے)

[سنن ترمذی: ۱/ ۱۰۶، باب فی الوتر بثلاث]

سنن نسائی میں حضرت ابی بن کعب سے مروی "أن رسول اللہ ﷺ کان یوتر بثلاث رکعات"

(اللہ کے رسول ﷺ وتر تین رکعات پڑھتے تھے)[سنن نسائی، ۱/ ۱۹۱، باب کیف الوتر بثلاث]

درج بالا احادیث کریمہ سے ثابت ہے کہ وتر کی نماز تین رکعت ہے۔

سنن ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت

"أن رسول الله... رکع رکعتین وهو جالس بعد الوتر"

(رسول اللہ ﷺ وتر کے بعد دو رکعت نماز بیٹھ کر ادافرماتے تھے)

[سنن ابو داود، ۱/ ۱۹۱، باب فی صلاۃ اللیل]

الحاصل: احادیث بالا سے ثابت ہوا کہ عشاء کے بعد دو رکعت سنت (مؤکدہ) ہیں دو رکعت نفل اور تین وتر اور پھر دو نفل، یعنی عشاء کے بعد کل سنن ونوافل سوائے تین رکعت وتر واجب کے چھ رکعت ہیں۔

نماز جمعہ سے قبل کی چار سنتیں

سنن ابن ماجہ میں حضرت عبد اللہ ابن عباس سے مروی ہے فرماتے ہیں:

"کان النبی ﷺ یرکع قبل الجمعة أربعا."

(نبی ﷺ جمعہ سے قبل چار رکعت ادافرماتے تھے)

[سنن ابن ماجہ: ص ۷۹، باب ماجاء فی الصلاۃ قبل الجمعۃ]

الحاصل: مذکورہ حدیث پاک سے جمعہ کی فرض نماز سے قبل چار رکعت نماز (سنت مؤکدہ) ادا کرنا ثابت ہے۔

جمعہ کی دو رکعت فرض کا بیان

سنن نسائی میں ہے:

"عن عبد الرحمن بن أبی لیلی قال قال عمر صلاة الجمعة رکعتان"

(عبد الرحمن بن ابو لیلی نے کہا کہ حضرت عمر نے فرمایا جمعہ کی نماز دو رکعت ہے)

[سنن نسائی، ۱/ ۱۵۹، باب عدد صلاۃ الجمعۃ]

سنن ابوداؤد میں حضرت نافع سے روایت ہے

"أن ابن عمر رأی رجلا یصلی رکعتین یوم الجمعة فی مقامه فدفعه وقال أتصلی الجمعة أربعا"

(حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ ابن عمر نے ایک شخص کو جمعہ کے دن اسی جگہ (جہاں اس نے جمعہ کی دو رکعت نماز ادا کی تھی) نماز ادا کرتے دیکھا تو آپ نے اس کو ہٹایا اور فرمایا کہ کیا جمعہ کی چار رکعت نماز پڑھ رہا ہے (یعنی جمعہ کی نماز تو دو رکعت ہے تو اسی جگہ جہاں پر ابھی جمعہ کی دو رکعت پڑھی ہیں دوا ور پڑھ رہا ہے گویا جمعہ کی چار رکعت پڑھ رہا ہے؟)

[سنن ابو دائود، ۱/ ۱۶۰، باب الصلاۃ بعد الجمعۃ]

الحاصل: احادیث کریمہ سے ثابت ہوا کہ جمعہ کی فرض نماز دو رکعت ہے۔

جمعہ کے بعد کی سنتوں کا بیان

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے:

"قال رسول اللہ ﷺ إذا صلی أحدکم الجمعة فلیصل بعدها أربعاً"

(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز جمعہ پڑھے

تو اسے چاہئے کہ اس کے بعد چار رکعت نماز ادا کرے)

[مسلم، ۱/ ۲۸۸ باب فی استحباب اربع رکعات او الرکعتین بعد الجمعۃ]

درج بالا حدیث سے نماز جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنا ثابت ہے۔ اور مندرجہ ذیل احادیث سے ان چار رکعت کے علاوہ دو رکعت نماز کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ ابن عمر سے مروی ہے

"أن رسول الله ﷺ...، وکان لا یصلی بعد الجمعة حتی ینصرف فیصلی رکعتین"

(رسول اللہ ﷺ جمعہ کے بعد واپس آ کر دو رکعت نماز ادافرماتے تھے)

[صحیح بخاری، ۱/ ۱۲۸، باب الصلاۃ بعد الجمعۃ وقبلہا]

صحیح مسلم میں حضرت سالم سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں

"أن النبی ﷺ کان یصلی بعد الجمعة رکعتین"

(نبی کریم ﷺ جمعہ کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے تھے)

[مسلم، ۱/ ۲۸۸ باب فی استحباب اربع رکعات او الرکعتین بعد الجمعۃ]

الحاصل: درج بالا احادیث سے جمعہ کے فرض ادا کرنے کے بعد چھ رکعت نماز ادا کرنا ثابت ہے۔ جس میں چار رکعت نماز سنت مؤکدہ اور دو بعد والی سنت غیر مؤکدہ ہے۔ ھذا ما عندی و العلم اتم عند اللہ تعالیٰ.

کتبـــــــــــــــــــــہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۶/ شوال المکرم ۱۴۳۴ھ

﴿اذان واقامت سے قبل درود شریف پڑھنا اور بدمذہبوں سے میل جول رکھنے والے کی امامت کا حکم﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان ذوی الاحترام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) ہمارے یہاں اذان اور اقامت سے پہلے مؤذن بلند آواز سے درود شریف پڑھتا ہے اور امام صاحب نماز کے بعد دعا سے پہلے درود شریف پڑھتے ہیں کیا یہ درست ہے؟ کچھ لوگ اس کو ناجائز وحرام قرار دیتے ہیں۔

(۲) ہماری مسجد کے امام صاحب دیوبندی غیر مقلد اور شیعہ حضرات سے خوب میل جول رکھتے ہیں ایسے امام کے پیچھے نماز ادا کرنا کیسا ہے؟

المستفتی محمد ندیم بٹ جامع مسجد میتر اضلع رام بن جموں کشمیر

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

(۱) اذان واقامت سے قبل اور نماز کے بعد دعا سے قبل درود شریف پڑھنا جائز بلکہ مستحب ومستحسن ہے۔ خواہ دھیری آواز میں پڑھیں یا بلند آواز میں۔

جو لوگ اس کو ناجائز وحرام قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کسی چیز کو حرام قرار دینے کے لئے دلائل درکار ہیں ان سے شرعی دلائل طلب کریں زندگی بھر نہ پائیں گے۔ البتہ اس کے جواز واستحباب پر بے شمار دلائل موجود ہیں چند ایک ملاحظہ فرمائیں۔

ابوداؤد شریف میں ہے:

''عن عروة بن الزبير عن امرأة من بنى النجار قالت كان بيتى من أطول بيت حول المسجد وكان بلال يؤذن عليه الفجر فيأتى بسحر فيجلس على البيت ينظر إلى الفجر فإذا رآه تمطى ثم قال اللهم إنى أحمدك وأستعينك على قريش أن يقيموا دينك قالت ثم يؤذن قالت والله ما علمته كان تركها ليلة واحدة تعنى هذه الكلمات''

[سنن ابوداؤد ۱/۷۷، باب الاذان فوق المنارة]

(حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بنی نجار کی ایک صحابیہ خاتون سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ مسجد نبوی کے اردگرد جو گھر تھے ان سبھی گھروں کے مقابلے میرا گھر زیادہ بلند تھا۔ حضرت بلال فجر کی اذان اسی پر کہتے تھے وہ پچھلی رات آکر مکان کی چھت پر بیٹھ جاتے اور فجر طلوع ہونے کا انتظار کرتے جب اسے دیکھتے تو انگڑائی لیتے اور یہ کلمات کہتے (اے اللہ! میں تیری حمد وثنا بیان کرتا ہوں اور تجھ سے مدد چاہتا ہوں اس بات پر کہ قریش تیرے دین کو قائم کریں) پھر اذان کہتے۔ وہ صحابیہ فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتی کہ انہوں نے کسی رات یہ کلمات ترک کئے ہوں۔)

اس حدیث سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اذان سے پہلے بلند آواز سے قریش کے لیے دعا کرنا ثابت ہوا۔ ہر عقلمند جانتا ہے کہ درود وسلام بھی دعا ہی ہے تو جب قریش کے لئے اذان سے پیشتر دعا مانگی جاسکتی تو سردار قریش، قریش کی جان محمد ﷺ کے حق میں دعا بھلا کیوں ناجائز ہوسکتی ہے؟

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

''اول مازيد الصلاة والسلام بعد كل اذان على المنارة فى زمن السلطان المنصور حاجى بن الاشرف شعبان بن حسين

بن الناصر محمد بن المنصور قلاوون بامر المحتسب نجم الدين الطنبدى وذلك فى شعبان سنة احدى وتسعين وسبعمائة وكان حدث قبل ذلك فى ايام السلطان صلاح الدين بن ايوب ان يقال قبل اذان الفجر فى كل ليلة بمصر والشام السلام عليك يا رسول اللّٰه ﷺ واستمر ذلك الى سنة سبع وستين وسبعمائة فزيد بامر المحتسب صلاح الدين البرلسى ان يقال ''الصلاة والسلام عليك يارسول اللّٰه ﷺ'' ثم جعل عقب كل اذان سنة احدى وتسعين وسبعمائة''

(اذان کے بعد درود وسلام کا سب سے پہلے آغاز شعبان المعظم ۷۹۱ھ میں سلطان حاجی بن اشرف کے دور میں محتسب نجم الدین طلمبذی کے حکم سے ہوا اور اس سے پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور مبارک میں مصر اور شام کے تمام شہروں میں فجر کی اذان سے پہلے السلام علی رسول اللہ ﷺ پڑھنے کا آغاز ہوا اور یہ سلسلہ ۷۶۷ھ تک جاری رہا اس کے بعد محتسب صلاح الدین برلسی کے حکم پر ''الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ ﷺ'' کا اضافہ کیا گیا اور پھر ۷۹۱ھ سے ہر اذان کے بعد اس کو شروع کردیا گیا) [الوسائل الی معرفۃ الاوائل، مخطوطہ، ص ۲۰]

علامہ سخاوی اپنی کتاب ''القول البديع فى الصلاة على الحبيب الشفيع'' میں فرماتے ہیں

''قد احدث المؤذنون الصلاة والسلام على رسول اللّٰه ﷺ عقب الاذان للفرائض الخمس الا الصبح والجمعة فانهم يقدمون ذلك فيها على الاذان والا المغرب فانهم

لا يفعلونه اصلا لضيق وقتها وكان ابتداء حدوث ذلك من ايام السلطان الناصر صلاح الدين ابى المظفر يوسف بن ايوب وامره ... وقد اختلف فى ذلك هل هو مستحب او مكروه بدعة او مشروع ... والصواب انه بدعة حسنة يوجر فاعله بحسن نيته''

(موذن حضرات نے پانچوں نمازوں میں اذان کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود وسلام پڑھنے کا آغاز کیا فجر اور جمعہ کی اذان سے پہلے درود وسلام پڑھتے تھے اور مغرب میں وقت تنگ ہونے کے سبب نہیں پڑھتے تھے اس کی ابتداء سلطان ناصر صلاح الدین ایوبی کے دور میں ان کے حکم سے ہوئی۔ اس کے مستحب اور مکروہ، بدعت، جائز، ہونے میں علماء نے اختلاف کیا ہے لیکن ٹھیک یہ ہے کہ وہ بدعت حسنہ ہے اچھی نیت سے کرنے والا اجر پائے گا) [صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶، مطبع دارالریان]

دیوبندی مشہور عالم زکریا کاندھلوی اپنی کتاب فضائل اعمال میں فتاوی شامی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''علماء نے تصریح کی ہے اس کے استحباب کی جمعہ کے دن.....اذان کے جواب کے بعد اور تکبیر کے وقت اور دعا مانگنے کے شروع میں بیچ میں اور اخیر میں'' [فضائل اعمال، فضائل درود شریف، ص ۶۷]

اعلیٰ حضرت اقامت سے پیشتر درود شریف پڑھنے سے متعلق رقمطراز ہیں:

''درود شریف قبل اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہئے یا درود شریف کی آواز آواز اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے اور عوام کو درود شریف جزء اقامت نہ معلوم ہو، رہا زید کا عمرو پر اصرار کرنا وہ اصلاً کوئی وجہ شرعی نہیں رکھتا یہ زید کی زیادتی ہے۔''

فتاوی فیض الرسول میں ہے:

''اذان واقامت سے پہلے درود شریف پڑھنا جائز ہے مگر درود شریف پڑھنے کے بعد قدرے ٹھہر جائے پھر اذان واقامت پڑھے تاکہ دونوں کے درمیان فصل ہوجائے یا درود شریف کی آواز اذان واقامت کی آواز سے پست رہے تاکہ امتیاز رہے'' [۱/۱۸۰]

اور رہا نماز کے بعد دعا سے پیشتر درود شریف پڑھنا تو یہ تو دعا کی مقبولیت کی دلیل ہے بارگاہ رسالت سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ترمذی شریف میں ہے:

''عن فضالة بن عبيد قال : بينا رسول الله صلى الله عليه و سلم قاعدا إذ دخل رجل فصلى فقال اللهم اغفر لى وارحمنى فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم عجلت أيها المصلى إذا صليت فقعدت فاحمد الله بما هو أهله وصل على ثم ادعه قال ثم صلى رجل آخر بعد ذلك فحمد الله وصلى على النبى صلى الله عليه و سلم فقال له النبى صلى الله عليه و سلم أيها المصلى ادع تجب'

(حضرت فضالہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے آکر نماز ادا کی پھر ان الفاظ سے

''اللهم اغفر لى وارحمنى'' دعا کی نبی ﷺ نے فرمایا او نمازی تو نے جلدی کی جب تو نماز پڑھے تو بیٹھ جا اور اللہ کی حمد وثنا بیان کر اس کی شان کے مطابق اور پھر مجھ پر درود پڑھ پھر دعا مانگ حضرت فضالہ کہتے ہیں کہ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی اللہ کی حمد کی اور نبی ﷺ پر درود بھیجا نبی ﷺ نے فرمایا اے نمازی دعا کر تیری دعا قبول کی جائے گی) [ترمذی شریف]

الحاصل: درود وسلام خواہ اذان سے پہلے پڑھا جائے یا اذان کے بعد اقامت سے پہلے پڑھیں یا نماز کے بعد ہر طرح جائز ومستحب اور باعث برکت ہے۔

(۲) جو امام بدمذہبوں سے میل جول رکھتا ہے اگر ان کے عقائد کفریہ سے متفق بھی ہے تب تو وہ بھی کافر وبدمذہب ہے۔ اور اگر ان کے عقائد کفریہ سے متفق نہیں بلکہ ان کو گمراہ وکافر تسلیم کرتا ہے لیکن ان سے میل جول رکھتا ہے تو ایسا شخص فاسق ہے اور فاسق امام کی اقتداء ناجائز وحرام ہے۔

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے

''إمامة الفاسق مكروهة تحريما''

(فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے) [۳۰۲، فصل فی بیان احق بالامامة]

امداد الفتاح شرح نور الایضاح میں ہے:

''كره إمامة الفاسق العالم لانه لايهتم لامر دينه ولان فى تقديمه للامامة تعظيمه وقدوجب إهانته شرعا''

(فاسق عالم کی امامت مکروہ ہے اس لئے کہ وہ اپنے دینی معاملات کا اہتمام نہیں کرتا اور اس لئے کہ اس کو امامت کے لئے آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ از روئے شرع اس کی توہین واجب ہے)

[ص ۳۴۲ فصل فى بيان احق بالامامة]

هذا ما عندى والعلم عند الله تعالىٰ

کتبـــ

بدمذہب کی نماز جنازہ بدمذہب امام کی اقتداء میں پڑھنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

(۱) ہمارے گاؤں گلڈیا میں ایک دیوبندی کا انتقال ہوگیا اس کی نماز جنازہ بھی دیوبندی امام نے پڑھائی کچھ سنی حضرات نے نماز جنازہ میں شرکت بھی کی ہٹی بھی اور اس کے لئے ایصال ثواب بھی کیا شریعت میں ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟ نیز جن لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی ان میں سے ایک شخص مسجد میں اذان واقامت بھی پڑھتا ہے تو کیا اس کی اذان واقامت درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

محمد ریاست علی، محمد وسیم احمد، محمد سلیم گلڈیا لہری کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرحيم نحمده ونصلى علىٰ حبيبه الكريم

دیوبندی اپنے عقائد کفریہ کے سبب دائرہ اسلام سے خارج ہیں ان کی نماز جنازہ پڑھنا اگر انہیں مسلمان سمجھ کر ہے تو پڑھنے والا بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے اس پر توبہ، تجدید ایمان، تجدید بیعت، اور تجدید نکاح لازم وضروری ہے اور اگر لاعلمی میں یا انہیں کافر جانتے ہوئے پڑھے تو سخت گنہگار ہے اس پر توبہ لازم ہے۔

قرآن مقدس میں ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ

[سورہ توبہ آیت ۸۴]

(اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بیشک اللہ اور رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے)

حضور صدر الافاضل اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اس آیت میں سید عالم ﷺ کو منافقین کے جنازے کی نماز اور ان کے دفن میں شرکت کرنے سے منع فرمایا گیا۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کافر کے جنازے کی نماز کسی حال میں جائز نہیں اور کافر کی قبر پر دفن وزیارت کے لئے کھڑے ہونا بھی ممنوع ہے'' [کنز الایمان، سورہ توبہ آیت ۸۴]

نبی ﷺ فرماتے ہیں:

''فلا تؤاكلوهم ولا تشاربوهم ولا تجالسوهم ولا تصلوا عليهم ولا تصلوا معهم''

(بدمذہبوں کے ساتھ نہ کھاؤ نہ پیو نہ بیٹھو نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو) [کنز العمال ۱۱/۵۴۰]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''جسے یہ معلوم ہو کہ دیوبندیوں نے رسول اللہ ﷺ کی توہین کی ہے پھر ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہے اسے مسلمان نہ کہا جائے گا کہ پیچھے نماز پڑھنا اس کی ظاہر دلیل ہے کہ ان کو مسلمان سمجھا اور رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنے والے کو مسلمان سمجھنا کفر ہے اسی لئے علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق دیوبندیوں کو کافر مرتد لکھا اور صاف فرمایا کہ ''من شک فی کفره وعذابه فقد كفر'' جس نے ان کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے۔ جو ان کے عقائد پر مطلع ہو کر انہیں مسلمان جانا در کنار ان کے کفر میں شک ہی کرے وہ بھی کافر اور جن کو اس کی خبر نہیں اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ یہ برے لوگ بدعقیدہ بدمذہب ہیں وہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے سخت اشد

گنہگار ہوتے ہیں اور ان کی وہ نمازیں سب باطل وبیکار"

الحاصل:۔صورت مسئولہ میں دیوبندی کی نماز جنازہ دیوبندی امام کے پیچھے پڑھنے والوں نے اگر میت اور امام دونوں کو مسلمان سمجھ کر پڑھی ہے تو وہ لوگ توبہ، تجدید ایمان، تجدید بیعت، اور تجدید نکاح کریں، اور جن لوگوں نے میت اور امام دونوں کو ان کے عقائد کفریہ کے سبب کافر ہی جانا لیکن رسماً یا کسی اور سبب سے جنازہ میں شرکت کی وہ توبہ واستغفار کریں، اور جب تک وہ توبہ نہ کریں ہرگز ان کے لئے اذان اور اقامت پڑھنا جائز نہیں ہے۔ھذاماعندی و العلم عنداللّٰہ تعالیٰ.

کتبـــہ

محمدذو الفقارخان نعیمی

۱۴/شوال المکرم ۱۴۳۴ھ

﴿امام کا حافظ قرآن ہونا ضروری نہیں﴾

محترم المقام واجب الاحترام جناب مفتی صاحب! سلام مسنون

بعدہٗ عرض یہ ہے کہ ایک امام ایسا ہے کہ جس پر لوگوں کو قرآن یاد ہونے پر اختلاف ہے اکثر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ان کو قرآن یاد نہیں ہے لھذا یہ بتائیں کہ ایسے امام کی اقتدا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو امامت سے اسی وجہ سے ہٹانا درست یا نہیں؟ ازروئے شرع جواب دیں۔

المستفتی عبدالغفار گلڑ یا لہیر کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم

صورت مسئولہ میں امام میں کوئی ایسی کمی نہیں جس کے سبب ان کی اقتدا ناجائز ہو یا انہیں امامت سے ہٹایا جائے، مکمل قرآن کا یاد ہونا امام کے لئے ضروری نہیں ہے، بس اس قدر قرآن یاد ہو کہ نماز میں قراءت مسنونہ ادا ہو جائے کافی ہے۔

بحرالرائق میں ہے:

"حافظا من القرآن قدر ما تقوم به سنة القراء ة وقيده المصنف في الكافي بأن يكون حافظا قدر ما تجوز به الصلاة ، وينبغي أن يكون المختار قولا"

(قراء ت مسنونہ کی مقدار حافظ قرآن ہو اور مصنف نے کافی میں مقید کیا اسے کہ امام اتنے قرآن کا حافظ ہو جس سے نماز جائز ہو جائے اور مناسب ہے کہ یہی قول مختار ہو)[۱/۲۰۷،باب الامامة]

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة هكذا في المضمرات وهو الظاهر هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراء ة قدر ما تقوم به سنة القراء ة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه كذا في الكفاية وهكذا في النهاية"

(امامت کے سلسلے میں وہ شخص زیادہ بہتر ہے جو احکام نماز لوگوں سے زیادہ جانتا ہو ایسا ہی مضمرات میں ہے اور یہی ظاہر ہے یہ بحرالرائق میں لکھا ہے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ وہ قراء ت بھی بقدر مسنون جانتا ہو ایسا ہی تبیین میں ہے)[فتاوی ھندیه، ۱/۸۳،فصل فی بیان احق بالامامة]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"اگر واقع میں امام اول نہ وہابی ہے نہ غیر مقلد نہ دیوبندی نہ کسی قسم کا بد

مذہب، نہ اس کی طہارت یا قرأت یا اعمال وغیرہ کی وجہ سے کوئی وجہ کراہت، بلاوجہ اس کو معزول کرنا ممنوع ہے حتی کہ حاکم شرع کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا ۔ردالمحتار میں ہے"لیس للقاضی عزل صاحب وظیفة بغیر جنحة "یعنی بلاوجہ شرعی قاضی بھی امام کو معزول نہیں کرسکتا"[فتاوی رضویہ قدیم،۳/۲۴۱]

الحاصل: اگر امام میں کوئی شرعی کمی نہیں ہے تو اتنی سی بات پر کہ لوگوں کا خیال ہے امام کو قرآن یاد نہیں، امام کی اقتدا نہ کرنا اور انہیں امامت سے معزول کرنا جائز نہ ہوگا۔

کتبـــہ

محمدذو الفقارخان نعیمی

۱۷/شوال المکرم ۱۴۳۴ھ

مکروہ اوقات کا بیان اور فجر کا مستحب وقت

محترم مفتی صاحب السلام علیکم! آپ کی خدمت میں کچھ سوال پیش کر رہا ہوں جواب دے کر ممنون فرمائیں؛

(۱) نماز کے مکروہ وقتوں کے بیان میں طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور نصف النہار ان تینوں وقتوں میں نماز پڑھنا جائز نہیں نہ فرض نہ واجب نہ سنت نہ نفل نہ ادا نہ قضا نہ سجدہ سہو نہ سجدہ تلاوت معلوم یہ کرنا ہے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کا مطلب سورج کا پوری طرح نکل آنا اور ڈوب جانا ہے یا سورج نکلنے اور ڈوبنے کا ابتدائی وقت مراد ہے؟

(۲) فجر کی نماز کس وقت پڑھنا مستحب ہے؟

مقبول انصاری پنت نگر

کوارٹر نمبر ۲۹۶، پنت نگر ضلع اودھم سنگھ نگر

۲۵/مارچ ۲۰۱۴ء

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلّی علی حبیبه الکریم

(۱) جس وقت سے سورج نکلنا شروع ہو اُس وقت سے لے کر سورج کے ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہو جانے تک کے وقت کو طلوع آفتاب سے اور جب سورج سرخ ہو جائے اس پر نگاہ ٹھہرنے لگے اس وقت سے سورج بالکل ڈوب جانے تک کے وقت کو غروب آفتاب سے تعبیر کیا جاتا ہے اور علمائے کرام کے تجربات کے مطابق یہ وقت بیس (۲۰) منٹ کا ہوتا ہے یعنی طلوع آفتاب بیس منٹ اور غروب آفتاب بھی بیس منٹ۔ان دونوں وقتوں میں کوئی نماز جائز نہیں البتہ غروب آفتاب کے وقت اس دن کی عصر پڑھنے کی اجازت ہے لیکن بلاعذر تاخیر ناجائز ہے۔

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

حد الطلوع قدر رمح او رمحين وفي المصفىٰ مادام يقدر على النظر الى قرص الشمس فهى فى الطلوع لاتباح الصلاة فاذا عجز عن النظر يباح.

طلوع شمس کی حد سورج کا ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہو جانا ہے اور مصفی میں ہے جب تک سورج کی ٹکیہ پر نگاہ کرنے پر قادر ہے تو سورج طلوع میں ہے اس میں نماز جائز نہیں اور جب نگاہ کرنے سے عاجز آجائے تو اس وقت نماز جائز ہے)[باب الاوقات التی تکرہ فیها الصلاة، ۱/۹۷]

محیط برہانی میں ہے:

اذاطلعت حتی ارتفعت قدر رمحین او قدر رمح تباح الصلاۃ وکان الشیخ الامام الجلیل ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ یقول مادام الانسان یقدر علی النظر الی قرص الشمس فالشمس فی الطلوع لا تباح فیہ الصلاۃ فاذا عجز عن النظر تباح فیہ الصلاۃ وقال الشیخ الامام ابو محمد عبداللہ بن الفضل مادامت الشمس محمرۃ او مصفرۃ علی رؤوس الحیطان والجبال والاشجار فھی فی الطلوع فلا تحل الصلاۃ فاذا ابیضت فقد طلعت وحلت الصلاۃ.

جب سورج طلوع ہو یہاں تک کہ ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہو جائے تو نماز جائز ہے اور شیخ ابوبکر محمد بن فضل نے فرمایا کہ جب تک انسان سورج کی ٹکیہ پر نگاہ کرنے پر قادر ہو تو سورج طلوع میں ہے اس میں نماز جائز نہیں جب نگاہ کرنے سے عاجز آجائے تو اس وقت نماز جائز ہے اور شیخ ابومحمد عبداللہ بن فضل نے فرمایا کہ جب تک دیواروں کے سروں پر اور پہاڑوں اور پیڑوں پر سورج سرخ یا زرد رہے تو وہ طلوع میں ہے تو نماز جائز نہیں جب سفید ہو جائے تو سورج طلوع ہو چکا، اب نماز جائز ہے۔ [۱/۳۸۷، الفصل الثالث فی بیان الاوقات التی تکرہ فیھا الصلاۃ]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ثلاث ساعات لا تجوز فیھا المکتوبۃ ولا صلاۃ الجنازۃ ولا سجدۃ التلاوۃ اذا طلعت الشمس حتی ترتفع وعند الانتصاف الی ان تزول وعند احمرارھا الی ان تغیب الا عصر یومہ ذلک فانہ یجوز اداؤہ عند الغروب ھکذا فی فتاوی قاضی خان"

تین اوقات جن میں فرض نماز، نمازِ جنازہ اور سجدہ تلاوت جائز نہیں جب سورج طلوع ہو یہاں تک کہ بلند ہو جائے اور سورج کے قائم ہونے کے وقت سے زوال تک اور سورج کے سرخ ہونے سے لے کر اس کے ڈوبنے تک مگر اس دن کی عصر کہ اس کا ادا کرنا سورج ڈوبنے کے وقت تک جائز ہے ایسا ہی فتاوی قاضی خان میں ہے) [الفصل الثالث فی بیان الاوقات التی لا تجوز فیھا الصلاۃ وتکرہ فیھا، ۱/۵۲]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''تجربہ سے یہ وقت بیس منٹ ثابت ہوا ہے تو جب سے آفتاب کی کرن چمکے اس وقت سے بیس منٹ گزرنے تک نماز ناجائز اور وقت کراہت ہوا اور ادھر جب غروب کو بیس منٹ رہیں وقت کراہت آجائے گا اور آج کی عصر کے سوا ہر نماز منع ہو جائے گی۔'' [فتاوی رضویہ قدیم، ۲/۲۱۵]

(۲) فجر کی نماز کا مستحب وقت

حدیث شریف میں ہے:

اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر.

فجر کی نماز خوب اُجالا کر کے پڑھو اس میں زیادہ ثواب ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

یستحب تاخیر الفجر ولا یؤخرھا بحیث یقع الشک فی طلوع الشمس بل یسفر بھا بحیث لو ظھر فساد صلاتہ یمکنہ ان یعیدھا فی الوقت بقراءۃ مستحبۃ کذا فی التبیین.

فجر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے لیکن اتنی تاخیر نہ کرے کہ طلوع شمس

میں شک پڑ جائے بلکہ اس قدر اجالا ہو جانے پر نماز پڑھے کہ اگر نماز کا فساد ظاہر ہو تو دوبارہ وقت کے اندر قراءت مستحبہ کے ساتھ نماز لوٹانا ممکن ہو ایسا ہی تبیین میں ہے۔ [۱/۵۲، ۵۳ الفصل الثانی فی بیان فضیلۃ الاوقات]

فتاوی شامی میں ہے:

حد الاسفار ان یمکنہ اعادۃ الطھارۃ ولو من حدث اکبر کما فی النھر والقھستانی واعادۃ الصلاۃ علی الحالۃ الاولی قبل الشمس.

اسفار کی حد یہ ہے کہ طہارۃ اگر چہ حدث اکبر سے ہو اس کا اعادہ ممکن ہو جیسا کہ نہر اور قہستانی میں ہے اور نماز کا اعادہ بہتر طریقہ پر سورج نکلنے سے قبل ممکن ہو۔ [کتاب الصلاۃ، ۲/۲۴]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''آج صبح کا جتنا وقت ہے اس کا نصف اول چھوڑ کر نصف ثانی سے وقت مستحب شروع ہوتا ہے کمافی البحر الرائق وغیرہ اور اس میں بھی جس قدر تاخیر ہو افضل ہے..... مگر نہ اس قدر کہ طلوع میں شبہ پڑ جائے اتنا وقت رہنا اولی کہ اگر نماز میں کوئی فساد ہو تو وقت میں مسنون طور پر اعادہ ہو سکے''

مزید دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''رہا یہ کہ حد اسفار کی کیا ہے بدائع وسراج وہاج سے ثابت کہ وقت فجر کے دو حصے کیے جائیں حصہ اول تغلیس اور آخر میں اسفار ہے اور امام حلوائی وقاضی امام ابوعلی نسفی وغیرہما مشائخ فرماتے ہیں کہ ایسے وقت شروع کرے کہ نماز بقراءت مسنونہ ترتیل واطمینان کے ساتھ پڑھ لے بعدہ

نسیان حدث پر متنبہ ہو تو وضو کر کے پھر اسی طرح پڑھ سکے اور ہنوز آفتاب طلوع نہ کرے۔'' [فتاوی رضویہ قدیم ۲/۳۶۰، ۳۶۵] واللہ تعالیٰ اعلم.

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

﴿کلماتِ اذان واقامت کی ادائیگی کا سنت طریقہ﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ کیا اذان میں اللہ اکبر اور دیگر کلمات اذان کو مجزوم پڑھا جائے گا یا متحرک شریعت کی روشنی میں تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

(قاری) محمد عمر

(خطیب وامام) جامع مسجد بیل جوڑی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

اذان میں اللہ اکبر کی راء اور دوسرے کلمات اذان کا آخری حرف ساکن پڑھا جائے گا۔ فتاوی شامی میں ہے:

وحاصلھا أن السنۃ أن یسکنَ الرّاء من اللہ اکبر الاوّل او یصلھا باللہ اکبر الثّانیۃ فان سکنھا کفٰی وان وصلھا نوی السکون فحرّک الرّاء بالفتحۃ فان ضمھا خالف السنۃ

اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی اللہ اکبر کی راء کو ساکن کرنا سنت ہے یا وصل کرے پہلی اللہ اکبر کا دوسری سے تو اگر ساکن کرے کافی ہے اور اگر وصل

کرے تو سکون کی نیت کرے پس راء کو فتحہ کی حرکت دے پس اگر ضمہ دیا خلافِ سنّت کیا۔ [ردالمحتار ۲/۵۲، کتاب الصلاة باب الاذان]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

والترسل أن يقول الله اكبر الله اكبر ويقف ثم يقول مرةً اخرى مثلــه وكذالك يقف بين كلّ كلمتين الى آخر الاذان ..... ويسكن كلماتهما على الوقف.

اور ترسّل یہ ہے کہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہے اور وقف کرے پھر دوسری مرتبہ اسی کے مثل کہے۔ اور ایسے ہی ہر دو کلموں کے درمیان وقف کرے اذان کے آخر تک اور اذان و اقامت کے کلمات وقف پر ساکن کرے۔

[الفتاوى الهنديه، ۱/۵۶، الفصل الثانى فى كلمات الاذان]

مراقی الفلاح میں ہے:

ويجزم الراء فى التكبير ويسكن كلمات الاذان والاقامة فى الاذان حقيقة وينوى الوقف لقوله ﷺ الاذان جزم والتكبير جزم والاقامة جزم.

اور تکبیر میں راء کو جزم کرے اور اذان و اقامت کے کلمات ساکن کرے اذان میں حقیقۃً اور وقف کی نیت کرے نبی ﷺ کے فرمان اذان اور تکبیر اور اقامت جزم ہے، کی وجہ سے)[۱/۱۳۲]

الحاصل: کلمات اذان و اقامت کو مجزوم پڑھنا ہی درست و مشروع ہے۔

کتبــــــــه

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۹/رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

﴿غیر وسط میں محراب کی رعایت جائز نہیں﴾

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ ہماری مسجد کا محراب بیچ صف میں نہیں ہے بلکہ دو چار فٹ ہٹ کر ہے امام صاحب اس میں نماز پڑھاتے ہیں اور اگر کبھی پہلی صف میں نماز پڑھاتے ہیں تو نہ محراب کے مقابل کھڑے ہوتے ہیں اور نہ درمیانِ صف میں، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ درمیان صف میں کھڑے ہوا کریں تو وہ کہتے ہیں یہی ٹھیک ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ امام صاحب کا محراب میں یا درمیان صف سے ہٹ کر نماز پڑھانا از روئے شرع صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی

حاجی عبد الواحد انصاری پاکیزہ مسجد کچہری کے پاس کاشی پور

الجواب بعون الملك الوهاب

بسم الله الرحمن الرحيم نحمده ونصلى على حبيبه الكريم

حدیث شریف میں ہے:

توسطوا الامام۔

امام کو بیچ میں کھڑا کرو۔

ملا علی قاری طیبی کے حوالہ سے اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

اى اجعلوا امامكم متوسطا بان تقفوا فى الصفوف خلفه وعن يمينه وشماله

یعنی اپنے امام کو درمیان میں کھڑا کرو اس طور پر کہ تم صفوں میں امام

کے پیچھے اس کے دائیں اور بائیں کھڑے ہو جاؤ) [مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة باب تسوية الصف، ۳/۱۶۲]

حدیث شریف کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ امام کے کھڑے ہونے کی جگہ وسط صف ہے، نا کہ محراب۔ محراب تو درحقیقت وسط مسجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو بتانے کے لیے موضوع ہے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

ان المحاريب مانصبت الا وسط المساجد وهى قد عينت لمقام الامام.

(محراب مساجد کے بیچ میں ہوتے ہیں اور وہ امام کی جائے قیام کے لئے متعین ہیں) [کتاب الصلاة باب الامامة ۲/۳۱۰]

اور اس کا مسجد کے وسط میں ہونا ہی سنت متوارثہ ہے تو اگر محراب غلطی سے غیر وسط میں بن جائے تو اس میں امام کھڑا نہ ہو۔ یوں ہی مسجد کے جس حصہ میں بھی نماز پڑھی جائے تو وسط صف کا لحاظ ہوگا نہ کہ محراب کی رعایت۔ کیوں کہ امام کا درمیان صف میں کھڑا ہونا سنّت ہے اور غیر وسط میں موجود محراب کی رعایت کرتے ہوئے غیر وسط میں کھڑے ہونے سے سنّت کا ترک لازم آرہا ہے جو مکروہ ہے فتاویٰ شامی میں معراج الدرایہ شرح ہدایہ اور امام بکر خواہر زادہ کی مبسوط کے حوالے سے ہے:

السنة ان يقوم فى المحراب ليعتدل الطرفان لو قام فى احد جانبى الصف يكره.

چند سطور بعد فرماتے ہیں:

السنة ان يقوم الامام ازاء وسط الصف.

[فتاویٰ شامی كتاب الصلاة باب الامامة ۲/۳۱۰]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وينبغى للامام ان يقف بازاء الوسط فان وقف فى ميمنة الوسط او فى ميسرته فقد اساء لمخالفة السنة.

[ج۱، ص۸۹، الفصل فی بیان مقام الامام والماموم]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

امام کے لئے سنت متوارثہ کہ زمانہ اقدس رسالت سے اب تک معہود ہے وسط مسجد میں قیام ہے کہ صف پوری ہو تو امام وسط صف میں ہو اور یہی جگہ محراب حقیقی و متوارث ہے محراب صوری کہ طاق نما ایک خلا وسط دیوارِ قبلہ میں بنانا حادث ہے اسی محراب حقیقی کی علامت ہے یہ علامت اگر غلطی سے غیر وسط میں بنائی جائے اس کا اتباع نہ ہوگا مگر مراعات توسط ضروری ہوگی کہ اتباع سنت و انتفائے کراہت و امتثال ارشاد حدیث ''توسطوا الامام''

[فتاویٰ رضویہ جدید، ۷/۳۷]

الحاصل: امام صاحب کو چاہیے کہ محراب میں نماز پڑھائیں یا مسجد کے کسی اور حصہ میں لیکن درمیان صف کا لحاظ ضرور رکھیں، شریعت کے معاملہ میں لاپرواہی سے کام نہ لیں، بہارِ شریعت وغیرہ کتب مسائل کو مطالعہ میں رکھیں اپنی اور مقتدیوں کی نماز کی حفاظت کریں۔

هذا ما عندى والعلم عندالله تعالىٰ

کتبــــــــه

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۵/رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

﴿امام کامحراب سے ہٹ کرنماز پڑھانے کاحکم﴾

کیافرماتے ہیں علماء کرام وحامیان دین مسئلہ ذیل میں کہ محراب سے باہر نکل کرامام صاحب کانماز پڑھانا سنت کے مطابق ہے یاکہ خلاف یاکیا؟ اگرسنت کے خلاف ہوتو حدیث کے خلاف عمل کرنے پرکیاوعید آئی ہے؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت درکار ہے۔ بینواتوجروا

المستفتی عبدالغفورمرادآباد

۲۲/جولائی ۲۰۱۲ء

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علٰی حبیبہ الکریم

امام ابن عابدین شامی درمختار کے حاشیہ میں فتاوی تاتارخانیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

وفی التاترخانیہ :ویکرہ أن یقوم فی غیر المحراب الالضرورۃ و مقتضاہ أن الامام لوترک المحراب وقام فی غیرہ یکرہ ولوکان قیامہ وسط الصف لانہ خلاف عمل الأمة.

اورتاتارخانیہ میں ہے کہ امام کامحراب چھوڑ کرکھڑاہونا بلاضرورت مکروہ ہے اوراس کامقتضی یہ ہے کہ اگرامام محراب چھوڑکردوسری جگہ کھڑا ہوگیاتومکروہ ہے اگرچہ بیچ صف میں ہی کھڑاہواس لئے کہ یہ امت کے عمل کے خلاف ہے۔

[کتاب الصلاۃ باب مایفسدالصلاۃ ومایکرہ فیھا، ۲/۴۱۵]

اورحاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

سئل عمااذاصلی فی غیرالمحراب الذی عینہ الواقف للامام قال الحموی رأیت فی فتاوی الشمس الغزی أنہ لم یرنصاًفی الکتب علی ذالک اہ والظاھرأنہ مکروہ لفوات غرض الواقف

اس بارے میں سوال کیاگیاکہ اگرمحراب جس کوواقف نے امام کے لئے معین کیاہے اس کے غیرمیں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیاگیاامام حموی نے فرمایاکہ میں نے فتاوی شمس غزی میں دیکھاکہ انہوں نے اس پرکوئی نص کتابوں میں نہیں دیکھی الخ اورظاہریہ کہ وہ واقف کی غرض کے فوت ہونے کے سبب مکروہ ہے) [۱/۲۷۲]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

فاقول محقق سامی علامہ شامی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ در ھر دوباب کلام امام الکلام وکلمات علمائے کرام ازمبسوط ودرایہ وتاتارخانیہ آوردہ مقتضایش وانمودکہ قضیہ این سخن کراھت ترک محراب است مرامام رامطلقاًاگرچہ میانۂ صف ایستد''

میں کہتاہوں محقق سامی علامہ شامی نے دونوں مقامات پرامام کی گفتگو جوکلام کی امام ہے اوردیگرفقہاء کرام کی مبسوط، درایہ اورتاتارخانیہ کے حوالے سے جوعبارات نقل کی ہیں ان کامقتضی یہ ہے کہ امام کے لئے محراب کاترک ہرحال میں مکروہ ہے خواہ صف کے درمیان ہی میں کھڑاہو۔ [فتاویٰ رضویہ جدید، ۷/۳۳۱]

مزیدفرماتے ہیں:

ایں ھمہ ھا دلیل روشن است برآنکہ اصل مقصود توسیط امام ست نہ نفس قیام فی المحراب آرے غالب آنست کہ محراب مقام تعادل طرفین ست چوں صف کامل باشد خودظاھر ست وآں گاہ بترك محراب ترك سنت مقصودہ بالفعل نقدوقت ست ورنہ درعامہ مساجد استکمال صف بہ پس آیندگاں مرجوو متوقع می باشد وزیادتش بنھجیکہ توسط موجودازھم باشد پس ترك محراب تعرض بترك سنت ومخالف عمل امت بود واحکام فقھیہ برامور غالبہ انسحاب یابدازیں امرحکم بہ سنیت قیام فی المحراب کردہ اند۔

یہ سب اس بات پرروشن دلیل ہیں کہ اصل مقصودامام کادرمیان میں کھڑاہونا ہے محراب میں کھڑاہونامقصودنہیں، ہاں اغلب یہی ہے کہ محراب ایسی جگہ ہوتاہے جہاں دونوں جانبوں میں برابری ہوتی ہے۔ جب صف مکمل ہوتوخودظاہر ہے کہ اس وقت محراب کوچھوڑنا موقعہ پرسنت مقصودہ کوترک کرنا یعنی وسط کاترک لازم آئے گا، ورنہ عام مساجد میں بعدمیں آنے والے حضرات سے صف کامکمل ہونا متوقع ہوتاہے اورصف سے زائد بھی ہوسکتے ہیں لیکن توسط موجود ہونے پرکوئی حرج نہیں پس اس صورت میں محراب کو ترک کرناسنّت کاترک اورامت کی مخالفت ہوگی۔ اوراحکام فقہیہ اکثرطورپر امورِغالبہ پرجاری کیے جاتے ہیں اسی وجہ سے امام کے محراب میں کھڑے ہونے کوسنت قراردیاگیاہے'') [مرجع سابق،ص۳۳۵]

آگےفرماتے ہیں:

اقول انچہ بالاگفتہ ایم غایت توجیہ کلام آں فاضل

علام بودوھنوز گل نظرے دمیدن دارد ماثور وموروث چنانکہ دانی ھماں قیام امام درمحراب حقیقی ست وآں مقام اشرف موضع وصدر مسجد ست چنانکہ شنیدی پس ترك اوبے عذرشرعی عدول ازافضل وخلاف متوارث العمل۔

میں کہتاہوں کہ جوکچھ ہم نے بیان کیااس فاضل علام کے کلام کی غایت توجیہ ہے اورجوکچھ منقول ومتوارث ہے وہ امام کامحراب حقیقی میں قیام ہےاوروہ مقام سب سے اعلیٰ اورصدرمسجدہوتاہے جیساکہ آپ پڑھ چکےلہذا اس کاترک بغیرکسی عذرکے افضل سے اعراض اورمتوارث عمل کے خلاف ہے) [مرجع سابق،ص۳۵۴]

عبارات مذکورہ سے صاف ظاہرہوگیاکہ امام کامحراب سے ہٹ کرنماز پڑھانامکروہ، خلافِ سنت،عمل متوارث کےخلاف ہے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم.

کتبــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ ۱۵/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

﴿امام اورمقتدی کے درمیان شیشے کے دروازے مانع اقتدانہیں﴾

کیافرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں ہماری مسجدمیں اندرکے حصہ میں (AC)اے سی لگاہواہے،جس کی وجہ سے اندرکے دروازے جوشیشے کے ہیں بندکرنے پڑتے ہیں مگروہ اس طرح بندہوتے ہیں کہ آنے جانے والے آجاسکتے ہیں توایسی صورت میں جولوگ صحن میں نمازاداکرتے ہیں ان کی نماز میں کوئی خرابی تولازم نہیں آتی؟حکم شرع بیان فرمائیں۔

(قاری)محمدقاسم (خطیب واما م) چاندوالی مسجدسابق تھانہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

صحن میں موجود نمازیوں پر اگر امام صاحب یا دیگر مقتدیوں کے حالات مشتبہ نہ ہوں وہ انہیں دیکھ پا رہے ہوں اور امام یا مکبر کو سن پا رہے ہوں تو نماز بلا کراہت ہو جائے گی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ویصح ان کان صغیرا لایمنع او کبیرا وله ثقب لا یمنع الوصول وکذا اذا کان الثقب صغیرا یمنع الوصول الیه لکن لایشتبه علیه حال الامام سماعا اورویة هو الصحیح و اما اذا کان الحائط صغیر ایمنع ولکن لایخفی حال الامام فمنهم من قال یصح الاقتداو هو الصحیح هکذا فی المحیط وان کان فی الحائط باب مسدود قیل لایصح الاقتدا لانه یمنعه من الوصول وقیل یصح لان وضع الباب للوصول فیکون المسدود کالمفتوح هکذا فی محیط السرخسی"[۱/۸۸]

اگر امام اور مقتدی کے درمیان چھوٹی دیوار ہو جو مقتدی کو امام تک پہونچنے سے نہ روکے یا بڑی دیوار ہو لیکن اس میں سوراخ ہو جو مقتدی کو امام تک پہنچنے میں مانع نہ ہو تو اقتدا صحیح ہے اور ایسے ہی اقتدا صحیح ہے جب کہ سوراخ چھوٹا ہو جو امام تک پہنچنے سے روکے لیکن امام کا حال سننے اور دیکھنے کے اعتبار سے مقتدی پر مشتبہ نہ ہو یہی صحیح ہے اور جب دیوار چھوٹی ہو اور وہ امام تک پہنچنے سے مانع ہو لیکن امام کا حال مقتدی پر مشتبہ نہ ہو تو بعض علماء نے فرمایا اقتدا صحیح ہے اور یہی صحیح ہے۔ ایسا ہی محیط میں ہے اور اگر دیوار میں

دروازہ بند ہو۔ کہا گیا ہے اقتدا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ امام تک پہنچنے سے مانع ہے اور کہا گیا کہ اقتدا صحیح ہے اس لئے کہ دروازہ پہنچنے کے لئے ہی بنایا گیا ہے تو بند دروازہ کھلے ہوئے کی طرح ہے ایسا ہی محیط سرخسی ہے۔

الحاصل: صورت مسئولہ میں نماز بلا کراہت ہو جائے گی۔

واللہ تعالیٰ اعلیٰ ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

۲۰/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

وہابی و دیوبندی امام کے پیچھے نماز کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے سیکڑوں مسلمانوں کی اصلاح کی، پختہ صوم وصلوۃ کا پابند بنایا، والدین کا فرماں بردار بنایا۔ حتی کہ قول وفعل میں نیک وصالح بنایا بکر کا کہنا ہے کہ زید کے کئی عقیدت مندوں کے ساتھ میرے اچھے تعلقات ہیں میں نے دیکھا بعض خاص عقیدت مند کے علاوہ نماز کے پابند ایسوں کی اقتدا میں نماز ادا کرتے ہیں جن پر علماء حق کا کفر کا فتوی ہے جیسے محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ابن تیمیہ وغیرہ اور ان کے متبعین۔ حالانکہ حسام الحرمین میں واضح طور پر غیر مقلدین اور عقائد دیوبند سے اتفاق رکھنے والوں پر صریح کفر کا استحقاق لازم آتا ہے اور زید کے خاص پیروکار واقف بھی ہیں حتی کہ زید بھی اس سے واقف ہے لیکن زید نے ابھی تک اپنی تحریر اور تقریر میں اس سے منع نہیں کیا ہے۔ اس سبب سے بکر زید کے عقیدے کو صحیح نہیں سمجھتا۔ اُس کا دعوی ہے کہ جب علماء اہل سنت واعظمین وفقہاء نے جن کے کفر کا فتوی دیا ہے تو ان کو یا ان کے متبعین کو امام بنانا کیسے ممکن

ہو سکتا ہے حضور کی بارگاہ میں عرض ہے کہ زید اور ان کے متبعین جو مستحق کفر کی اقتداء کرتے ہیں یا جو جانتے ہوئے خاموش رہتے ہیں ان سب کو کس عقیدہ کا سمجھنا چاہیے، حضرت کی بارگاہ میں التماس ہے کہ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

مستفتی (مولانا) احمد اللہ، کویت۔

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

دیوبندی وہابی اپنے عقائد خبیثہ کے سبب کافر ومرتد ہیں نہ ان کا ایمان ایمان ہے نہ ان کی نماز نماز ہے۔ ان کی اقتداء میں نماز ادا کرنا ناجائز وحرام ہے۔

محیط برہانی میں ہے:

روی عن أبی حنیفة وأبی یوسف أن الصلاة خلف أهل الأهواء لاتجوز.

اسی میں ہے

فلا تجوز الصلاة خلف المبتدع[۲/۱۰۰، ۱۰۲]

اعلیٰ حضرت شرح عقائد کے حوالے سے فرماتے ہیں:

مانقل عن بعض السلف من المنع عن الصلاة خلف المبتدع فمحمول علی الکراهة اذلا کلام فی کراهة الصلاة خلف الفاسق والمبتدع هذا اذالم یؤد الفسق والبدعة الی حد الکفر اما اذا ادی الیه فلا کلام فی عدم جواز الصلاة خلفه.

بعض اسلاف سے یہ جو منقول ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز منع ہے یہ کراہت پر محمول ہے کیونکہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام

نہیں لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ اس کا فسق اور بدعت حدِ کفر تک نہ پہنچے ہوں اگر حدِ کفر تک پہنچ جائیں تو ان کے پیچھے نماز کے ناجائز ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ [فتاوی رضویہ قدیم، ۳/۱۷۰]

مزید فرماتے ہیں:

''دیوبندی عقیدے والوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے، ہوگی ہی نہیں، فرض سر پر رہے گا اور ان کے پیچھے پڑھنے کا شدید عظیم گناہ علاوہ۔''

[فتاوی رضویہ قدیم، ۳/۲۳۵]

بلکہ اگر کوئی شخص ان کے عقائد کفریہ پر مطلع ہوتے ہوئے ان کو مسلمان سمجھ کر اقتدا کرتا ہے تو ''من شک فی عذابه و کفره فقد کفر'' کے پیش نظر وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

زید کا اپنے معتقدین کے اس کفریہ عمل پر مطلع ہونے اور یہ جاننے کے باوجود کہ وہابیہ کافر ہیں اور ان کے پیچھے ان کو مسلمان سمجھتے ہوئے نماز پڑھنا کفر ہے۔

خاموش رہنا اگر رضامندی پر منحصر ہے تو بلاشبہ زید بھی کافر قرار دیا جائے گا اس لئے کہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔ علامہ ابن حجر ہیتمی اپنی کتاب الاعلام بقواطع الاسلام میں فرماتے ہیں

الرضا بالکفر کفر

کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے

مزید فرماتے ہیں:

ومن المکفرات ایضا ان یرضی بالکفر.

کفریات میں سے یہ بھی ہے کہ کفر پر راضی ہو۔ [ص ۷، ۱۹]

اور اگر زید اس سے راضی تو نہیں بس خاموش ہے تو اگر اس کے لئے اپنے معتقدین کو اس

کفریہ فعل سے روکنے میں کوئی شرعی مجبوری نہیں ہے تو زید مداہنت فی الدین کا مرتکب اور از روئے شرع مجرم ہے بلکہ حدیث پاک کے مطابق **گونگا شیطان** ہے۔

شرح نووی میں ہے:

من سکت عن الحق فھو شیطان أخرس"[۱۲۸/۱]

زید سے مسلک افراد پر لازم ہے کہ فوراً اس سے سارے تعلقات منقطع کرلیں اس سے دُور ہو جائیں ورنہ وہ بھی شریعت کے مجرم و گنہ گار قرار دیے جائیں گے اور جو لوگ دیابنہ و وہابیہ کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں وہ اپنے اس فعل سے باز آئیں توبہ کریں اور آئندہ ان کے پیچھے کوئی نماز ادا نہ کریں اور ان کی اقتداء میں ادا کی گئی ساری نمازوں کو دوبارہ ادا کریں۔ اگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی نمازیں بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوں تو نیک سنی صحیح العقیدہ امام ہی کی اقتدا کریں۔

حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

ان سرکم ان تقبل صلاتکم فلیؤمکم خیارکم

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نماز قبول ہو تو چاہئے کہ تمہارے نیک تمہاری امامت کریں[مستدرک للحاکم،۳/۲۲۲]

تنبیہ: بکر کا زید کے عقیدہ کی صحت سے انکار کرنا صرف اس بنیاد پر کہ زید نے اپنے معتقدین کو اس حرام فعل سے منع نہیں کیا درست نہیں۔ بکر پر لازم ہے جب تک زید سے قولاً یا فعلاً کوئی کفر سرزد نہ ہو اس کے عقیدہ سے متعلق رائے زنی سے باز آئے۔

ھذا ماعندی و العلم عنداللہ تعالیٰ.

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۵/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

دیابنہ کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع حسب ذیل مسائل کے بارے میں؛

(۱) دیوبندی کے پاس جماعت میں سنی کھڑا ہو تو اس کی نماز میں کوئی فرق آئے گا یا نہیں؟

(۲) دیوبندی کے یہاں شادی غمی میں شریک ہونا یا کھانا وغیرہ کھانا کیسا اور اگر کوئی شریک ہو گیا تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۳) دیوبندی وہابی کا پیسہ مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

اراکین کمیٹی نوری جامع مسجد ٹانڈہ ملور رام نگر نینی تال

الجوب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

تمام سوالوں کے جواب بالترتیب پیش خدمت ہیں:

(۱) جماعت میں اگر دیوبندی شریک ہو تو ضرور فرق آئے گا مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ نماز نہ پڑھیں کہ ان کی نماز نماز نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث میں ہے:

ولا تصلوا معھم

ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔ [مرجع سابق]

نیز حضور اعلیٰ حضرت اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

جماعت میں غیر مقلد (وغیرہ) کے شریک ہونے سے ضرور نماز میں نقص پیدا ہوتا ہے.....اس کی شرکت سے صف قطع ہوگی کہ اس کی نماز نماز نہیں ایک بے نمازی شخص صف میں کھڑا ہوگا اور یہ صف کا قطع ہے اور صف کا قطع ناجائز ہے صحیح حدیث میں فرمایا "**من قطع صفا قطعہ اللہ**" (جس نے صف قطع کی اللہ تعالیٰ اسے قطع کردے) معہٰذا بدمذہبوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے بھی حدیث میں منع فرمایا ہے **لاتصلوا معھم** "ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو" [فتاوی رضویہ جدید،۶/۶۱۸]

بالجملہ دیابنہ وہابیہ وغیرہما بدمذہبوں کے پیچھے یا ان کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

(۲) دیوبندی وغیرہ بدمذہبوں سے میل جول رکھنا ان کے ساتھ کھانا پینا ان کی خوشی و غم میں شریک ہونا جائز نہیں۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

فلاتؤاکلوھم ولا تشاربوھم ولا تجالسوھم ولاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم.

بدمذہبوں کے ساتھ نہ کھاؤ نہ پیو نہ بیٹھو نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ [کنز العمال ۵۴۰/۱۱]

لہٰذا جو لوگ ان سے تعلقات رکھیں ان کے یہاں کھائیں پیئیں ان پر لازم ہے کہ وہ توبہ کریں اور آئندہ ایسا کرنے سے باز آئیں۔

(۳) دیوبندی وہابی اپنے عقائد کفریہ کے سبب کافر و مرتد ہیں مسجد یا کسی اور دینی کام میں ان کا پیسہ لگانا از روئے شرع درست نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''قرآن فرماتا ہے **لاتتخذوا منھم ولیا و لا نصیرا** (غیروں میں کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ نہ مددگار) تفسیر ارشاد العقل السلیم علامہ ابو سعود عمادی و تفسیر فتوحات الٰہیہ میں ہے "**نھوا ..... عن الاستعانة بھم عن فی الغزو و سائر الامور الدینیة**" یعنی مسلمان منع کیے گئے ہیں اس بات سے کہ وہ کفار سے غزوہ وغیرہ اُمور دینیہ میں مدد لیں۔

[فتاوی رضویہ جدید،۱۶/۶۱۱]

و اللہ تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۷/ذو الحجہ ۱۴۳۲ھ

تشہد کے وقت انگلی اٹھانے کا صحیح طریقہ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسئلہ میں کچھ لوگ تشہد میں کلمہ کی انگلی کو اٹھانے کے بعد دوسری انگلیوں کے حلقہ کو اور انگشت شہادت کو سلام پھیرنے کے وقت تک اسی حالت پر رکھے رہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے یہاں اکثر لوگ صرف وقت تشہد ہی انگشت شہادت اٹھاتے ہیں اور حلقہ بناتے ہیں اور اس کے بعد انگلیوں کو اصل حالت پر چھوڑ دیتے ہیں دونوں میں سے کون سا طریقہ درست ہے۔ جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں

المستفتی محمد وصی خان ازہری محلّہ کٹورا تال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

جولوگ تشہد کے وقت کلمہ کی انگلی کے علاوہ انگلیوں کا حلقہ بنا کر کلمہ کی انگلی کو اٹھاتے ہیں اور بعد تشہد انگلیوں کو اصل حالت پر چھوڑ دیتے ہیں ان کا طریقہ ہی درست ہے۔علامہ طحطاوی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

العقد وقت التشھد فقط فلا یعقد قبل ولا بعد وعلیہ الفتوی

انگلیوں کا حلقہ صرف تشہد کے وقت بنایا جائے گا نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد اور اسی پر فتوی ہے۔[کتاب الصلاۃ ۲۷۰]

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۲/صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

سنت غیر مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود پڑھنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے عصر کی سنت کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف مع دعا پڑھا پھر اٹھ گیا پھر ثنا پڑھی پھر تمام مسائل مشہورہ کے مطابق نماز کو ختم کیا تو اس صورت میں زید کی نماز کا کیا حکم ہے؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ زید کے لئے کیا ضروری ہے۔

المستفتی (قاری) محمد عمر رضوی (امام) جامع مسجد بیل جوڑی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

سنت غیر مؤکدہ اور دیگر نوافل کے ادا کرنے کا افضل و احسن طریقہ یہی ہے جس پر زید نے عمل کیا یعنی قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف و دعا پڑھنا اور تیسری رکعت میں ثنا پڑھنا اس لئے کہ نفل کا ہر شفع الگ مستقل نماز ہے۔اور اس کے اختتام میں درود و دعا اور نئی رکعت (تیسری رکعت) کے آغاز میں ثنا وغیرہ پڑھنا مستحب و مستحسن ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

کل شفع من التطوع صلاۃ علی حدۃ

(نفل کا ہر شفع مستقل نماز ہے)[بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، ۹/۲]

فتاوی شامی میں ہے:

یستحب الاستفتاح فی الثالثۃ.

(تیسری رکعت میں ثنا پڑھنا مستحب ہے)[۱۵۰/۲، باب صفۃ الصلاۃ]

حاشیہ طحطاوی علی الدر میں ہے:

الرباعیات المستحبات والنوافل فانہ یستفتح فیھا ویصلی علی النبی ﷺ.

چار رکعت والے مستحبات و نوافل میں تیسری میں ثنا اور قعدہ اولیٰ میں درود پڑھے۔ [کتاب الخنثی، مسائل شتی ۳۵۳/۴]

اعلیٰ حضرت سنت غیر مؤکدہ کی دوسری رکعت میں درود اور دعا پڑھنے نیز تیسری رکعت میں ثنا پڑھنے سے متعلق ایک استفسار کے جواب میں فرماتے ہیں:

''پڑھنا بہتر ہے، درمختار میں ہے:

لا یصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولیٰ فی الاربع قبل الظھر والجمعۃ وبعدھا لا یستفتح اذا قام الی الثالثۃ منھا وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ ولو نذرا لان کل شفع صلوٰۃ.

ظہر اور جمعہ کی پہلی چار سنتوں اور بعد کی چار سنتوں کے پہلے قعدہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں درود شریف نہ پڑھا جائے اور تیسری رکعت میں ثناء بھی نہ پڑھی جائے اور باقی چار رکعتوں والی سنتوں اور نفلوں میں درود شریف پڑھا جائے، تیسری رکعت میں ثناء اور تعوذ بھی پڑھا جائے گا اگر چہ اس نے نوافل کی نذر مانی ہو کیونکہ یہ جوڑا جوڑا نماز ہے۔

[فتاوی رضویہ قدیم ۴۶۹/۳، ۴۷۰]

بالجملہ زید کی نماز بالکل درست اور مستحب طریقہ کے مطابق ہے۔اور زید بلکہ ہر نمازی کو چاہئے کہ سنت غیر مؤکدہ اور دیگر نوافل اسی طرح ادا کرے۔واللہ تعالی اعلم.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۴/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

فرض رکعات سے زائد رکعت پڑھنے کا تفصیلی حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) اگر کوئی شخص فرض نماز کے آخری قعدہ میں بیٹھنے کے بعد اسے قعدہ اولی سمجھ کر زائد رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو کیا کرے؟

(۲) اگر بغیر قعدۂ اخیرہ کئے زائد رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

(۲) اگر فجر میں تیسری رکعت ظہر عصر عشاء میں پانچویں اور مغرب میں چوتھی رکعت پوری پڑھ لی تو نماز کا کیا حکم ہے

شریعت کی روشنی میں تفصیلی جوابات مرحمت فرمائیں

محمد ساجد قادری لاہور پاکستان

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہیں:

(۱) اگر قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھ گیا اور پھر کھڑا ہوا تو زائد رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اگر یاد آجائے تو فوراً قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور تشہد کا اعادہ کئے بغیر سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے۔

حلبی کبیری میں ہے:

وان قعد فی آخر الرکعۃ الرابعۃ ثم قام قبل ان یسلم یعود ایضا مالم یسجد ویسلم... ویسجد للسھو.

اگر آخری رکعت (چوتھی) کے قعدہ کے بعد سلام پھیرے بغیر کھڑا ہو گیا تو لوٹ آئے جب تک سجدہ نہ کیا ہو اور سلام پھیرے اور سجدہ سہو کرے۔

[غنیة المستملی شرح منیة المصلی ،۴۰۰]

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''عود کر کے بیٹھنا چاہئے اور معاً سجدہ میں چلا جائے دو پارہ التحیات نہ پڑھے....فی الدر المختار وان قعد فی الرابعة مثلا قدر التشهد ثم قام عاد وسلم.... .ردالمحتار میں ہے قوله ثم قام ای ولم یسجد قوله عاد وسلم ای عاد للجلوس وفیه اشارة الی انه لایعید التشهد'' [فتاویٰ رضویہ قدیم ۳/۶۳۳]

(۲) قعدہ اخیرہ کیے بغیر اگر کھڑا ہو جائے تب بھی زائد رکعت کا سجدہ کرنے سے قبل یاد آنے پر فوراً قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور سجدہ سہو کے بعد سلام پھیر دے۔

محیط برہانی میں ہے:

اذالم یفعل علی راس الرابعة حتی قام الی الخامسة ساهیا ان تذکر قبل ان یقید الخامسة بالسجدة عاد الی القعدة.

جب چوتھی رکعت پر قعدہ نہیں کیا یہاں تک کہ پانچویں کے لئے بھول کر کھڑا ہو گیا تو اگر پانچویں کے سجدہ سے پہلے یاد آجائے تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے۔ [محیط برهانی ۲/۲]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وان لم یقعد علی راس الرابعة حتی قام الی الخامسة ان تذکر قبل ان یقید الخامسة بالسجدة عاد الی القعدة هکذا فی المحیط وفی الخلاصة ویتشهد ویسلم ویسجد للسهو کذا فی التتارخانیة.

اگر چوتھی رکعت پر قعدہ نہیں کیا یہاں تک کہ پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا تو اگر پانچویں رکعت کے سجدہ کرنے سے پہلے یاد آجائے تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے محیط اور خلاصہ میں ایسا ہی ہے اور تشہد پڑھے اور سلام پھیرے اور سجدہ سہو کرے ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے. [فتاویٰ عالمگیری ۱/۱۲۹]

فتاویٰ نوازل میں ہے:

وان سهی عن القعدة الاخیرة حتی قام الی الخامسة رجع الی القعدة مالم یسجد....ویسجد للسهو.

اگر قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو جب تک سجدہ نہ کیا ہو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور سجدہ سہو کرے۔ [فتاوی نوازل ۱۰۴]

(۳) اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اگر قعدہ اخیرہ میں بیٹھ کر پھر زائد رکعت ادا کی تو حکم یہ ہے کہ ایک رکعت کا اور اضافہ کرے اور بعد میں سجدہ سہو کر لے۔ فرض ادا ہو جائیں گے اور بقیہ نفل میں شمار ہوں گے۔ دوسری صورت یہ کہ اگر قعدہ اخیرہ نہیں کیا اور زائد رکعت کا سجدہ کر لیا تو ایک رکعت اور بڑھائے مگر فرض باطل ہو کر نفل میں تبدیل ہو جائیں گے۔

پہلی صورت سے متعلق کتب فقہ کی درج ذیل عبارات ملاحظہ فرمائیں:

فتاویٰ خانیہ میں ہے:

اذا صلی العصر خمسا وقعد فی الرابعة قدر التشهد .... عن محمد رحمه الله تعالیٰ انه یضیف الیها السادسة وعلیه الاعتماد.

جب عصر کی پانچ رکعات پڑھی اور چوتھی میں بقدر تشہد بیٹھا تو امام

محمد سے مروی ہے کہ چھٹی رکعت کا اضافہ کرے اور اسی پر اعتماد ہے) [فتاویٰ خانیہ ۱/۱۲۴]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

رجل صلی الظهر خمسا وقعد فی الرابعة قدر التشهد .... وان تذکر بعد ما قید الخامسة بالسجدة انها الخامسة لایعود الی القعدة ولایسلم بل یضیف الیها رکعة اخری حتی یصیر شفعا ویتشهد ویسلم هکذا فی المحیط ویسجد للسهو استحسانا کذا فی الهدایة وهو المختار کذا فی الکفایة ثم یتشهد ویسلم کذا فی المحیط.

ایک شخص نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھی اور چوتھی رکعت میں بقدر تشہد قعدہ بھی کیا پانچویں رکعت کے سجدہ کے بعد یاد آیا کہ یہ پانچویں رکعت ہے تو قعدہ کی طرف نہ لوٹے اور نہ سلام پھیرے بلکہ ایک اور رکعت اس میں ملائے تاکہ شفع ہو جائے اور پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے ایسا ہی محیط میں ہے اور سجدہ سہو کرے بطور استحسان ایسا ہی ہدایہ میں ہے اور یہی مختار ہے ایسا ہی کفایہ میں ہے پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے ایسا ہی محیط میں ہے۔ [ج ا ص ۱۲۹]

فتاویٰ نوازل میں ہے:

لو قعد فی الرابعة ثم قام .....ولو قید بالسجدة ضم الیها رکعة اخری ویسجد للسهو.

اگر چوتھی میں قعدہ کر کے کھڑا ہوا اور پانچویں کا سجدہ کر لیا تو اس میں ایک اور رکعت ملائے اور سجدہ سہو کرے۔ [ص ۱۰۴]

درمختار میں ہے:

وضم سادسة ....ان شاء

(چھٹی رکعت ملائے (اگر پانچویں کا سجدہ کر لے تو) اگر چاہے)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قوله'' ان شاء'' اشار الی ان الضم غیر واجب بل هو مندوب کما فی الکافی تبعا للمبسوط

مصنف نے اپنے قول'' ان شاء'' سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رکعت ملانا واجب نہیں ہے بلکہ مندوب ہے جیسا کہ مبسوط کی اتباع کرتے ہوئے کافی میں (لکھا گیا) ہے۔

نیز درمختار میں آگے ہے:

وضم الیها سادسة لو فی العصر وخامسة فی المغرب ورابعة فی الفجر به یفتی لتصیر الرکعتان له نفلا....وسجد للسهو فی الصورتین

اگر عصر میں (پانچویں کا سجدہ کر لے) تو اس میں چھٹی رکعت ملائے مغرب میں پانچویں فجر میں چوتھی یہی مفتیٰ بہ ہے تاکہ دو رکعت نفل ہو جائیں اور سجدہ سہو دونوں صورتوں میں کرے۔ [درالمختار ۱/۵۵۴]

فتاویٰ شامی میں اس کے تحت ہے:

قوله وضم الیها سادسة ای ندبا علی الاظهر...قوله لو فی العصر اشار الی انه لافرق فی مشروعیة الضم بین الاوقات المکروهة وغیرها

مصنف کا قول'' وضم الیها سادسة'' یعنی ظاہر مذہب کے مطابق

(چھٹی رکعت) ملانا مندوب ہے.....شارح کا قول "لو فی العصر" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وقت مکروہ اور غیر مکروہ میں رکعت ملانے کے مشروع ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

[ردالمحتار علی الدر المختار ۱/۵۵۴، ۵۵۵]

دوسری صورت کا حکم درج ذیل فقہی عبارات میں مصرح ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

واذالم یقعدقدر التشهدفی الفجر بطل فرضه بترک القعود علی الرکعتین .... وان قیدالخامسة بالسجدة فسدظهره عندنا کذافی المحیط و تحولت صلاته نفلاًعندابی حنیفة وابی یوسف رحمهماالله تعالیٰ ویضم الیها رکعة سادسة ولولم یضم فلاشی علیه کذافی الهدایة.....قالوافی العصر لایضم الیهاسادسة وقیل یضم وهوالاصح کذافی التبیین وعلیه الاعتماد ... وفی الفجراذاقام الی الثالثة بعد ما قعد قدر التشهد وقیدها بالسجدة لایضم الیهارابعة کذافی التبیین وصرح فی التجنیس بان الفتوی علی روایة هشام من عدم الفرق بین الصبح والعصرفی عدم کراهة الضم کذا فی البحرالرائق"

اور جب فجر میں قدر تشہد نہیں بیٹھا تو دو رکعات پر قعدہ ترک کرنے کے سبب فرض باطل ہوگئے.....اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو ہمارے نزدیک اس کی ظہر فاسد ہوگئی ایسا ہی محیط میں ہے اور ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک اللہ ان دونوں پر رحمت نازل فرمائے اس کی نماز نفل ہوگئی اور اس میں چھٹی رکعت ملالے اور اگر نہیں ملائے تب بھی کوئی بات نہیں ایسا ہی ہدایہ

میں ہے.....فقہاء نے فرمایا عصر میں چھٹی رکعت نہیں ملائے گا اور کہا گیا ہے کہ ملائے گا اور یہی صحیح ہے ایسا ہی تبیین میں ہے اور اسی پر اعتماد ہے.....اور فجر میں جب قعدہ میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوجائے اور تیسری رکعت کا سجدہ کرلے تو اس میں چوتھی رکعت نہ ملائے ایسا ہی تبیین میں ہے اور تجنیس میں صراحت کی گئی ہے کہ صبح اور عصر کے درمیان رکعت ملانے کے مکروہ نہ ہونے کے سلسلے میں عدم فرق پر فتوی ہشام کی روایت پر ہے ایسا ہی بحر الرائق میں ہے۔[فتاوی عالمگیری ۱/ ۱۲۹]

فتاوی نوازل میں ہے:

وان سهی عن القعدة الاخیرة حتی قام الی الخامسة ...وان قیدهابالسجدة بطلت فریضةخلافاللشافعی وتحولت صلاته نفلاعندابی حنیفة وابی یوسف رحمهماالله خلافالمحمدویقیم رکعة سادسة اولم یضم لاشیء علیه.

اگر قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا اور پانچویں کا سجدہ کرلیا تو فرض باطل ہوگئے برخلاف شافعی کے اور اس کی نماز نفل ہوگئی ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک اللہ ان دونوں پر رحمت نازل فرمائے برخلاف امام محمد کے اور چھٹی رکعت ملائے یا نہ ملائے اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔[فتاوی نوازل ۱۰۴]

بالجملہ مذکورہ تینوں سوالات کا خلاصہ امام کاسانی کی بدائع الصنائع کی درج ذیل طویل عبارت میں ملاحظہ فرمائیں۔

بدائع الصنائع میں ہے:

رجل صلی الظهر خمساثم تذکر فهذالایخلواماان یکون فی الرابعة قدر التشهداولم یقعدوکل وجه علی وجهین اماان قید الخامسة بالسجدة اولم یقیدفان قعدفی الرابعة قدرالتشهدوقام الی الخامسة فان لم یقیدها بالسجدة حتی تذکریعودالی القعدةویتمهاویسلم لما مروان قیدها بالسجدة لایعودعندنا...ثم عندنااذاکان ذالک فی الظهراوفی العشاء فالاولی ان یضیف الیهارکعة اخری لیصیرله نفلااذا لتنفل بعدهاجائز .... وان کان فی العصرلایضیف الیهارکعة اخری بل یقطع لان التنفل بعد العصر غیرمشروع....وروی هشام عن محمدانه یضیف الیهااخری ایضا لان التنفل بعدالعصر انمایکره اذاشرع فیه قصدافاماذاوقع فیه بغیرقصده فلایکره "...ثم اذااضاف الیهارکعة اخری فعلیه السهواستحسانا هذالذی ذکرنااذاقعدفی الرابعة قدرالتشهد فاماذالم یقعد وقام الی الخامسةفان لم یقیدهابالسجدة یعودلمامروان قیدفسد فرضه

ایک شخص نے ظہر کی پانچ رکعات ادا کی تو یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اس نے قعدہ کیا ہوگا یا نہیں دونوں صورتوں میں یا تو پانچویں کا سجدہ کیا ہوگا یا نہیں اگر چوتھی میں بقدر تشہد بیٹھ کر پانچویں کے لیے کھڑا ہوا اور پانچویں کا سجدہ نہیں کیا کہ یاد آ گیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور نماز کو پورا کرے اور سلام پھیر دے جیسا کہ گزرا اور اگر پانچویں کا سجدہ کرلیا ہے تو ہمارے نزدیک قعدہ کی طرف نہ لوٹے...پھر ہمارے نزدیک جب کہ ظہر یا عشاء میں ایسا ہو تو بہتر یہ ہے کہ ایک رکعت کا اس

میں اور اضافہ کرے تا کہ وہ نفل ہوجائے اور نفل ظہر اور عشاء کے بعد جائز ہے ....اور اگر عصر میں ایسا ہو تو دوسری رکعت کا اضافہ نہ کرے بلکہ (اسی رکعت پر نماز) ختم کردے اس لئے کہ عصر کے بعد نفل مشروع نہیں ہیں....اور ہشام نے امام محمد سے روایت کیا کہ اس میں ایک رکعت اور بھی ملائے اس لئے کہ نفل عصر کے بعد قصدا شروع کرنے پر مکروہ ہیں اور اس میں جب کہ بغیر قصد ایسا واقع ہوا مکروہ نہیں ہے .....پھر جب دوسری رکعت کا اضافہ کرے تو اس پر سجدہ سہو کرنا مستحسن ہے یہ جب ہے کہ چوتھی رکعت کے قعدہ میں بقدر تشہد بیٹھا ہو اور جب بیٹھے بغیر پانچویں کے لئے کھڑا ہوگیا ہو تو سجدہ کرنے سے پہلے لوٹ آئے جیسا کہ گزرا اور اگر سجدہ کرلیا تو اس کے فرض فاسد ہوگئے۔"[بدائع الصنائع ۱/ ۴۲۶، ۴۲۷]

واللہ تعالی اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم

کتبـــ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۲۲/ذی الحجة ۱۴۳۳ھ

نماز کے بعد آیۃ الکرسی کی فضیلت

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ لوگ عام طور نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتے ہیں کیا ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنا حدیث سے ثابت ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی محمد ریاض مرادآباد

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمده ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

جی ہاں یہ عمل حدیث مبارک سے ثابت ہے۔

حدیث شریف میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ آيَةَ الكُرسِي فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكتُوبَةٍ لَم يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُولِ الجَنَّةِ إِلَّا أَنْ يَمُوتَ.

جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے تو اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا کوئی چیز مانع نہیں ہوگی۔ (السنن الکبری للنسائی ۶/ ۳۰)

یہی حدیث ان الفاظ کے ساتھ معجم الکبیر للطبرانی ۷/ ۱۲۲ میں ہے:

مَنْ قَرَأَ آيَةَ الكُرسِي فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا أَنْ يَمُوتَ فَإِذَا مَاتَ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (شعب الایمان لبیہقی، ۴/ ۵۱)

جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے تو اس کے اور جنت میں داخل ہونے کے درمیان سوائے موت کے کوئی چیز (حائل) نہیں ہوگی۔ اور وہ مرتے ہی جنت میں داخل ہوگا۔

مَنْ قَرَأَ آيَةَ الكُرسِي دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ لَم يَمْنَعْه مِنْ دُخُولِهِ الجَنَّةَ إِلَّا المَوتُ. (مرجع سابق ۴/ ۵۲)

جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے تو اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا کوئی چیز نہیں روکے گی۔

واللہ تعالی اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۸/ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

مصلے کا کونا لوٹ دینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس سوال کے بارے میں کہ اکثر ائمہ مساجد نماز پڑھانے کے بعد مصلے کا ایک کونا موڑ دیتے ہیں شرع شریف میں اس کی کیا اصل ہے عوام میں تو یہ مشہور ہے کہ مصلے کا کونا نہ موڑا جائے تو اس پر شیطان نماز پڑھتا ہے کیا یہ خیال صحیح ہے یا غلط ہے بعضے امام صاحب کہہ دیتے ہیں کہ نماز باجماعت پڑھ لینے کی علامت ہے صحیح کیا ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمادیں اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

المستفتی عبدالغفور پاکبڑا مرادآباد

۲۶/ جولائی ۲۰۱۲ء

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علی حبیبہ الکریم

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ نے فتاوی رضویہ میں اس کی اصل احادیث سے بیان فرمائی ہیں، آپ فرماتے ہیں:

''ابن عساکر نے تاریخ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الشیاطین یستمتعون بثیابکم فاذانزع احدکم ثوبہ

فلیطوہ حتی ترجع الیھا انفاسھا فان الشیطان لایلبس ثوبا مطویا

شیطان تمہارے کپڑے اپنے استعمال میں لاتے ہیں تو کپڑا اُتار کر تہہ کردیا کرو کہ اس کا دام راست ہوجائے کہ شیطان تہہ کئے کپڑے نہیں پہنتا۔ [کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن جابر، الباب الثالث فی اللباس، ۱۵/ ۲۹۹]

معجم اوسط طبرانی کے لفظ یہ ہیں:

أطووا ثیابکم ترجع الیھا ارواحھا، فان الشیطان اذا وجد الثوب مطویا لم یلبسہ ، وان وجدہ منشورا لبسہ

کپڑے لپیٹ دیا کرو کہ ان کی جان میں جان آجائے اس لئے کہ شیطان جس کپڑے کو لپٹا ہوا دیکھتا ہے اسے نہیں پہنتا اور جسے پھیلا ہوا پاتا ہے اسے پہنتا ہے۔ [ج ۶ ص ۳۲۸]

ابن ابی الدنیا نے قیس ابن ابی حازم سے روایت کی:

قال ما من فراش یکون مفروشا لاینام علیہ احد الا نام علیہ الشیطان.

فرمایا جہاں کوئی بچھونا بچھا ہو جس پر کوئی سوتا نہ ہو اس پر شیطان سوتا ہے۔ ان احادیث سے اُس کی اصل نکل سکتی ہے اور پورا لپیٹ دینا بہتر ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید ۶/ ۲۰۶]

اور رہا عوام کا یہ خیال کہ مصلے نہ لپیٹنے سے شیطان اس پر نماز پڑھتا ہے تو یہ بے اصل ہے۔ جیسا کہ حضور صدر الشریعہ بہار شریعت میں فرماتے ہیں:

''نماز پڑھنے کے بعد مصلے کو لپیٹ کر رکھ دیتے ہیں، یہ اچھی بات ہے کہ اس میں زیادہ احتیاط ہے، مگر بعض لوگ جانماز کا صرف کونا لوٹ دیتے

ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ایسا نہ کرنے میں اس پر شیطان نماز پڑھے گا یہ بے اصل ہے۔ [ج ۳ حصہ ۱۶، صفحہ ۱۲۱]

الحاصل: مصلے کا کونا لوٹ دینے کی اصل احادیث سے ثابت ہے اور اس کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطابق شیطان کے استعمال سے اسے بچانا ہے اور یہ کونا لوٹ دینے سے پورا ہو جاتا ہے البتہ پورا مصلی لپیٹ کر رکھ دینا زیادہ بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۱۵/ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

امام سے متعلق چند مسائل

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل میں؛

(۱) جو امام تین انگلیوں میں تین انگوٹھی پہن کر نماز پڑھائے اس امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

(۲) جو امام ایک مشت دو انگل سے کم داڑھی رکھے اور برابر کٹاتا ہو اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا؟

(۳) سجدے کی حالت میں دونوں پیروں کو اوپر اٹھانے سے نماز ہوگی یا نہیں۔؟

(۴) جو امام یہ کہتا ہو کہ اولیاء اللہ مٹی کا ڈھیر ہیں اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتی صوفی محمد یامین قصبہ دتیانہ ضلع غازی آباد

الجواب بعون الملک الوھاب التواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب حاضر خدمت ہیں:

(۱) مرد کے لیے صرف چاندی کی ایک نگ والی ایک ہی انگوٹھی اور وہ بھی ساڑھے چار ماشہ سے کم وزن کی جائز ہے اس کے علاوہ سونے یا کسی اور دھات کی یا چاندی کی ساڑھے چار ماشے سے زیادہ وزن کی یا دو نگ والی یا دو انگوٹھی کہ وہ وزن میں چار ماشہ سے کم ہی کیوں نہ ہوں مرد کے لئے جائز نہیں خواہ تین انگلیوں میں پہنے یا ایک میں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

یجوز التختم بالفضۃ.....وینبغی ان تکون فضۃ الخاتم المثقال ولا یزاد علیہ وقیل لایبلغ بہ المثقال وبہ ورد الاثر کذافی المحیط.

چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے...اور مناسب ہے کہ چاندی انگوٹھی ایک مثقال کی ہو اس سے زائد نہ ہو بلکہ کہا گیا ہے کہ پورے ایک مثقال کو نہ پہونچے اور اسی پر اثر وارد ہوئی اور ایسا ہی محیط میں ہے۔

[۵/۳۳۵،الباب العاشر فی استعمال الذھب و الفضۃ]

فتاویٰ شامی میں ہے:

یجوز التختم بالفضۃ لو علی ھیئۃ خاتم الرجال اما لولہ فصان او اکثر حرم.

چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے اگر مردوں کی انگوٹھیوں کی طرح

ہو البتہ اگر اس کے دو نگ یا اس سے زائد ہوں تو حرام ہے۔[فتاوی شامی ۹/ ۵۲۱ کتاب الحظر والاباحۃ]

طرح المثرب فی شرح التقریب لزین الدین العراقی میں ہے

وقال المحب الطبری فی شرح التنبیہ المتجہ انہ لایجوز للرجل لبس الخاتمین سواء اکانا فی یدین ام یدواحدۃ لان الرخصۃ لم ترد ذالک.[الباب الادب ۸/ ۱۳۹]

محبّ طبری نے شرح تنبیہ میں فرمایا: مرد کے لئے دو انگوٹھیوں کا پہننا خواہ دو ہاتھوں میں ہو یا ایک میں جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس کی رخصت وارد نہیں ہوئی۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''شرعاً چاندی کی ایک انگوٹھی ایک نگ کی کہ وزن میں ساڑھے چار ماشہ سے کم ہو پہننا جائز ہے'' [فتاوی رضویہ جدید ۲۲/ ۱۴۱]

اس کے علاوہ پہننے کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

''ایک آدھ بار پہننا گناہ صغیرہ اور اگر پہنی اور اُتار ڈالی تو اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں اور اگر نماز میں پہنے ہو تو اسے امام بنانا ممنوع اور اس کے پیچھے نماز مکروہ یوں ہی جو پہنا کرتا ہے اس کا عادی ہے فاسق معلن ہے اور اس کو امام بنانا گناہ اگر اس وقت نماز میں نہ پہنے ہو'' [ایضاً ۶/ ۶۰۱]

حاصلِ کلام جو امام تین انگوٹھیاں پہنتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

(۲) داڑھی حد شرع سے کم رکھنے والے امام کے پیچھے نماز جائز نہیں اور شریعت میں داڑھی کی حد ایک مشت ہے نہ کہ ایک مشت دو انگل۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

''ریش ایک مشت یعنی چار انگل تک رکھنا واجب ہے اس سے کمی ناجائز ہے۔شرح مشکوۃ شریف میں ہے: گذاشتن آں بقدر قبضہ واجب است داڑھی بمقدار ایک مشت رکھنا واجب ہے۔''

آگے فتح القدیر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

الاخذ منھا وھی دون ذالک کمایفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال.

داڑھی تراشنا یا کترنا کہ مشت کی مقدار سے کم ہو جائے ناجائز ہے جیسا کہ بعض مغربیت زدہ لوگ اور ہجڑا صورت مرد کرتے ہیں۔ [فتاوی رضویہ جدید ۲۲/ ۵۸۱]

مزید فرماتے ہیں:

''داڑھی ترشوانے والے کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب'' [فتاوی رضویہ جدید ۶/ ۶۰۳]

حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''داڑھی رکھنا شعائر اسلام میں سے ہے اور اس کا کاٹنا قدر قبضہ پہنچنے سے قبل حرام ہے....درمختار میں ہے ''یحرم علی الرجل قطع لحیتہ'' جب ثابت ہو گیا کہ داڑھی ایک مشت سے کم کتروانا یا منڈوانا ممنوع ہے تو اس کا عامل اور مصر فاسق معلن ہوا اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی کما فی عامۃ المتون والشروح والفتاوی من کراھۃ امامۃ الفاسق اور فاسق کو امام بنانا گناہ ہے'' [فتاوی صدر الافاضل، ۴۲۴]

(۳) سجدے کی حالت میں دونوں پیروں کو اوپر اٹھانے سے نماز نہیں ہوگی کم سے کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگانا فرض اور دونوں پیروں کی تین تین انگلیوں کا پیٹ زمین پر لگانا

واجب ہے۔طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وضع القدم علی الارض فی الصلاۃ حال السجدۃ ففرض.

نماز کے دوران حالت سجدہ میں زمین پر قدم رکھنا فرض ہے۔

[کتاب الصلاۃ، ۲۳۰]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولو سجد ولم یضع قدمیہ علی الارض لایجوز.

اگر سجدہ کیا اور اور اپنے دونوں قدموں کو زمین پر نہیں رکھا تو ایسا کرنا جائز نہیں۔[الباب الرابع فی صفۃ الصلاۃ، ۴/ ۷۰]

فقیہ ابواللیث سمرقندی کے فتاوی نوازل میں ہے:

حتی لو رفع رجلیہ او احدھما لا تجوز صلاتہ

یہاں تک کہ اگر پنے دونوں یا ایک پیر کو اٹھایا تو اس کی نماز جائز نہیں ہے۔[کتاب الصلاۃ، ۷۳]

درمختار میں ہے:

وفیہ یفترض وضع اصابع القدم ولو واحدۃ نحو القبلۃ والالم تجز.

اور سجدہ میں پیر کی انگلیاں رکھنا اگر چہ ایک ہی ہو فرض ہے قبلہ کی طرف متوجہ کر کے ورنہ نماز جائز نہیں ہے۔[کتاب الصلاۃ، ۲/ ۲۰۴]

حلبی کبیری میں ہے:

لایجوز مع رفعھما.....المراد من وضع القدم وضع اصابعھا قال الزاھدی ووضع رؤس القدمین حالۃ السجود فرض وفی مختصر الکروخی سجد ورفع اصابع

رجلیه عن الارض لاتجوز وکذافی الخلاصة والبزازیه وضع القدم بوضع اصابعه وان وضع اصبعا واحدة.

پیروں کا اٹھانا جائز نہیں ہے....سجدہ میں پیر رکھنے سے مراد پیر کی انگلیاں رکھنا ہے زاہدی نے کہا سجدہ کی حالت میں دونوں پیروں کے سروں کو رکھنا فرض ہے مختصر کروخی میں ہے سجدہ کیا اور اپنے پیروں کی انگلیوں کو اٹھالیا تو نماز جائز نہیں اور ایسا ہی خلاصہ اور بزازیہ میں ہے قدم رکھنے کا مطلب انگلیوں کو رکھنا ہے اگر چہ ایک ہی انگلی ہو۔[غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ۲۴۹]

قبلہ بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''سجدے میں کم از کم ایک انگلی مضبوطی سے زمین پر جمانا فرض ہے''

مزید فرماتے ہیں''سجدے کے اندر ہر پیر کی کم از کم تین انگلیوں کا پیٹ زمین سے لگنا واجب ہے جس میں انگوٹھا بھی شامل ہے اگر تین بار''سبحٰن ربی الاعلی'' کہنے کی مقدار تک تین میں سے کوئی اٹھی رہ گئی تو نماز مکروہ تحریمی قابل اعادہ ہوگی''[فتاویٰ بحر العلوم کتاب الصلاۃ ج ۱ ص ۲۹۵]

(۴) اولیاء کرام اللہ کے مقرب بندے ہیں اور وہ اپنے مزارات میں زندہ ہیں ان کے تعلق سے امام کا یہ خیال کہ وہ مٹی کا ڈھیر ہیں یقیناً امام کی بدمذہبیت وگمراہی کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء اہلسنت نے جن عقاید ونظریات کو اجاگر فرمایا ہے ان میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ اولیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اللہ نے انہیں تصرفات واختیارات عطا فرمائے ہیں۔

ملاّ علی قاری علیہ رحمۃ الباری حدیث پاک ''ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللّٰہ حی یرزق'' (یقیناً اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیائے کرام کے جسموں کو کھانا حرام فرمادیا ہے پس اللہ کے نبی حیات ہیں اور رزق دئے جاتے ہیں) کے تحت

فرماتے ہیں:

وللذاقیل اولیاء اللّٰہ لایموتون ولکن ینتقلون من دار الی دار.

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوتے ہیں)[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ۳/۴۱۴ کتاب الصلاۃ باب الجمعۃ]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''اہلسنّت کا مذہب یہ ہے کہ روح انسانی بعد موت بھی زندہ رہتی ہے۔''

آگے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی کتاب تفسیر عزیزی کے حوالے سے فرمایا:

''دفن شدہ اولیاء اللہ اور دیگر صلحاء مومنین سے نفع وفائدہ کا حصول جاری ہے ..... وہ زیارت کے لئے قبر پر آنے والے عزیز واقارب اور دوستوں سے آگاہ ہوتے ہیں اور ان سے انس حاصل کرتے ہیں۔''

مزید فرماتے ہیں:

''حیات شہداء قرآن عظیم سے ثابت ہے اور شہداء سے علماء افضل.... اور علماء سے اولیاء افضل ہیں تو جب شہداء زندہ ہیں اور فرمایا کہ انہیں مردہ مت کہو تو اولیاء کہ بدرجہا ان سے افضل ہیں ضرور ان سے بہترحی ابدی ہیں''[فتاوی رضویہ جدید، ۲۹/۱۰۳تا۱۰۵]

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اولیاء کرام اپنے مزارات میں زندہ ہیں تو پھر انہیں مٹی کا ڈھیر کہنا ان کی کھلی ہوئی توہین ہے اور جو اللہ کے ولیوں کی اہانت کرتا ہے اس سے متعلق حدیث میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان موجود ہے:

من اهان لی ولیا فقدبارزنی بالعداوة. [المعجم الکبیر للطبرانی ۸/۲۶۴]

اور''من عادی لی ولیا فقدآذنته بالحرب''[صحیح البخاری ۲/۹۶۳ کتاب الرقاق باب التواضع]

(جس نے میرے ولی کی توہین کی اس سے دشمنی رکھی اس سے میں اعلانِ جنگ کرتا ہوں) ابن رجب حنبلی اس آخر الذکر حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

فاولیاء اللّٰہ تجب موالاتهم وتحرم معاداتهم.

اولیاء کرام کی محبت واجب اور ان سے عداوت حرام ہے۔[جامع العلوم والحکم ۶۷۴ الحدیث الثامن والثلاثون]

علامہ ابن حجر ہیتمی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

قال الائمة ولم ینصب اللّٰہ تعالیٰ المحاربة لاحدمن العصاة الا للمنکرین علی اولیائه.

ائمہ کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے منکرین اولیاء کرام کے علاوہ کسی گنہگار سے اعلانِ جنگ نہیں فرمایا۔[فتاوی حدیثیہ ج ۱ ص ۳۱۳]

''التلخیص المعین علی شرح الاربعین للشیخ محمدبن صالح عثیمین'' میں ہے:

ان معاداة اولیاء اللّٰہ من کبائر الذنوب لقوله''فقدآذنته''

اولیاء کرام سے عداوت بڑے گناہوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان''فقدآذنته'' کے سبب)[۱/۱۹۰]

علامہ ابن رجب بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:

فمحبة اولیاء اللّٰہ واحبابه عمومامن الایمان وهی من اعلیٰ مراتبه وبغضهم محرم فهومن خصال النفاق.

اولیاء کرام اور ان کے عقیدت مند حضرات سے محبت ایمان میں سے

ہے اور وہ محبّ کے عالی مرتبت ہونے پر دال ہے اور ان سے بغض حرام ہے اور بغض نفاق کی علامت ہے۔ [فتح الباری، ۱/۶۶ کتاب الایمان]

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ واضح ہوگیا کہ **اولیاء کرام زندہ ہیں ان کو مٹی کا ڈھیر کہنا گویا ان کی توہین اور ان سے دشمنی وعداوت ہے اور یہ حرام ہے تو جو امام اولیاء کرام کی شان میں توہین کر کے حرام کا ارتکاب کرے اور عقائد اہلسنت کے خلاف دیوبندی وغیرہ فرقہ ہائے باطلہ کے باطل عقائد ونظریات کی ترجمانی کرے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔** مسلمانانِ اہلسنّت پر لازم ہے کہ جب تک وہ اس عقیدہ خبیثہ سے توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں بلکہ ایسے شخص کو فوراً امامت سے برطرف کریں اور اپنے ایمان اور اپنی نمازوں کو محفوظ کریں۔

حدیث شریف میں ہے:

ایاکم وایاهم لایضلونکم ولا یفتنونکم

گمراہوں سے دُور بھاگو انہیں اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبه

محمدذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۰ر جمادی الاخری ۱۴۳۲ھ

دیہات میں جمعہ کی نماز کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں ہمارا گاؤں ایک

ایسا دیہات ہے کہ جس میں ہمیشہ سے جمعہ ہوتا چلا آیا ہے گاؤں کے اندر تین مسجدیں ہیں جو جمعہ کے دن بھری ہوئی نظر آتی ہیں اور ہمارے گاؤں سے شہر کی دوری صرف پانچ کلومیٹر ہے آنے جانے کے لئے بہترین سڑک ہے گاؤں میں بھی سڑکیں ہیں اور بازار قائم ہے گاؤں کے اندر کچھ ٹائم سے دوفرض جمعہ مع خطبہ اور اس کے بعد چار فرض ظہر کے باجماعت پڑھے جاتے ہیں۔جس کی وجہ سے گاؤں میں انتشار ہے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم لوگ کس طریقہ سے نماز ادا کریں ایک وقت میں ظہر اور جمعہ کی نیت کیسے کریں جبکہ نیت بدلنے کے بعد نماز بھی بدل جاتی ہے۔ہم لوگ پریشان ہیں کہ ظہر پڑھیں یا جمعہ اور گاؤں میں عیدگاہ بھی قائم ہے اور لوگ عید کی نماز پڑھتے ہیں تو کیا گاؤں میں عید کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

مسلمانان گلڑ یاہری کاشی پور اودھم سنگھ نگر اترا کھنڈ

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علی حبیبہ الکریم

احناف کے نزدیک دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں نماز جمعہ کی صحت ادا کے لیے مصر یا فناءِ مصر شرط ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

خمسةٌ لاجمعةَ علیھم المراۃُ والمسافر والعبد والصَّبی واھل البَادیة.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت مسافر غلام بچے اور گاؤں والے ان پانچ لوگوں پر نمازِ جمعہ نہیں ہے۔ [طبرانی،۷۲/۱]

دوسری حدیث میں ہے:

لاجمعة ولاتشریق الافی مصر جامع.

جمعہ اور تشریق نہیں ہے مگر شہر میں۔[سنن الکبری للبیھقی، کتاب الجمعة، ۱۷۹/۳]

حلبی کبیری میں ہے:

الشرط الاول المصر اوفناءہ فلاتجوزفی القری عندنا.

جمعہ کی شرط اول مصر یا فناء مصر ہے لہٰذا ہم احناف کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔[غنیة المصلی شرح منیة المصلی،فصل فی صلاۃ الجمعة، ۴۷۳]

اور سائل نے سوال میں جن باتوں کا ذکر کیا ہے وہ جمعہ کی صحت ادا کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کے لئے مصر یعنی وہ آبادی جس میں متعدد کوچے دوامی بازار ہوں اور کوئی حاکم رعایا کے مقدمات کے لئے فیصل ہو یا فناء مصر یعنی شہر کا وہ مقام جو شہری ضرورتوں کے لئے متعین ہو جیسے شہر کی آبادی سے باہر اسٹیشن ہوائی جہاز کا اڈہ فوجی چھاؤنی قبرستان وغیرہ،شرط ہے۔ھکذا فی الکتب الفقھیه.

اور گاؤں کا شہر کے قریب ہونا بھی جمعہ کو دیہات میں جائز نہیں کرسکتا۔حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں۔

''جو آبادی فناء شہر میں نہیں خواہ وہ شہر سے قریب ہو اس میں جمعہ صحیح نہیں نہ ان لوگوں پر جمعہ واجب۔بحرالرائق میں ہے:''....ولاتجب الجمعة علی اھل القری وان کانوا قریبا من المصر لان الجمعة انما تجب علی اھل الامصار'' [فتاویٰ صدر الافاضل،ص۴۴۷]

ان عبارات مذکورہ کی روشنی میں یہ بات صاف ہوگئی کہ سوال میں مذکور گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں۔لیکن جو لوگ جمعہ کے دن دو رکعت نماز بنام جمعہ ادا کرتے ہیں انہیں شرعاً

روکنے کی بھی اجازت نہیں ہے کہ وہ جس طرح بھی اللہ تعالیٰ کا نام لیں غنیمت ہے یہی وجہ ہے فقہاء کرام نے طلوع فجر کے وقت نماز جائز نہ ہونے کے باوجود بھی عوام کو روکنے سے منع فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ پھر وہ اس نماز کو بالکل ہی نہ پڑھیں مزید براں کہ عید کے دن عیدگاہ میں نماز نفل منع ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک آدمی نفل پڑھتا ہے آپ نے منع نہیں فرمایا لوگوں نے کہا کہ آپ اسے منع کیوں نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں میں اللہ تعالیٰ کی وعید''ارأیت الذی ینھی عبدا اذا صلی'' میں داخل نہ ہوجاؤں'' [درمختار،باب العیدین: ۳/۵۲]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''بایں ہمہ اپنا یہ مسلک ہے کہ ایسی جگہ عوام جس طرح بھی اللہ ورسول کا نام لیں روکا نہ جائے نہ خود شرکت کی جائے اگر عدم شرکت میں فتنہ نہ ہو ورنہ بہ نیت نفل مشارکت ممکن'' [فتاویٰ رضویہ جدید ۳۶۷/۶]

البتہ دو رکعت نماز بنام جمعہ پڑھ لینے کے بعد ظہر کی نماز بھی باجماعت پڑھیں۔

ردالمحتار میں ہے:

لوصلوافی القری لزمھم اداء الظھر.

اگر دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھیں تو ان پر نماز ظہر کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔[ردالمحتار،باب الجمعة:۳/۷]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

من لاتجب علیھم الجمعة من اھل القری والبوادی لھم ان یصلواالظھر بجماعةیوم الجمعة باذان و اقامة.

گاؤں اور صحرا والوں پر جمعہ واجب نہیں بلکہ ان کے لئے حکم ہے کہ وہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت اذان واقامت کے ساتھ پڑھیں۔

[الباب السادس فی صلاۃ الجمعة، ۱/ ۱۴۵]

اور رہا ایک وقت میں ظہر اور جمعہ کی نیت کا مسئلہ تو دو رکعت بنام جمعہ خواہ فرض کی نیت سے پڑھیں یا نفل کی نیت سے وہ دونوں رکعتیں نفل ہی مانی جائیں گی اور ظہر کی نماز میں فرض کی نیت کی جائے گی اب دو نمازیں مختلف نیتوں سے ایک وقت میں آگے پیچھے ادا کرنی ہیں اور یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے جس کے لئے فتنہ وفساد پیدا کیا جائے۔امام صاحب کو چاہئے کہ اصل مسئلہ سے عوام کو آگاہ کریں۔

تحریر بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں لیکن روکنے کی بھی اجازت نہیں اس لیے وہاں دو رکعت بنام جمعہ پڑھ لینے کے بعد لوگوں سے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کے لیے کہا جائے جو لوگ نماز ظہر باجماعت کے لئے رک جائیں انہیں نمازِ ظہر پڑھائی جائے جو لوگ فتنہ کریں ان کو سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

(۲) عید کی نماز بھی دیہات میں جائز نہیں اس کے لئے بھی مصر یا فناء مصر شرط ہے۔چنانچہ ردالمحتار میں ہے:

کماان المصرأوفنائه شرط جوازالجمعة فھوشرط جواز صلوة العید

جس طرح مصر یا فناء مصر جمعہ کے جائز ہونے کی شرط ہے اسی طرح نمازِ عید کے لئے بھی شرط ہے۔[ردالمحتار،باب الجمعة:۳/۷]

ھذاماعندی والعلم عنداللہ تعالیٰ.

کتبــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ: ۲/ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ

ایک امام کی مسائل شرعیہ میں غلط بیانی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین درج ذیل مسائل میں؛

(۱) زید جو کہ ایک محلّہ کی جامع مسجد میں خطابت کرتا ہے جمعہ کی نماز سے قبل لاؤڈ سپیکر سے اعلان کرتا ہے کہ جن حضرات کو پانی نہیں ملا وہ تیمّم کر کے جمعہ کی جماعت میں شامل ہو جائیں جبکہ اس مسجد کے پاس چند قدوم کی مسافت پر اہل سنت کی دیگر مساجد بھی پائی جاتی ہیں، نیز یہ کہ گھر سے بھی بآسانی وضو کر کے لوگ نماز میں شامل ہو سکتے ہوں۔ کیا اس صورت میں تیمّم سے نماز جمعہ ادا ہو جائے گی؟ جن لوگوں نے خطیب صاحب کے اعلان پر تیمّم کر کے نماز ادا کی ،ان کی نمازوں کا کیا حکم ہے؟ تیمّم کن صورتوں میں جائز ہے؟

(۲) خطیب مذکور نے ہی چند برس قبل ایک چہلم کی محفل میں چہلم کو فرض قرار دیا، برائے کرم محافل چہلم کے متعلق حکم شریعت واضح فرمائیں۔

(۳) خطیب مذکور نے نعت رسول مقبول ﷺ کے ان اشعار کو بے ادبی، جہالت اور گستاخی قرار دیا ہے۔

ناں ترالے کے آقا شان میں وی پائی اے
ترے ہتھ ڈور سائیاں آپے توں چڑھائی اے
چڑھی ہوئی گڈی نوں چڑھائی رکھیں سوہنیا
چنگے ہاں یا مندے ہاں نبھائی رکھیں سوہنیا

(ترجمۂ اشعار: یعنی اے میرے آقا و مولی آپ ہی کے نام کی برکت سے مجھے اس

جہان میں شان و عزت ملی ہے میری ڈور آپ ہی کے ہاتھ میں ہے جہان میں جو میری پذیرائی ہے اس کو قائم رکھنا۔ میں خواہ اچھا ہوں یا بُرا میری لاج نبھائے رکھنا۔)

کیا اس شعر میں گڈی یعنی پتنگ کا استعارہ استعمال کرنا معاذ اللہ بارگاہ رسالت میں گستاخی شمار ہوگا؟

(۴) مزید یہ بھی کہا کہ جو نعت خوان حضرات تُو، تیرا، تم وغیرہ الفاظ پر مشتمل نعتیں پڑھتے ہیں وہ گستاخ ہیں اللہ کرے کہ ان کی زبانیں گونگی ہو جائیں۔ کیا نعتیہ اشعار میں جناب رسالت مآب ﷺ کے لیے تو، تیرا اور تیرے وغیرہ کے الفاظ استعمال کرنا بے ادبی، جہالت اور گستاخی ہے؟

(۵) گائے یا اونٹ کی قربانی میں کتنے افراد شرکت کر سکتے ہیں؟

(۶) مذکورہ خطیب مولوی مودودی اور دیوبندی مولوی انور شاہ کشمیری کو بھی نیک پارسا عابد و زاہد خیال کرتا ہے؟

(۷) کیا صدقۂ فطر صرف عید کی نماز سے قبل ہی ادا ہو سکتا ہے؟ بعد میں کسی مسکین فقیر کو دینے سے صدقۂ فطر ادا نہیں ہوگا؟

(۸) شب برأت میں سو نوافل ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟ مزید یہ بھی ارشاد فرمائیں کیا نوافل کی ادائیگی قضا نمازوں کی ادائیگی سے زیادہ ثواب کا موجب ہے؟

(۹) کیا نماز میں زبان سے نیت کرنا شرط ہے؟ اگر زبان سے نیت نہ کی جائے تو کیا نماز نہ ہوگی؟ بینوا توجروا

محمد ساجد قادری، مرکز الاولیاء لاہور، پاکستان

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلی علٰی حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب ملاحظہ فرمائیں:

(۱) امام مذکور کا پانی ہوتے ہوئے بھی تیمّم کا اعلان کرنا نئی شریعت گڑھنا ہے امام مذکور سے پوچھا جائے کہ پانی موجود ہو اور کوئی شرعی عذر بھی نہ ہو اس کے باوجود نماز جمعہ کے لئے تیمّم کرنا کہاں جائز لکھا ہے دکھاؤ دعوی ہے کبھی بھی نہیں دکھا پائیں گے۔ شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ اگر چہ نماز جمعہ فوت ہو جائے بغیر عذر شرعی تیمّم کی اجازت نہیں ہے اور نماز جمعہ کا فوت ہو جانا عذر شرعی نہیں ہے اس لئے کہ نماز ظہر اس کا بدل موجود ہے۔

نور الایضاح میں ہے:

ولیس من العذر خوف فوت الجمعة.

جمعہ کے فوت ہونے کا خوف تیمّم کے لئے عذر نہیں ہے۔

مراقی الفلاح میں اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لان الظھر یصلی بفوت الجمعة.

اس لئے کہ نماز جمعہ فوت ہونے پر ظہر پڑھی جا سکتی ہے۔[باب التیمم، ۱/۶۷]

تیمّم کے جائز ہونے کے لئے علماء احناف نے چند شرطیں بیان فرمائی ہیں،

نور الایضاح میں ہے

یصح التیمم بشروط ثمانیة الثانی العذر المبیح للتیمم کبعدہ میلا عن ماء ولو فی المصر وحصول مرض وبرد یخاف منہ التلف او المرض وخوف عدو وعطش واحتیاج لعجن او الطبق مرق ولفقد آلة و خوف فوت صلاة

جنازة او عید ولو بناء ولیس من العذر خوف فوت الجمعة والوقت.

تیمّم آٹھ شرطوں کے ساتھ صحیح ہے ان میں سے دوسری شرط وہ عذر جو تیمّم کو جائز کرے جیسے نماز کا ارادہ کرنے والا پانی سے ایک میل دور ہو اگر چہ شہر میں ہو یا مرض اور ٹھنڈ ہو جس سے فوت ہو جانے یا مرض کے بڑھنے کا خوف ہو اور دشمن کا خوف ہو، پیاس کا اندیشہ ہو، آٹا گوندھنے کے لیے پانی کی ضرورت ہونا کہ شوربہ پکانے کے لئے اور پانی نکالنے کا آلہ نہ ہو، یا نماز جنازہ یا نماز عید کے چھوٹ جانے کا خوف ہو اگر چہ بناء ہی ہو اور جمعہ کے چھوٹ جانے کا خوف اور وقت نکل جانے کا خوف عذر نہیں ہے۔

فتاوی نوازل میں ہے:

شرط جواز التیمم ھو العجز عن استعمال الماء و ذالک قد یکون بعدم الماء وھو ان یکون بینہ وبین الماء نحو المیل ...وقد یکون بخوف الھلاک ...او خوف زیادة المرض.[باب التیمم ، ۵۴]

تیمّم کے جائز ہونے کی شرط پانی کے استعمال سے عاجز ہونا ہے اور عاجز ہونا کبھی پانی موجود نہ ہونے کے سبب ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس کے اور پانی کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہو اور کبھی عاجز ہونا ہلاک ہونے کے ڈر سے یا بیماری کے بڑھنے کے خوف سے ہوتا ہے۔

فتاوی رضویہ جدید میں ہے:

''عیدین یا جنازہ کی نماز جاتی رہنے کا اندیشہ ہو تو تیمّم کرے جمعہ و پنج گانہ کے لئے وضو کرنا لازم ہے اگر چہ جمعہ و جماعت فوت ہو جائے'' [۳/۲۹۷]

مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا رسالہ مبینہ ''سمح الندریٰ فیما یورث العجز عن الماء'' ملاحظہ فرمائیں، جس میں پانی کی موجودگی یا عدم موجودگی میں تیمّم کے جائز ہونے کی پونے دو سو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

الحاصل: امام پر لازم ہے کہ توبہ کرے اور آئندہ بغیر تحقیق کے کوئی مسئلہ عوام کے روبرو بیان نہ کرے۔ اور جن لوگوں نے پانی پائے جانے کے باوجود بھی تیمّم سے نمازِ جمعہ ادا کی ہے ان کی نماز نہیں ہوئی ان پر نماز ظہر کی قضا فرض ہے۔ اور ان پر لازم ہے کہ احکام شرعیہ سے واقفیت رکھنے والے کو ہی اپنا امام منتخب کریں ورنہ ان کی ساری نمازیں رائیگاں جائیں گی۔

(۲) چہلم کی محفل پاک بغرض ایصال ثواب ممنوعات شرعیہ سے پاک وصاف ایک امرِ محمود ومستحسن ہے۔ امام مذکور کا چہلم کو فرض قرار دینا جہالت ہے۔ فرض شریعت میں اس حکم کو کہا جاتا ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اصول فقہ کی معتبر ومشہور کتاب اصول الشاشی میں ہے:

الفرض.... فی الشرع ماثبت بدلیل قطعی. [اصول الشاشی،۱۰۳]

درر الاحکام میں ہے:

الفرض.... حکم لزم بدلیل قطعی وحکمه ان یستحق العقاب تارکه بلاعذر ویکفر جاحده.

فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو بلا عذر ترک کرنے والا مستحق عذاب اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

اور دلیل قطعی کا اطلاق آیات محکمہ اور خبر متواتر پر ہوتا ہے الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

الفرض .... ثبت بدلیل قطعی لاشبهة فیه کالکتاب والخبر المتواتر حتی انه یکفر جاهده.

فرض وہ حکم ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اس میں کوئی شبہ نہ ہو جیسے

قرآن اور خبر متواتر یہاں تک کہ اس کے منکر کی تکفیر کی جائے گی۔ [جلد ۱، ص ۶ کتاب الطهارة]

الحاصل: چہلم کا لازم ہونا نہ تو آیات محکمہ سے ثابت ہے اور نہ ہی خبر متواتر سے لہٰذا امام صاحب کا چہلم کو فرض قرار دینا سراسر غلط اور دینی وعلمی مسائل سے ناواقفیت کی کھلی دلیل اور شریعت پر افترا ہے امام مذکور پر علی الاعلان توبہ لازم ہے۔ نیز محفل چہلم از روئے شرع ایک امرِ محمود ہے اگر اس میں ممنوعات شرعیہ جیسے نوحہ، سینہ کوبی یا گریبان پھاڑنا یا ماتم کرنا تجدد وغیرہ نہ ہوں اور روایات صحیحہ کی روشنی میں شہداء کربلا اور دیگر اخیار کا ذکر خیر کیا جائے۔ تو بلاشبہہ موجب ثواب اور ''عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة'' کے مطابق باعثِ نزول رحمت ہے۔

(۳) احقر کو مذکورہ بالا اشعار میں از روئے شرع کوئی قباحت نظر نہیں آرہی ہے ایسے استعارے ہر زبان میں موجود ہیں پتنگ وغیرہ کا استعمال مجاز ابلندی کے لئے ہوتا ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ عام طور پر بولا جاتا ہے کہ یا نبی میری زندگی کی ڈور اب آپ کے ہاتھ ہے یا جیسے کسی کے لئے بولا جائے کہ وہ تو علم کا پہاڑ ہے یا اس کا دماغ ساتویں آسمان پر ہے، یہ سب بطور مجاز بولا جاتا ہے۔ خطیب مذکور بغیر علم کے فتوی دینے میں جری معلوم ہوتا ہے۔ خطیب کو یہ نہیں معلوم کہ بغیر علم کے فتوی بازی کرنا ناجائز وحرام ہی نہیں بلکہ آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت کا سبب بھی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من افتی بغیر علم لعنته ملائکة السماء والارض.

جو بغیر علم کے فتوی دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے۔ [کنز العمال، ۱۰/۱۹۳]

(۴) امام مذکور بڑا ہی بیباک اور علم سے کورا معلوم ہوتا ہے یہی نہیں بلکہ وہ اپنی مادری زبان اردو کو سمجھنے سے بھی عاجز ہے اردو زبان میں **تو، تم، تیرا، تمہارا** وغیرہ کا استعمال صرف تحقیر کے لئے نہیں بلکہ تعظیم کے لئے بھی شائع وذائع ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے لئے تو، تیرا کا استعمال، بہت سے علاقوں میں ماں کے لئے **تو** کا استعمال بلاشبہ تعظیم ومحبت کے لئے ہے نا کہ تحقیر وتذلیل کے لیے مزید یہ کہ اردو وفارسی کے مشاہیر شعرا کے نعتیہ کلام میں تو، تیرا کا استعمال کثرت سے پایا جاتا ہے اسے بے ادبی اور گستاخی پر محمول کرنا اور ان کی زبانوں کے گونگے ہونے کی بددعا کرنا یقیناً حماقت، سفاہت اور جہالت پر مبنی ہے۔ امام مذکور نے یہ اختراعی مسئلہ بیان کرتے وقت اور زبانوں کے گنگ ہونے کی بددعا کرتے وقت یہ بھی نہیں سوچا کہ میری زبان کے اس زہر آمیز جملے سے نہ جانے کتنے اولیا وعلما اور اکابر ملت کی بارگاہوں کا تقدس مجروح ہوگا۔ بے شمار اکابر امت نے اپنے کلام میں آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تو، تیرا، تمہارا وغیرہ کا استعمال کیا ہے ہم ذیل میں چند اکابر کے اشعار بطور ثبوت پیش کیے دیتے ہیں:

درج ذیل اشعار سیدی غوث اعظم علیہ الرحمہ کی جانب منسوب کئے گئے ہیں:

چو ذرہ ذرہ شود ایں تنم بہ خاك لحد
تو بشنوی صلوات از جمیع ذراتم
سلام بہ گویم وصلوات بر تو ہر نفسے
قبول کن بہ کرم ایك سلام وصلواتم

مولانا روم مثنوی شریف میں حضرت ابوبکر کے حضرت بلال کو خریدنے کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت ابوبکر کا بارگاہ رسالت میں ایک عریضہ کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

گفت مادو بندگان کوئے تو
کردمش آزاد من بر روئے تو
تو مرا امیدار بندہ ویار غار

ہیچ آزادی نخواہم زینہار

علامہ جامی فرماتے ہیں:

غریبم یارسول الله غریبم
ندارم در جہاں جز تو حبیبم
مرض دارم ز عصیاں لادوائے
مگر الطاف تو باشد طبیبم

بریں نازم کہ ہستم امت تو
گنہگارم ولیکن خوش نصیبم

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

بلند آسماں پیش قدرت خجل
تو مخلوق وآدم ہنوز آب وگل
تو اصل وجود آمدی از نخست
دگر ہر چہ موجود شد فرع تست
تر اعزلولاك تمکین بس است
ثنای تو طه ویسین بس است

حضرت امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

مجھے بھی یاد رکھیو ہوں تمہارا اُمتی عاصی
گنہگاروں کو جب تم بخشواؤ یارسول اللہ

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ واللہ

مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

مفتی اعظم فرماتے ہیں:

تو شمع رسالت ہے عالم تیرا پروانہ

تو ماہ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ

مذکورہ بالا اشعار مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر بیان کردئے گئے ہیں ورنہ فارسی اور اردو کا کوئی نعتیہ دیوان ایسا نہیں ملے گا جس میں بارگاہ رسالت کے لئے تو، تیرا کا استعمال نہ کیا گیا ہو۔

الحاصل: نعت وغیرہ میں تو تیرا تمہارا کا استعمال بلاشبہہ جائز ہے امام مذکور اپنے اس قول سے توبہ کے ساتھ رجوع کرے اور آئندہ بغیر تحقیق کے کوئی ایسا جملہ استعمال نہ کرے جس سے اولیا وعلما کی بارگاہوں کا تقدس پامال ہو۔

(۵) گائے یا اونٹ کی قربانی میں سات یا اس سے کم لوگوں کی شرکت جائز ہے البتہ سات سے زیادہ افراد ایک گائے یا اونٹ میں شریک نہیں ہو سکتے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

یجب ان یعلم ان الشاۃ لاتجزی الاعن واحد وان کانت عظیمۃ والبقر والبعیر یجزی عن سبعۃ اذا کانوا یریدون بہ وجہ اللہ تعالیٰ والتقدیر بالسبع یمنع الزیادۃ لایمنع النقصان کذافی الخلاصۃ.

جاننا ضروری ہے کہ بکری اگر چہ بڑی ہو مگر وہ ایک ہی آدمی کی طرف سے جائز ہوگی اور گائے، اونٹ سات لوگوں کی طرف سے جائز ہے جب کہ وہ اس سے لوجہ اللہ قربانی کا ارادہ رکھتے ہوں اور سات کی قید سات سے زیادہ لوگوں کو شرکت سے روکنے کے لئے ہے نا کہ اس سے کم کے لئے۔ [۵/۳۰۴]

(۶) خطیب مذکور اگر مولوی کشمیری کی بد مذہبیت سے واقف ہونے کے باوجود اسے پارسا عابد وزاہد خیال کرتا ہے تو از روئے شرع دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

مجمع الانہر میں فتاوی بزازیہ کے حوالے سے ہے:

من شک فی عذابہ وکفرہ فقد کفر.

جو کسی کافر کے عذاب اور کفر میں شک کرے کافر ہے۔ [مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، ۴/۳۶۵]

خطیب پر توبہ، تجدید ایمان، تجدید نکاح اور تجدید بیعت لازم وفرض ہے۔

(۷) صدقۂ فطر نماز عید سے قبل ادا کرنا سنت ہے لیکن اگر کسی وجہ سے نماز عید سے قبل ادائیگی نہ ہو پائے تو بعد میں ادا کرے عمر بھر اس کا وقت رہے گا اور جب بھی ادا کرے گا ادا ہی کہلائے گا قضا نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ففی ای وقت ادی مؤدیالا قاضیاً .... غیر ان المستحب قبل الخروج الی المصلی.

کسی وقت بھی ادا کرے ادا ہی ہوگا قضا نہیں مگر یہ کہ عیدگاہ کے لئے نکلنے سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے۔ [باب صدقۃ الفطر، ۳/۳۱۱]

(۸) البحر الرائق میں ہے:

وصلاۃ لیلۃ النصف ذکرھا الغافقی المحدث فی لمحات الانوار وصاحب انس المنقطعین وابو طالب المکی فی القوت عبد العزیز الدیرینی فی طہارۃ القلوب وابن الجوزی فی کتاب النور والغزالی فی الاحیاء قال الحافظ الطبری جرت العادۃ فی کل قطر من اقطار المکلفین بتطابق الکافۃ علی صلاۃ مائۃ رکعۃ فی لیلۃ النصف من شعبان بالف

قل ھو اللہ احد وتروی فی صحتھا آثار واخبار لیس علیھا الاعتماد ولانقول انھا موضوعۃ کماقال الحافظ ابن الجوزی فان الحکم فی الوضع امرہ خطیر وشانہ کبیر مع انھا اخبار ترغیب والعامل علیھا بنیتہ یثاب ویصدق عزمہ واخلاصہ فی ابتھالہ یجاب والاولی تلقیھا بالقبول من غیر حکم بصحتھا ولاحرج فی العمل بھا.

محدث غافقی نے لمحات الانوار میں اور صاحب انس المنقطعین نے اور ابو طالب مکی نے قوت القلوب میں عبد العزیز دیرینی نے طہارۃ القلوب میں ابن جوزی نے کتاب النور میں اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں پندرھویں شب کی نماز (سو رکعت) کا ذکر کیا حافظ طبری نے فرمایا کہ مکلفین کے ہر ملک میں سب کے اتفاق سے پندرہویں شعبان کی رات میں سو رکعات نماز پر ایک ہزار قل ھو اللہ احد کے ساتھ عادت جاری ہے اور اس کی صحت پر جو آثار اور خبریں روایت کی گئی ہیں ان پر اعتماد نہیں ہے البتہ ہم ان کو موضوع بھی نہیں کہیں گے جیسا کہ ابن جوزی نے کہہ دیا اس لئے کہ وضع کا حکم بڑی چیز ہے مزید یہ کہ وہ ترغیب کی خبریں ہیں اور ان پر اپنی نیت سے عمل کرنے والا ثواب پائے گا اور اگر سچا ہوگا اس کا ارادہ اور اخلاص اس کی انکساری وعاجزی میں تو قبول کیا جائے گا اور ان آثار پر صحت کا حکم لگائے بغیر قبول کر لینا زیادہ بہتر ہے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ [البحر الرائق، ۲/۹۳، باب الوتر والنوافل]

الحاصل: پندرہویں شعبان کی رات سو رکعت نماز ایک امر مستحسن ہے اور ان رکعات کو خلوص وللّٰہیت سے ادا کرنے والا بلاشبہ اجر وثواب کا مستحق ہے البتہ اگر قضا نمازیں ذمہ میں ہوں تو نوافل کی ادائیگی بے سود ہے۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اس کے قبول کی امید تو مفقود اور اس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود۔

اے عزیز!

فرض خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ ونذرانہ۔ قرض نہ دیجئے اور بالائی بیکار تحفے بھیجئے وہ قابل قبول ہوں گے؟.....لاجرم محمد بن المبارک بن الصباح اپنے جزء املا اور عثمان بن ابی شیبہ اپنی سنن اور ابو نعیم حلیۃ الاولیاء اور ھناد فوائد اور ابن جریر تہذیب الآثار میں عبد الرحمن بن سابط وزید وزبید پسران حارث ومجاہد سے راوی:

فلما حضر ابابکر الموتُ دعا عمر فقال اتق اللہ یا عمر واعلم ان لہ عملا بالنھار لا یقبلہ باللیل وعملا باللیل لا یقبلہ بالنھار واعلم انہ لایقبل نافلۃ حتی تؤدی الفریضۃ، الحدیث''

یعنی جب خلیفہ رسول اللہ ﷺ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نزع کا وقت ہوا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا: اے عمر اللہ سے ڈرنا اور جان لو کہ اللہ کے کچھ کام دن میں ہیں کہ انھیں رات میں کرو تو قبول نہ فرمائے گا اور کچھ کام رات میں کہ انھیں دن میں کرو تو مقبول نہ ہوں گے، اور خبردار رہو کہ کوئی نفل قبول نہیں ہوتا جب تک فرض ادا نہ کر لیا جائے، الحدیث۔

نیز فتوح الغیب شریف کے حوالہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مبارک بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

حضور مولیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم یقبل منہ واھین.

یعنی فرض چھوڑ کر سنّت ونفل میں مشغول ہوگا یہ قبول نہ ہوں گے اور خوار کیا جائے گا'' [فتاوی رضویہ جدید، ۸، ۱۷۹، ۱۸۰]

(۹) نماز میں زبان سے نیت کرنا مستحب ہے شرط نہیں اگر زبان سے نیت نہ کی گئی تو کوئی حرج کی بات نہیں اس سے نماز میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

النية ارادة الدخول فى الصلاة و الشرط ان يعلم بقلبه اى صلاة يصلى و ادناها مالو سئل لامكنه ان يجيب على البديهة ....ولاعبرة للذكر باللسان فان فعله لتجتمع عزيمة قلبه فهوحسن كذافى الكافى.

نماز میں داخل ہونے کے ارادہ کا نام نیت ہے اور نیت کی شرط یہ ہے کہ وہ دل میں جانتا ہو کہ وہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے اور اس کا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ اگر اس سے پوچھ لیا جائے تو برجستہ جواب دیدے اور زبان سے کہہ لینے کا کوئی اعتبار نہیں البتہ اگر نیت کے ساتھ اسے بھی جمع کر لے تو اچھا ہے ایسا ہی کافی میں ہے۔[باب النیۃ، ۱/ ۶۵]

درمختار میں ہے:

التلفظ عند الارادة بها مستحب هو المختار.

نیت کے ساتھ زبان سے کہہ لینا مستحب ہے یہی مختار ہے۔

[باب شروط الصلاة، ۲/ ۹۲] هذا ماعندى والعلم عندالله تعالىٰ

كتبـــ

اہلسنت کی مسجد سے بدمذہبوں کے جلسہ میں شرکت کا اعلان حرام

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ہمارے محلّہ کی مسجد کے امام صاحب نے جو سنی ہیں جمعہ کے روز دیوبندیوں کے جلسہ کا اعلان کیا۔ اعلان میں لوگوں سے جلسہ میں شرکت کی اپیل کی اور کہا کہ لوگ پہنچ کر اس جلسہ کو کامیاب بنائیں۔ امام صاحب کا اس طرح بدمذہبوں کے جلسہ میں شرکت کا اعلان کرنا شریعت کی روشنی میں کیسا ہے؟ اور امام صاحب کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ امام صاحب کا کہنا یہ ہے کہ میں نے کمیٹی کے دباؤ میں یہ اعلان کیا اور کمیٹی میں سکریٹری دیوبندی ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی محمد مجاہد رضا نوری محلّہ خالصہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرّحيم نحمده و نصلّى علىٰ حبيبه الكريم

عرب وعجم کے علماء اہلسنت کے نزدیک دیوبندی وہابی جماعت اپنے عقائد باطلہ وکفریہ کے سبب بددین، گمراہ، کافر ومرتد دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ملاحظہ ہو اعلیٰ حضرت کی کتاب مستطاب حسام الحرمین نیز حضور صدر الافاضل محدث مراد آبادی قدس سرہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''وہابی بے دین منکر ضروریات دین خارج از اسلام ہیں'' [فتاوی صدر الافاضل، ص ۴۱۹]

جب دیوبندی جماعت کا کفر وارتداد متفق علیہ ہے تو پھر دیوبندیوں کے جلسہ کی دعوت دینا اور اسے کامیاب بنانے کی اپیل کرنا گویا لوگوں کو کفر کی دعوت پیش کرنا ہے اگر امام صاحب

کا یہ فعل اپنی مرضی سے ان کے مذہب کو حق جانتے ہوئے ان کے جلسہ کو دینی جلسہ سمجھتے ہوئے تھا تب تو از روئے شرع ان پر حکم کفر عائد ہوگا۔ دیوبندیوں کے کفر پر مطلع ہوتے ہوئے ان کو مسلمان جاننے اور ان کے کفر پر راضی ہونے کی وجہ سے۔

حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں:

''جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے۔

وجیز امام کردری ودرمختار وشفائے امام قاضی عیاض وغیرہا میں ہے:

اجمع العلماء من شک فى عذابه و كفره فقد كفر.

علماء کا اجماع ہے کہ جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔''

[فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۷۸]

اور کتب عقائد کا مشہور ضابطہ ہے:

الرضا بالكفر كفر. کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔

لہٰذا ایسی حالت میں ان پر توبہ وتجدید ایمان تجدید نکاح لازم وضروری ہے۔

درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

مايكون كفرا اتفاقا يبطل العمل و النكاح و اولاده اولاد زنا، ومافيه خلاف يؤمر بالاستغفار و التوبة (اى تجديد الاسلام) و تجديد النكاح.

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے اور اس کی حالت میں جو اولاد ہوگی وہ ولد الزنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ [باب المرتد، ۶/ ۳۹۱]

اور اگر فی الواقع ایسا نہیں تھا بلکہ امام صاحب کے قول کے مطابق کمیٹی کے دباؤ میں آکر انہوں نے انہوں نے جلسہ میں جانے اور اسے کامیاب بنانے کا اعلان کیا تب بھی امام صاحب نے ایک ناجائز وحرام کام کا ارتکاب کیا اور گناہ میں بددینوں کا ساتھ دیا فرمان الٰہی ہے:

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ

اے مسلمانو! بدمذہبوں کی طرف نہ جھکو نہیں تو تم کو جہنم کی آگ چھوئے گی)

[پارہ ۱۲، سورہ ھود آیت ۱۱۳]

ولا تعاونوا على الاثم و العدوان''

گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ [پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۲]

اور کمیٹی کے دباؤ میں آکر خلاف شرع کام کرنا گویا دین پر دنیا کو ترجیح دینا ہے اور یہ عذاب الٰہی کا سبب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ.

اے نبی فرمادو کہ اے لوگو! اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی تمہاری بیویاں تمہارا کنبہ تمہاری کمائی کے مال اور وہ سوداگری جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے اور تمہاری پسند کا مکان ان میں کوئی چیز بھی اگر تم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں کوشش کرنے سے زیادہ محبوب ہے تو انتظار رکھو یہاں کہ اللہ اپنا عذاب اتارے اور اللہ تعالیٰ

نافرمانوں کوراہ نہیں دیتا۔[پارہ ۱۰ سورہ توبہ]

خلاف شرع کام میں کمیٹی ہو یا کوئی اور کسی کی اطاعت جائز نہیں۔

حدیث پاک میں ہے:

لاطاعة فی معصیة اللّٰہ انما الطاعة فی المعروف.

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت اور کسی کا لحاظ نہیں بلکہ اطاعت فقط نیک کام میں ہے۔[صحیح بخاری، ۲/ ۱۰۷۸]

الحاصل: امام صاحب پر اس فعل شنیع پر راضی ہونے کی صورت میں مذکورہ بالا حکم کفر عائد ہوگا اور انہیں از روئے شرع شریف علی الاعلان توبہ، تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

علاوہ ازیں کمیٹی میں دیوبندی کو سیکرٹری منتخب کرنے اور اس کو دین کے معاملات میں دخل اندازی کرنے پر راضی ہونے کی وجہ سے اہل محلّہ پر بھی ضروری ہے کہ وہ بھی توبہ کریں اور فوراً اس بدمذہب دیوبندی کو سکریٹری کے عہدے سے برطرف کریں اس لئے کہ بدمذہبوں کی تعظیم کرنا اور اپنے دینی امور ان کے ہاتھوں میں سونپ دینا ناجائز وحرام ہے۔ان کے لئے تو شریعت کا یہ حکم ہے جس پر عمل کرنا ہر مومن کا فرض ہے۔

اعلیٰ حضرت مقاصد و شرح مقاصد کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

حکم المبتدع البغض و العداوة و الاعراض عنه و الاهانة و الطعن و اللعن .

یعنی بدمذہب کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ اس سے بغض و عداوت رکھیں، روگردانی کریں، اس کی تذلیل وتحقیر کریں۔ اس سے طعن کے ساتھ پیش آئیں۔[فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۹۷]

نا کہ ان کو اپنے دینی امور کا حاکم ومختار بنائیں۔

حدیث میں ہے: ایاکم و ایاهم لایضلونکم و لایفتنونکم.

گمراہوں سے دُور بھاگو انہیں اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔[صحیح مسلم، ۱/ ۱۰]

هذا ما عندی و العلم عند اللّٰہ تعالیٰ.

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ

باب الجنائز

چپل پہن کر نماز جنازہ پڑھنا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں عموماً نماز جنازہ راستے یا میدان میں پڑھی جاتی ہے جہاں گندگی رہتی ہے تو کیا جوتے چپل پہن کر نماز ادا کر سکتے ہیں یا جوتے چپل اتار کر اس پر کھڑے ہوکر۔ ایسے مقامات پر جوتے چپل پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ دلائل شرعیہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی محمد اسرار الحق

(خطیب و امام) جامع مسجد محلّہ بانس پھوڑان کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمده و نصلّی علیٰ حبیبه الکریم

نمازِ جنازہ ایسی جگہ پر جہاں گندگی ہو یا گندگی کا احتمال ہو نہ پڑھیں اور اگر پڑھیں تو ننگے پیر یا جوتے چپل کے ساتھ نہ پڑھیں۔ اگر نجاست پر کھڑے ہوکر جوتے چپل پہن کر نماز پڑھی تو نماز نہیں ہوگی۔

فتاوی شامی میں ہے:

قد توضع فی بعض المواضع خارج المسجد فی الشارع فیصلی علیها و یلزم منه فساد ها من کثیر من المصلین لعموم النجاسة و عدم خلعهم نعالهم المتنجسة.

بعض مقامات میں جنازہ مسجد کے باہر روڈ پر رکھ کر نماز ادا کی جاتی ہے اس سے بہت سے نمازیوں کی نماز میں فساد لازم آتا ہے کیونکہ وہ جگہ عام طور پر ناپاک ہوتی ہے اور لوگ اپنے نجاست آلود جوتے اتارتے نہیں ہیں)

[ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، ۳/ ۱۲۹]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولو قام علی النجاسة وفی رجلیه نعلان او جوربان لم تجز صلاته کذافی محیط السرخسی.

اور اگر نجاست پر کھڑا ہو اور اس کے دونوں پیروں میں جوتے یا پائتابے ہوں تو اس کی نماز جائز نہیں ایسا ہی محیط سرخسی میں ہے۔ [الفتاوی الهندیه، الفصل الثانی فی الطهارة، ١/ ٦٢]

البتہ جوتے چپل اُتار کر اس پر پاؤں رکھ کر نماز پڑھیں تو نماز ہو جائے گی۔

محیط برہانی میں ہے:

لو قام علی النجاسة فی الصلاة وفی رجلیه نعلان او جوربان لاتجوز صلاته ولو فرش نعلیه او جوربیه وقام علیهما جازت صلاته.

اگر کھڑا ہو جائے نجاست پر نماز میں اور اس کے دونوں پیروں میں جوتے یا پائتابے ہوں تو اس کی نماز جائز نہیں اور اگر اپنے جوتے اور پائتابے بچھالئے اور ان پر کھڑا ہو گیا تو نماز جائز ہے۔[١/ ٦٥، بیان احکام المحدث]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولو خلع نعلیه وقام علیهما جاز سواء کان مایلی الارض منه نجسا أو طاهرا اذا کان مایلی القدم طاهرا.

اور اگر اپنے جوتے اتار لئے اور ان پر کھڑا ہو گیا تو جائز ہے خواہ وہ حصہ جو زمین کی طرف ہے پاک ہو یا ناپاک جب کہ قدم کی طرف والا حصہ پاک ہو۔[الفصل الثانی فی الطهارة، ١/ ٦٢]

بحر الرائق میں ہے:

ولو قام علی النجاسة وفی رجلیه نعلان او جوربان لم تجز صلاته لانه قام علی مکان نجس ولو افترش نعلیه وقام علیهما جازت الصلاة.

اگر کھڑا ہو جائے نجاست پر نماز میں اور اس کے دونوں پیروں میں جوتے یا پائتابے ہوں تو اس کی نماز جائز نہیں اس لئے کہ وہ ناپاک جگہ پر کھڑا ہے اور اگر اپنے جوتے اور پائتابے بچھالیے اور ان پر کھڑا ہو گیا تو نماز جائز ہے۔[باب شروط الصلاة ١/ ٤٦٦]

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں خلاصہ کے حوالے سے ہے:

لو صلی علی خشب وفی جانبه الآخر نجاسة ان کان غلظ الخشب بحیث یقبل القطع تجوز و الّافلا.

اگر لکڑی پر نماز پڑھی اور اس کی دوسری جانب نجاست ہے اگر وہ لکڑی اس قدر موٹی ہو کہ کاٹی جا سکے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔[باب ما یفسد الصلاة، ٣٧٩١]

بدائع الصنائع میں ہے:

اذا صلی علی حجر الرّحا أو علی باب أو بساط غلیظ أو علی مکعب ظاهره طاهر وباطنه نجس یجوز عند محمد وبه کان یفتی الشیخ ابوبکر الاسکاف وعند ابی یوسف لایجوز وبه کان یفتی الشیخ ابوحفص الکبیر.

جب آٹے کے پتھر یا دروازے یا موٹے بچھونے یا مکعب پر جس کا اوپری حصہ پاک اور نچلا حصہ ناپاک ہو نماز پڑھی تو امام محمد کے نزدیک

جائز ہے اور ابوبکر اسکاف اسی پر فتوی دیتے تھے اور امام ابو یوسف کے نزدیک نماز جائز نہیں ہے ابو حفص کبیر اسی پر فتوی دیتے تھے۔[بدائع الصنائع کتاب الطهارة، باب ١/ ٢٣٩]

امام ابن عابدین شامی نے اس مسئلہ میں امام محمد کے قول کو ترجیح دی ہے۔ فرماتے ہیں:

وظاهره ترجیح قول محمد وهو الاشبه.

اور اس کا ظاہر امام محمد کے قول کی ترجیح ہے اور یہی اشبہ ہے۔ [رد المحتار، باب ما یفسد الصلاة، مطلب فی التشبه باهل الکتاب، ٢/ ٣٨٧]

نیز فتاویٰ عالمگیری میں بھی امام محمد کے قول کو ترجیح دی گئی ہے:

اذا صلی علی حجر الرّحا أو علی باب أو بساط غلیظ أو علی مکعب ظاهره طاهر وباطنه نجس یجوز عند محمد وبه کان یفتی الشیخ ابوبکر الاسکاف. وهو الاشبه بالترجیح هکذافی شرح منیة المصلی لابن امیر الحاج.

جب آٹے کے پتھر یا دروازے یا موٹے بچھونے یا مکعب پر جس کا اوپری حصہ پاک اور نچلا حصہ ناپاک ہو نماز پڑھی تو امام محمد کے نزدیک جائز ہے اور ابوبکر اسکاف اسی پر فتوی دیتے تھے اور یہی ترجیح کے زیادہ لائق ہے)[فتاوی عالمگیری، الفصل الثانی فی الطهارة، ١/ ٦٣]

علامہ عبد الحی کی کتاب **معین المفتی والسائل** جس کا ترجمہ دیوبندی عالم مفتی محمد عتیق مظاہری (استاد حدیث- جامع الہدیٰ، مراد آباد) نے کیا ہے، اس کتاب میں فتح القدیر کے حوالے سے ہے:

الا تری انه لو قام فی صلوته علی نجاسة وفی رجلیه

نعلان لا تجوز صلوته ولو فرش نعلیه او جوربیه وقام علیهما جازت.

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی نماز میں جوتے پہن کر نجاست پر کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز درست نہیں اور اگر جوتیوں یا جرابوں کو بچھا کر کھڑا ہو جائے تو جائز ہے۔[معین المفتی و السائل مترجم، ٣٦٩]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''اگر وہ جگہ پیشاب وغیرہ سے ناپاک تھی یا جن کے جوتوں کے تلے ناپاک تھے اور اس حالت میں جوتا پہنے ہوئے نماز پڑھی ان کی نماز نہ ہوئی احتیاط یہی ہے کہ جوتا اتار کر اس پر پاؤں رکھ کر نماز پڑھی جائے کہ زمین یا تلا اگر ناپاک ہو تو نماز میں خلل نہ آئے۔''[فتاوی رضویہ جدید، ٩/ ١٨٨]

حاصلِ کلام: ناپاک جگہ ننگے پیر یا جوتے پہن کر نماز پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی ہاں جوتے اُتار کر اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی خواہ زمین یا جوتے کا تلا دونوں ناپاک ہوں۔

هذا ما عندی والعلم عند الله تعالیٰ.

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــه

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ ١٢/ جمادی الآخر ١٤٣٣ھ

باب الحج و العمرہ

عرفات میں قیام حج کا سب سے بڑا رکن

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں پچھلے سال میں نے اپنے ماں باپ کو حج کرایا تھا جب وہ لوگ عرفات کے میدان میں جارہے تھے تو میری والدہ کی شدید طبیعت خراب ہوگئی جس سے وہ آگے کے ارکان پورے نہیں کر پائیں حالانکہ انہوں نے قربانی کروادی تھی طواف کعبہ اور صفا و مروہ کی سعی بھی کر لی تھی۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا میرے والدین کا حج مکمل ہوا یا نہیں؟ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

محمد شاداب کٹورا تال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم

عرفات میں ٹھہرنا حج کا سب سے بڑا رکن ہے بلکہ اصل حج یہی ہے جس نے اسے پالیا اس نے حج پالیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحج عرفة فمن ادرک لیلة عرفة قبل طلوع الفجر من لیلة جمع فقدتم حجه .

حج عرفہ ہے جس نے طلوع فجر سے قبل مزدلفہ کی رات میں وقوف عرفہ پالیا اس کا حج پورا ہوگیا۔[سنن النسائی باب فرض الوقوف بعرفة، ۲/۳۷]

اور جس کا وقوف عرفہ فوت ہوگیا اس کا حج فوت ہوگیا حدیث شریف میں ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

من وقف بعرفات بلیل فقد أدرک الحج و من فاته

عرفات بلیل فقد فاته الحج .

جو شخص رات کو عرفات میں ٹھہرا اس نے حج پالیا اور جس کا وقوف عرفہ رات سے فوت ہوگیا اس کا حج فوت ہوگیا۔[سنن الدارقطنی، کتاب الحج، ۲/۲۴۱]

حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے:

من لم یقف بعرفة من لیلة المزدلفة من قبل ان یطلع الفجر فقد فاته الحج .

جس نے مزدلفہ کی رات میں طلوع فجر سے پہلے وقوف عرفہ نہیں کیا اس کا حج فوت ہوگیا۔

نیز ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: ولم یقف بعرفة فقد فاته الحج .

اور وقوف عرفہ نہیں کیا تو حج فوت ہوگیا۔ [مؤطا امام مالک، کتاب الحج، ص، ۱۵۲]

لہٰذا اس پر آئندہ سال دوبارہ حج کرنا لازمی ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے:

من فاته عرفة بلیل فقدفاته الحج فلیحل بعمرة من غیر دم و علیه الحج من قابل.

جس کا وقوف عرفہ فوت ہوگیا اس کا حج فوت ہوگیا وہ عمرہ کر کے احرام کھول دے اس پر کوئی دم نہیں البتہ آئندہ سال اس پر حج لازم ہے)[سنن الدارقطنی، ۲/۲۴۱]

فتاوی عالمگیری میں ہے: من احرم بالحج کان فرضا أو منذورا أو تطوعا صحیحا کان أو فاسد اسواء طرأ فساده

أو انعقد فاسدا کما اذا أحرم مجامعا و فاته الوقوف بعرفة حتی طلع الفجر من یوم النحر فقدفاته الحج و علیه ان یطوف ویسعی و یتحلل ویقضی من قابل و لا دم علیه کذافی الهدایه"

جس نے احرام باندھا حج فرض یا نذر یا نفل کا صحیح ہو یا فاسد برابر ہے کہ وہ فساد درمیان میں آگیا ہو یا شروع ہی سے ہو جیسا کہ مجامعت کی حالت میں احرام باندھا تھا اور وقوف عرفہ فوت ہوگیا یہاں تک کہ قربانی کے دن فجر طلوع ہوگئی تو اس کا حج فوت ہوگیا اس پر لازم ہے کہ طواف کرے اور سعی کرے اور احرام سے باہر ہو جائے اور آئندہ سال حج قضا کرے اور اس پر کوئی دم نہیں ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔[الفتاوی الہندیہ، کتاب المناسک، باب فی فوات الحج، ۱/۲۵۶]

فتاوی خانیہ میں ہے: من فاته الوقوف بعرفة فی وقت الوقوف فاته الحج .

جس کا وقوف عرفہ وقت وقوف میں فوت ہوگیا اس کا حج فوت ہوگیا۔

[فصل فی فائة الحج، ۱/۲۵۶]

مذکورہ بالا عبارات کا ماحصل یہ نکلا کہ آپ کے والدین نے وقوف عرفہ ترک کیا جس کی کوئی تلافی نہیں سوائے اس کے کہ آئندہ سال حج کیا جائے آپ کے والدین پر لازم ہے کہ حج کی قضا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

۱۷ رجمادی الآخر ۱۴۳۳ھ

آفاقی کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں ایک شخص حرم شریف میں کام کرتا ہے جب اپنے وطن ہندوستان سے واپس آتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ مکہ میں داخل ہونے کے لیے احرام باندھنا ضروری ہے اگر بغیر باندھے داخل ہو گئے تو دم دینا ہوگا کیا یہ بات صحیح ہے؟ کیا احرام کے ساتھ عمرہ بھی ضروری ہے؟

اور یہ بھی بتائیں کہ حدود حرم میں کام کرنے والا اگر زیارت کے لئے مدینہ گیا تو کیا واپسی میں اسے حدود حرم میں داخل ہونے سے پہلے عمرہ کے لئے احرام باندھنا اور حرم میں آ کے عمرہ کرنا واجب ہے ایسا نہیں کیا تو کیا دم واجب ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

مبارک علی خاں رضوی

کاکیہ قربان گاہ حرم شریف مکہ

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلّی علٰی حبیبہ الکریم

از روئے شرع جب بھی کوئی باہر سے آنے والا مکہ شریف میں حاضر ہونا چاہے تو اس کے لیے میقات پہنچ کر احرام باندھنا واجب وضروری ہے عمرہ نہیں ہاں اگر بغیر احرام باندھے میقات سے گزر گیا تو اب اس پر شرعاً حج یا عمرہ واجب ہو گیا وہ میقات واپس آئے اور احرام باندھے عمرہ یا حج کی نیت کرے اگر وہ میقات واپس آ کر احرام نہیں باندھتا اور میقات پر آئے بغیر احرام باندھ کر حج یا عمرہ کر لیتا ہے تو اس پر دم واجب ہے۔ یوہیں جب وہ مکہ سے مدینہ جاتا ہے تو گویا میقات سے باہر ہو جاتا ہے ایسی صورت میں وہ آفاقی یعنی باہر سے آنے والے کی طرح ہو جاتا ہے تو اگر وہ مکہ کو واپس ہوتا ہے تو میقات سے اسے احرام باندھنا ضروری ہے اگر نہیں باندھتا تو اوپر ذکر کیا گیا حکم نافذ ہوگا۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''باہر سے مکہ معظّمہ کا قصد کرنے والے کو بے احرام ان مقاموں سے آگے بڑھنا حرام ہے'' [فتاوی رضویہ جدید ۱۰/ ۷۷۹]

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا یجوز للآفاقی ان یدخل مکۃ بغیر احرام نوی النسک اولا ولو دخلھا فعلیہ حجۃ او عمرۃ کذا فی محیط السرخسی.

باہر سے آنے والے کے لیے مکہ میں بغیر احرام داخل ہونا جائز نہیں ہے حج وعمرہ کی نیت ہو یا نہ ہو اور اگر بغیر احرام داخل ہو گیا تو اس پر حج یا عمرہ واجب ہے ایسا ہی محیط سرخسی میں ہے۔ [باب فی المواقیت، ج ۱ ص ۲۲۱]

اسی میں ہے: اذا دخل الآفاقی مکۃ بغیر احرام وھو لا یرید الحج والعمرۃ فعلیہ لدخول مکۃ اما حجۃ او عمرۃ فان احرم بالحج او العمرۃ من غیر ان یرجع الی المیقات فعلیہ دم لترک حق المیقات و ان عاد الی المیقات واحرم فھذا علی وجھین فان احرم بحجۃ او عمرۃ عما لزمہ خرج عن العھدۃ الخ

جب باہر سے آنے والا بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہو اور اس کا حج اور عمرہ کا ارادہ نہ ہو تو اس پر مکہ میں داخل ہونے کے سبب یا تو حج ہے یا عمرہ پس اگر میقات کو لوٹے بغیر حج یا عمرہ کا احرام باندھا تو حق میقات ترک ہونے کے سبب اس پر دم ہے اور اگر میقات کو واپس آ کر احرام باندھا تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر حق میقات ترک ہونے کے سبب جو حج یا عمرہ لازم آیا تھا اس کا احرام باندھا تو دم ساقط ہو گیا۔ الخ [باب مجاوزۃ المیقات بغیر احرام، ج ۱ ص ۲۵۳]

مبسوط سرخسی میں ہے:

لیس لاحد ینتھی الی المیقات اذا اراد دخول مکۃ ان یجاوزھا الا بالاحرام سواء کان من قصدہ الحج او القتال او التجارۃ.

میقات تک پہنچنے والا جب مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے چاہے حج اور عمرہ کے نیت سے یا تجارت کی غرض سے تو اس کے لیے بغیر احرام میقات سے گزرنا جائز نہیں ہے۔ [باب المواقیت، ج۵، ص ۳۸۲]

تحفۃ الفقہاء میں ہے:

الآفاقی اذا جاوز المیقات لقصد الحج او لقصد مکۃ لتجارۃ من غیر احرام و دخل مکۃ کذلک فانہ یلزمہ اما حجۃ او عمرۃ عندنا.

باہر سے آنے والا اگر حج یا مکہ میں تجارت کے ارادے سے بغیر احرام کے میقات سے گزر کر مکہ میں داخل ہو گیا تو احناف کے نزدیک اس پر حج یا عمرہ واجب ہو گیا۔ [۱/ ۳۸۶]

ردالمحتار میں ہے:

المکی .... لا یجاوز میقات الآفاقی والا فھو کالآفاقی لا یحل لہ دخولہ بلا احرام.

مکہ میں رہنے والا باہر سے آنے والے کے میقات سے نکلتے ہی اسی کے مثل ہو جائے گا اس کے لیے بھی مکہ میں بغیر احرام داخل ہونا جائز نہیں ہوگا۔ [کتاب الحج، مطلب فی المواقیت، ۳/ ۴۸۴]

واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۵ ربیع النور ۱۴۳۴ھ

حائضہ عورت کے لئے ارکان حج کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام درج ذیل مسئلہ میں اگر ایام حج میں عورت حائضہ ہو جائے تو حج کے افعال کی ادائیگی کا کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا

قاری محمد ذاکر حسین

مدرسہ اہل سنت گلشن رضا کونڈا چورا ہا کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

ایام حج میں حائضہ عورت سوائے طواف کعبہ اور سعی کے تمام ارکان وافعال ادا کرے گی۔

ملتقی الابحر میں ہے:

ولو حاضت عند الإحرام اغتسلت وأتت بجمیع المناسک إلا الطواف.

اگر عورت احرام کے وقت حائضہ ہو جائے تو غسل کرے اور سوائے طواف کے تمام اعمال حج ادا کرے۔ [ملتقی الابحر، کتاب الحج، ۱/ ۵۲]

عقود الدریہ میں ہے:

حَیْضُھَا لَا یَمْنَعُ شَیْئًا مِنْ نُسُکِھَا إِلَّا الطَّوَاف.

عورت کا حیض سوائے طواف کے افعال حج میں سے کسی سے مانع نہیں۔ [عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی، ۱/ ۹۲]

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

المرأة إذا حاضت في الحج إن حاضت قبل أن تحرم وانتهت إلى الميقات فإنها تغتسل وتحرم وإذا قدمت مكة وهي حائض تصنع كما يصنع الحاج غير أنها لا تطوف بالبيت ولا تسعى بين الصفا والمروة وتشهد جميع المناسك.

عورت جب دوران حج حائضہ ہوجائے تو اگر وہ احرام باندھنے سے پہلے حائضہ ہوئی ہے اور میقات تک حیض ختم ہوگیا تو وہ غسل کرے اور احرام باندھے اور جب حالت حیض ہی میں مکہ پہنچ گئی تو سوائے طواف کعبہ اور صفاومروہ کی سعی کے تمام کام کرے جو حاجی لوگ کرتے ہیں)

[فتاوی قاضی خاں، ۱/۳۴۷، فصل فی کیفیة اداء الحج]

حاشیہ طحطاوی علی الدر میں ہے:

اغرب القهستاني حيث زاد السعي.

قہستانی نے انوکھی بات کہی کہ انہوں نے سعی کا اضافہ فرمایا یعنی حائضہ عورت کو طواف کے علاوہ سعی سے بھی منع فرمایا

[حاشية الطحطاوي على الدر المختار، ۱/۵۱۳]

ردالمحتار میں ہے: تنبيه قدمنا عن المحيط أن تقديم الطواف شرط صحة السعي فعن هذا قال القهستاني فلو حاضت قبل الإحرام اغتسلت وأحرمت وشهدت جميع المناسك إلا الطواف والسعي اه أي لأن سعيها بدون طواف غير صحيح.

خبردار ہم محیط کے حوالے سے بیان کرچکے ہیں کہ طواف کا مقدم ہونا سعی کے صحیح ہونے کی شرط ہے اسی وجہ سے قہستانی نے کہا کہ اگر عورت احرام باندھنے سے پہلے حائضہ ہوجائے تو غسل کرے اور احرام باندھے اور طواف

وسعی کے علاوہ تمام مناسک ادا کرے اس لئے کہ بغیر طواف کے سعی کرنا صحیح نہیں ہے۔ [ردالمحتار، ۳/۵۵۲، کتاب الحج]

الحاصل: حائضہ عورت ایام حج میں طواف کعبہ اور سعی کے علاوہ تمام ارکان وافعال ادا کرے گی۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ

کتبـــ

باب النکاح

مزنیہ کی بیٹی سے نکاح حرام ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زید نے کسی عورت سے زنا کیا اور اب وہ اس عورت کی جوان لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے کیا یہ جائز ہے؟ شریعت کی روشنی میں مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

حافظ محمد غلام یسین منڈل سرسلا مسجد نور ضلع کریم نگر حیدرآباد

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمده ونصلّی علٰی حبیبه الکریم

زید کے لئے اس عورت کی لڑکی سے نکاح جس سے وہ زنا کرچکا ہے ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔ قرآن مقدس میں ہے:

رَبَائِبُكُمُ اللّٰتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللّٰتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ

(اور (حرام ہیں تم پر) ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں ان بی بیوں سے جن سے تم صحبت کرچکے ہو) [کنزالایمان سورہ نساء پارہ ۴ آیت ۳۲]

مجمع الانھر میں ہے:

لَوْ زَنَى بِامْرَأَةٍ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ أُصُولُهَا وَفُرُوعُهَا

(اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس پر اس عورت کے اصول وفروع حرام ہوگئے)

[کتاب النکاح باب المحرمات، ۱/۴۸۱]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فَمَنْ زَنَى بِامْرَأَةٍ حَرُمَتْ عَلَيْهِ أُمُّهَا وَإِنْ عَلَتْ وَابْنَتُهَا وَإِنْ سَفَلَتْ.

وہ شخص جس نے کسی عورت سے زنا کیا اس پر عورت کی ماں اوپر تک (یعنی عورت کی نانی پرنانی وغیرھا) اور اس عورت کی بیٹی نیچے تک (یعنی نواسی وغیرھا) سب حرام ہیں۔[کتاب النکاح باب فی بیان المحرمات ۱/۲۷۴]

فتاوی رضویہ میں ہے:

رَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ

اس آیہ کریمہ میں زن مدخولہ کی بیٹی حرام فرمائی اور جس طرح وصف "اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ" یعنی اس کی گود میں پلنا پالا جماع شرط حرمت نہیں۔ مثلاً زید کسی پچیس سال والی عورت سے نکاح کرے اور اس کے پہلے شوہر سے اس کی ایک بیٹی چار دہ سالہ ہو جسے گود میں پالنا در کنار زید نے آج سے پہلے کبھی دیکھا بھی نہ ہو تو کیا زید کو حلال ہو سکتا ہے کہ اس کی لڑکی سے بھی نکاح کرلے اور مادر دختر دونوں کو تصرف میں لاالہ الا اللہ یہ ہرگز شریعت محمد رسول اللہ ﷺ نہیں۔

اسی طرح وصف "نِسَائِكُمْ" یعنی ان مدخولات کا زوجہ ومنکوحہ ہونا بھی بالاتفاق شرط نہیں، کیا لیلی وسلمی ماں بیٹی دونوں جس کی کنیز شرعی ہوں اسے حلال ہے کہ دونوں سے جماع کیا کرے، مادر ودختر دونوں ایک پلنگ پر، عیاذاً باللہ، یہ شریعت محمدی ﷺ سے کس درجہ بعید ہے۔ حالانکہ ہرگز کنیزیں "نِسَائِكُمْ" میں داخل نہیں نہ ان کی بیٹیوں پر "رَبَائِبُكُمْ" صادق، غالباً ان حراموں کو حلال بتاتے ہوئے غیر مقلد صاحب بھی شرم کریں، تو ثابت ہوا کہ نکاح جس طرح بحکم تتمہ آیت "فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ" تحریم دختر کے لیے کافی نہیں، یونہی شرط وضروری بھی نہیں یعنی نہ وہ علت ہے، نہ جزء علت اب آیہ کریمہ میں ندر ہا مگر "اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِن" یعنی ان عورتوں کی بیٹیاں جن کے ساتھ تم نے صحبت کی، معلوم ہوا صرف اس قدر علت تحریم ہے اور یہ قطعاً مزنیہ میں بھی ثابت کہ وہ ایک عورت ہے جس کے ساتھ

اس نے صحبت کی، لاجرم بحکم آیت اس کی بیٹی اس پر حرام ہوگئی۔"

مزید فرماتے ہیں:

"اور حاصل آیت کریمہ یہ کہ جس عورت سے تم نے کسی طرح صحبت کی اگرچہ بلا نکاح اگرچہ بروجہ حرام، اس کی بیٹی تم پر حرام ہوگئی، یہی ہمارے ائمہ کرام کا مذہب، اور یہی اکابر صحابہ کرام مثل حضرت امیر المومنین عمر فاروق وحضرت علامہ صحابہ عبداللہ بن مسعود وحضرت عالم القرآن عبداللہ بن عباس وحضرت اقرؤ الصحابہ ابی بن کعب وحضرت عمران بن حصین وحضرت جابر بن عبداللہ وحضرت مفتیہ چار خلافت صدیقہ بنت الصدیق محبوبہ رب العالمین صلی اللہ تعالی علیہ وعلیہم اجمعین وجماہیر ائمہ تابعین مثل حضرات امام حسن بصری وافضل التابعین سعید بن المسیب وامام اجل ابراہیم نخعی وامام عامر شعبی وامام طاؤس وامام عطا بن ابی رباح وامام مجاہد وامام سلیمن بن یسار وامام حماد واکابر مجتہدین مثل امام عبدالرحمن اوزاعی وامام احمد بن حنبل وامام اسحق بن راہویہ اور ایک روایت میں امام مالک بن انس کا ہے رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین۔[فتاوی رضویہ جدید ۱۱/۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶]

الحاصل: زانی پر مزنیہ کی بیٹی قطعاً ناجائز وحرام ہے۔

ھذا ما عندی و العلم عند اللہ اتم

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۹ / جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

دیوبندی لڑکے سے سنی لڑکی کا نکاح جائز نہیں

جناب مفتی صاحب قبلہ سلام مسنون!

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں؛

ایک سنی صحیح العقیدہ نے اپنی لڑکی کا رشتہ دیوبندی کے گھرانے میں کیا ہے ہم نے اس کو بہت سمجھایا پھر بھی نہیں مانا اب ان لڑکی والے سنی ہیں جو ہمارے قریبی بھائی رشتہ دار ہیں کیا ایسی شادی میں جانا چاہئے یا نہیں؟ اگر لڑکی کی شادی میں نہیں جائیں گے تو آپس میں بھائی بھائی میں نفرت پیدا ہوگی اور بھائیوں میں آنا جانا بند ہو جائے ہم لوگ جس جگہ پر رہتے ہیں وہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے ہیں ۲۰ گھروں کی آبادی ہے آپس میں ایک دوسرے کے بغیر نہیں چل سکتا اس صورت میں شریعت کیا اجازت دیتی ہے؟

فقط سلام دعا گو تاج محمد اکبری کرڑ اجالور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

دیابنہ اپنے عقائد باطلہ وخبیثہ کی وجہ سے کافر ومرتد ہیں ان کے ساتھ کسی سنی وسنیہ مرد وعورت کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

فقہ حنفی کی معتبر ومستند ومستدل کتاب فتاوی عالمگیری میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ.

مرتد کے لئے مرتدہ اور مسلمہ اور اصلی کافرہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔[باب المحرمات بالشرک ۱/۲۸۳]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"وہابی ہو یا رافضی جو بدمذہب عقائد کفریہ رکھتا ہے.... تو ایسوں سے نکاح باجماع مسلمین والیقین باطل محض وزنائے صرف ہے۔" [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/۳۷۷]

سنی صحیح العقیدہ ہوتے ہوئے اپنی لڑکی کا نکاح ایسے دیوبندی لڑکے سے کرنا جو علماء دیوبند کے کفریات پر مطلع ہوتے ہوئے بھی ان کو مسلمان جانتا ہو اگر اس کو مسلمان سمجھ کر ہے تو یہ کفر ہے اس لئے کہ کافر کے کفر میں شک کرنا اس کو کافر نہ ماننا بھی کفر ہے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں "جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے۔

وجیز امام کردری میں ودرمختار وشفائے امام قاضی عیاض وغیرہا میں ہے:

اجمع العلماء من شک فی عذابہ و کفرہ فقد کفر.

علماء کا اجماع ہے کہ جو کافر کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ کافر ہے" [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۷۸]

ایسے شخص پر توبہ وتجدید ایمان وتجدید نکاح لازم وضروری ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

مایکون کفرا تفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا، ومافیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ (ای تجدید الاسلام) وتجدید النکاح.

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے اور اس کی حالت میں جو اولاد ہوگی وہ ولد الزنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔[باب المرتد، ۶/۳۹۱]

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے شخص سے بموجب فرمان الٰہی:

وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔[کنز الایمان پارہ ۲۸، سورہ انعام آیت ۶۸]

وفرمان رسول ﷺ:

اياكم و اياهم لايضلونكم و لايفتنونكم.

گمراہوں سے دُور بھاگو انہیں اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکانہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔[صحیح مسلم، ۱/ ۱۰]

ہر طرح کا تعلق ختم کردیں اور نکاح وغیرہ کسی بھی خوشی یا غم میں اس کے شریک نہ ہوں بلکہ اس سے منہ پھیر لیں۔

اعلیٰ حضرت مقاصد وشرح مقاصد کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

حكم المبتدع البغض و العداوة و الاعراض عنه و الاهانة و الطعن و اللعن.

یعنی بد مذہب کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ اس سے بغض وعداوت رکھیں، روگردانی کریں، اس کی تذلیل وتحقیر کریں۔ اس سے طعن کے ساتھ پیش آئیں۔[فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۹۷]

اور اگر وہ سنی صحیح العقیدہ کہلانے والا شخص اس دیوبندی کو کافر سمجھ کر ہی اس کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر رہا ہے تب بھی وہ سخت ناجائز وحرام کام کا ارتکاب کر رہا ہے۔ ایسے نکاح میں مسلمانوں کا شرکت کرنا از روئے شرع ناجائز وحرام ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

و لاتعاونوا على الاثم و العدوان.

گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔[کنز الایمان، پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۲]

رہا سائل کا یہ کہنا **"وہ ہمارے قریبی رشتہ دار ہیں اور شادی میں شرکت نہ کرنے پر بھائی بھائی میں نفرت پیدا ہوگی اور ایک دوسرے کے بغیر کام نہیں چل سکے گا"** تو شریعت میں اس عذر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ شریعت کے بانی نبی محترم محمد ﷺ کی حیات مبارکہ اور ان کے اصحاب کرام کی مقدس زندگیاں اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ سائل کو چاہئے کہ شریعت کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے ایمان کی حفاظت کرے، اور ایسے نکاح میں ہرگز ہرگز شریک نہ ہو ایمان وشریعت کے مقابل کسی رشتہ اور قرابت کا پاس ولحاظ مومن کی شان نہیں ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

لاطاعة في معصية الله انما الطاعة في المعروف.

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت اور کسی کا لحاظ نہیں بلکہ اطاعت فقط نیک کام میں ہے۔[صحیح بخاری، ۲/ ۱۰۷۸]

والله تعالى اعلم و رسوله اعلم عزوجل و صلى الله تعالى عليه و اله وسلم

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ

دیابنہ ووہابیہ کے یہاں لڑکی دینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زید جس کا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہے اپنی لڑکی کی شادی مشہور ومصلب وہابی کے یہاں کر رہا ہے از روئے شرع یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ نیز زید کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو اس شادی میں شریک ہوں شریعت کا کیا حکم ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

(قاری) محمد نظر سلامی (امام) جامع مسجد غوثیہ کھائی کھیڑی کمال پور نجیب آباد

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرّحيم نحمده و نصلّي علىٰ حبيبه الكريم

وہابیہ ودیابنہ اپنے عقائد باطلہ مثلاً اللہ جھوٹ بول سکتا ہے، محمد ﷺ کے بعد بھی کوئی نبی آسکتا ہے، امتی عمل میں نبی سے بڑھ سکتا ہے، نماز میں نبی کا خیال گدھے بیل کے خیال اور بیوی سے مجامعت کے خیال سے بدتر ہے، جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں، نبی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، انبیاء واولیاء ہر مخلوق چھوٹی بڑی اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے، نبی کا علم شیطان سے کم اور جانوروں، پاگلوں، بچوں کے برابر ہے، صحابہ کو کافر کہنے والا کافر نہیں ہے، حضرت علی کا اسلام معتبر نہیں ہے، حضرت حسین جلیل القدر صحابی نہیں ہیں، وغیرہا۔ (معاذ اللہ رب العلمین) کے سبب دائرۂ اسلام سے خارج اور بدترین کافر ومرتد ہیں، ان کے ساتھ نکاح تو درکنار نبی ﷺ نے ان جیسے باطل فرقوں سے وابستہ افراد کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے ان کے ساتھ نماز پڑھنے اور ان کی نماز جنازہ پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

فلا تجالسوهم و لا تشاربوهم و لا تؤاكلوهم و لا تناكحوهم.

بدمذہبوں کے ساتھ نہ ان کے ساتھ پیونہ کھاؤ نہ ان کے ساتھ نکاح کرو۔

اور فرماتے ہیں:

فلاتناكحوهم و لاتؤاكلوهم و لا تشاربوهم و لا تجالسوهم و لاتصلوا عليهم و لاتصلوا معهم.

بدمذہبوں کے ساتھ نہ کھاؤ نہ پیونہ بیٹھو نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔[کنز العمال ۱۱/ ۵۲۹: ۵۴۰]

فقہ حنفی کی معتبر ومستند ومستدل کتاب فتاوی عالمگیری جسے پانچ سو اکابر علماء نے ترتیب دیا ہے اس میں ہے:

لايجوز للمرتدان يتزوج مرتدة و لامسلمة و لا كافرة اصلية و كذالك لايجوز نكاح المرتدة مع احد كذافي المبسوط.

مرتد کے لئے مرتدہ اور مسلمہ اور اصلی کافرہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے اور ایسے ہی مرتدہ کا نکاح کسی سے جائز نہیں ایسا ہی مبسوط میں ہے۔

[باب المحرمات بالشرک ۱/ ۲۸۲]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"وہابی ہو یا رافضی جو بدمذہب عقائد کفریہ رکھتا ہے.... تو ایسوں سے نکاح باجماع مسلمین وایقین باطل محض وزنائے صرف ہے" مزید فرماتے ہیں کہ مرتد مرد خواہ عورت کا نکاح تمام عالم میں کسی عورت ومرد سے مسلم یا کافر مرتد یا اصلی کسی سے نہیں ہوسکتا[فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۷۷]

الحاصل: زید کا اہل سنت سے وابستہ ہوتے ہوئے اپنی لڑکی کا نکاح دیوبندی لڑکے سے کرنا اپنی لڑکی کو زنا کے لئے پیش کرنا ہے۔ جیسا کہ عبارات بالا سے ظاہر ہو چکا ہے، لہٰذا زید پر فرض ہے کہ فوراً اپنے فعل سے باز آئے اور اپنی لڑکی کا نکاح کسی سنی صحیح العقیدہ کے ساتھ کرے اور اگر زید اپنی لڑکی کا نکاح دیوبندی وہابی لڑکے سے کر چکا ہے تو فوراً اپنی لڑکی کو واپس بلالے اور بلاطلاق وعدت اس کا نکاح دوسری جگہ کردے۔ اور اگر زید پھر بھی اپنی لڑکی کا نکاح وہابیوں کے یہاں ان کے عقائد باطلہ وکفریہ سے آگاہ ہوتے ہوئے ان کو مسلمان سمجھ کر کر رہا ہے تو یہ کفر ہے اس لئے کہ کافر کے کفر میں شک کرنا اس کو کافر نہ ماننا بھی کفر ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں:

''جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے وجیز امام کردری میں ودرمختار وشفائے امام قاضی عیاض وغیرہا میں ہے ''اجمع العلماء من شک فی عذابہ و کفرہ فقد کفر'' علماء کا اجماع ہے کہ جو کافر کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ کافر ہے'' [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۷۸]

ایسے شخص پر توبہ وتجدید ایمان وتجدید نکاح لازم وضروری ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل و النکاح و اولادہ اولادزنا، ومافیہ خلاف یؤمر بالاستغفار و التوبۃ (ای تجدید الاسلام) و تجدید النکاح.

متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے اور اس کی حالت میں جو اولاد ہوگی

وہ اولادزنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ [باب المرتد، ۶/ ۳۹۱]

اور اگر وہ سنی صحیح العقیدہ کہلانے والا شخص اس دیوبندی کو کافر سمجھ کر بھی اس کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر رہا ہے تب بھی وہ سخت ناجائز وحرام کام کا ارتکاب کر رہا ہے۔ ایسے نکاح میں مسلمانوں کا شریک ہونا بھی از روئے شرع ناجائز وحرام ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان.

گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ [ترجمہ قرآن، کنز الایمان، پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۲]

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسا شخص جب تک توبہ نہ کرلے بموجب فرمان الٰہی:

وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ [کنز الایمان پارہ ۸، سورہ انعام آیت ۶۸]

وفرمان رسول ﷺ: ایاکم و ایاھم لایضلونکم و لایفتنونکم.

گمراہوں سے دُور بھاگو انہیں اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ [صحیح مسلم، ۱/ ۱۰]

اس سے دُور رہیں اور اس سے ہر طرح کا تعلق ختم کردیں، نکاح وغیرہ کسی بھی خوشی یا غم میں اس کے شریک نہ ہوں بلکہ اس سے منہ پھیر لیں۔

اعلیٰ حضرت مقاصد وشرح مقاصد کے حوالے سے بیان فرماتے

ہیں: حکم المبتدع البغض والعداوۃ والاعراض عنہ والاھانۃ والطعن واللعن.

یعنی بد مذہب کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ اس سے بغض وعداوت رکھیں، روگردانی کریں، اس کی تذلیل وتحقیر کریں۔ اس سے طعن کے ساتھ پیش آئیں۔ [فتاوی رضویہ جدید ۱۱/ ۳۹۷]

ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۳/ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

نکاح میں ایک گواہ کی گواہی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ ایک لڑکے نے لڑکی سے ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح پڑھوایا شرعاً یہ نکاح ہوا یا نہیں، اس کے بعد لڑکی کے گھر والوں نے لڑکے سے زبردستی طلاق دلوائی لڑکے نے دباؤ میں آکر طلاق دے دی تو کیا دباؤ میں آکر لڑکے کے طلاق دیدینے سے طلاق واقع ہوگئی؟

صابر حسین بن ذوالفقار علی محلّہ نیاز نگر سنہری مسجد کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

ازروئے شرع نکاح میں دو گواہ شرط ہیں صرف ایک گواہ کی موجودگی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فلاینعقد النکاح بشاھد واحد.

ایک گواہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ [کتاب النکاح، ۱/ ۲۶۷]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''نکاح کے لئے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں گواہ ہونا لازم ہے صرف ایک مرد کے سامنے ایجاب وقبول کرلینے سے نکاح نہیں ہوسکتا'' [فتاوی رضویہ جدید، ۱۱/ ۲۹۴]

لہٰذا ایسا نکاح شریعت کی اصطلاح میں نکاح فاسد کہلاتا ہے جس میں قاضی شرع تفریق کرائے یا شوہر متارکہ کرے یعنی بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے چھوڑا وغیرہ اور طلاق خواہ جبراً ہی ہو یہ بھی متارکہ کے حکم میں ہے۔ درمختار میں ہے:

یجب علی القاضی التفریق بینھما.....اومتارکۃ الزوج.

قاضی پر ان دونوں کی تفریق واجب ہے اور شوہر پر متارکہ۔ [کتاب النکاح، ۴/ ۲۷۶]

ردالمحتار میں ہے:

المتارکۃ فی الفاسد بعد الدخول لاتکون الا بالقول کخلیت سبیلک او ترکتک.

نکاح فاسد میں متارکہ دخول کے بعد نہیں ہوتا ہے مگر قول سے جیسے کہے کہ میں نے تیرا راستہ خالی کیا یا تجھے چھوڑا۔ [۴/ ۲۷۶]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

اذا وقع النکاح فاسدا فرق القاضی بین الزوج والمرأۃ...وفی مجموع النوازل الطلاق فی النکاح الفاسد یکون متارکۃ.

نکاح فاسد میں قاضی میاں بیوی میں جدائی کرائے ..اور مجموع نوازل میں ہے کہ نکاح فاسد میں طلاق متارکہ ہی ہوتی ہے۔[باب النکاح الفاسد، ۱/ ۳۳۰]

علاوہ ازیں اگر شوہر نے عورت سے صحبت بھی کر لی ہو تو شوہر پر مہر بھی واجب ہوگا اور عورت پر متارکہ کے بعد عدت بھی۔ اور اگر صحبت نہ کی ہو تو مہر و عدت کچھ لازم نہ ہوگا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فان لم یکن دخل بھافلامھر لھاولاعدۃ وان کان قددخل بھا فلھا الخ.

اگر دخول نہ کیا ہو تو مہر اور عدت نہیں ہے ورنہ ہے۔[مرجع سابق]

ھذا ما عندی والعلم عنداللہ تعالیٰ.

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۲۴/ ربیع الغوث ۱۴۳۳ھ

طلاق کے بعد دوسرے سے نکاح

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ زید نے اپنی بیوی زینب کو طلاق دی اور اس کے بعد زینب کی عدت بھی گزر گئی تو کیا اب زینب کے ماں باپ دوسری جگہ زینب کا نکاح کر سکتے ہیں؟ ازروئے شرع جواب مرحمت فرمائیں۔

شاہد حسین منجھرہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں زینب کا نکاح دوسری جگہ کرنے میں ازروئے شرع کوئی ممانعت نہیں ہے۔ بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع نکاح نہ پائی جائے۔

مطلقہ عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے تین حیض گزرنے تک رکنے کا حکم فرمایا ہے:

والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء.

اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک۔[کنز الایمان سورۃ البقرۃ پارہ ۲ آیت ۲۲۹]

بلکہ اس دوران انہیں پیغام نکاح دینے سے بھی منع فرمایا گیا ہے:

ولاتعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ.

اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے۔ [کنز الایمان، پارہ ۲ آیت ۲۳۵]

البتہ عدت گزر جانے کے بعد وہ آزاد و مختار ہو جاتی ہیں اور پہلے شوہر کے لئے اجنبیہ ہو جاتی ہیں۔

تفسیر قرطبی میں آیت "والمطلقت یتربصن انفسھن ثلثۃ قروء" کی تفسیر میں ہے:

حتی انقضت عدتھافھی احق بنفسھاوتصییر اجنبیۃمنہ.

جب عدت پوری ہو جاتی ہے تو وہ خود مختار ہیں اور پہلے شوہر کے لئے اجنبیہ ہیں۔ [تفسیر قرطبی ۳/ ۱۲۰]

لہٰذا زینب کے والدین زینب کا نکاح جہاں چاہیں کر سکتے ہیں شرعاً اجازت ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم .

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۲۴/ ربیع الغوث ۱۴۳۳ھ

شوہر کا بیوی کو دوسرے نکاح کی اجازت دینا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زینب کے شوہر کو بیس سال کی سزا ہو گئی ہے وہ پانچ سال سے جیل میں ہے اور زینب اپنے ماں باپ کے گھر ہے شوہر سے جب طلاق کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں طلاق کا لفظ زبان پر لانا نہیں چاہتا لیکن جب زینب کبھی اس سے ملنے جاتی ہے تو وہ اسے دوسرا نکاح کرنے کے لئے کہتا ہے تو کیا ایسی حالت میں زینب کو شرعاً دوسرے نکاح کی اجازت ہے؟ ازروئے شرع جو بھی حکم ہو عنایت فرمائیں۔

محمد شمیم رضوی

رضوی کتب خانہ محلّہ قلعہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

زینب کے شوہر کا زینب کو دوسرے نکاح کی اجازت دینا اگر بنیت طلاق ہے تب تو زینب بائنہ مانی جائے گی اور بعد عدت اسے نکاح کی شرعاً اجازت ہوگی اور اگر شوہر کا یہ کہنا طلاق کی نیت سے نہیں ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور زینب کو دوسرے نکاح کی اجازت حاصل نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ یہ الفاظ کنایہ میں شمار کئے جاتے ہیں اور الفاظ کنایہ سے طلاق واقع ہونے کے لئے طلاق کی نیت ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ انہیں جیسے الفاظ سے متعلق فرماتے ہیں:

"بقیہ چار الفاظ میں تین پیشیں کا حاصل اجازت نکاح دینا ہے اور وہ بے شک کنایات سے ہیں: فانہ ینبغی عن رفع قید النکاح

واخراجھاعن عصمۃ لنفسہ کقولہ تزوجی کمافی الخانیۃ وابتغی الازواج کمافی الکنز وھبتک للازواج کمافی الھندیۃ.

چونکہ یہ الفاظ نکاح کی قید کو ختم کرنے کی خبر دیتے ہیں اور اپنی عصمت سے نکالنے کی خبر دیتے ہیں جیسے کہ خاوندیوں کہے تو نکاح کر جیسا کہ خانیہ میں ہے تو خاوند تلاش کر جیسا کہ کنز میں ہے میں نے تجھے شوہروں کے حوالے کیا جیسا کہ ہندیہ میں ہے.....تو ان آٹھ لفظوں کا حاصل صرف دو لفظ رہے ایک کنایہ جس سے بلحاظ نیت طلاق بائن پڑے گی۔"

مزید ردالمحتار کے حوالے سے فرماتے ہیں: لایقع دیانۃ بدون النیۃ.

کنایہ کی صورت میں بغیر نیت طلاق واقع نہ ہوگی۔[فتاوی رضویہ جدید، ۱۲/ ۶۳۳، ۶۳۴]

دوسرے مقام پر فتاوی عالمگیری کے حوالے سے فرماتے ہیں:

لو قال تزوجی ونوی الطلاق اوالثلث صح وان لم ینو شیأًلم یقع کذا فی العتابیہ.

اگر کہا تو نکاح کر لے اور ایک طلاق یا تین طلاق کی نیت کی تو صحیح ہے اور اگر کچھ نیت نہیں کی تو طلاق واقع نہیں ہوگی جیسا کہ عتابیہ میں ہے)[مرجع سابق، ۱۲/ ۵۲۴]

واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۱۸، شعبان المعظم، ۱۴۳۳ھ

بھاگی ہوئی بیوی کے مہر کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زید اور زینب کا نکاح ہوا زینب زید کے گھر ایک رات رہی دوسرے دن دعوت ولیمہ کے بعد زینب کے گھر والے اس کو گھر لے گئے تیسرے دن جب زینب کو لینے زید کے گھر والے پہنچے تو پتہ چلا وہ بکر کے ساتھ بھاگ گئی ہے زینب کے باپ نے بتایا کہ زینب نے زید سے شادی سے پہلے ہی بکر سے کورٹ میرج کرلیا تھا، اب زید اور اس کے گھر والے اس لڑکی کو رکھنا نہیں چاہتے اور طلاق دینا چاہتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں زینب مہر کی حقدار ہوگی؟ از روئے شرع حکم بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد ناظم، طفیل گارڈن کٹورا تال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

اگر تحقیق سے یہ ثابت ہوجائے کہ زید سے شادی کرنے سے پہلے زینب اور بکر نے دو مسلمان گواہوں کے سامنے کورٹ میں ایجاب وقبول کیا ہے تو پھر یہ نکاح جو زید کے ساتھ ہوا وہ نکاح باطل ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ

اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں۔ [ترجمہ کنز الایمان، سورہ نساء، آیت ۲۴]

دونوں الگ ہوجائیں اس میں طلاق کی بھی حاجت نہیں۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

ولا یجوز نکاح منکوحۃ الغیر. [فتاوی قاضی خاں، ۱/ ۴۱۶]

البتہ زید پر زینب کا مہر مثل یعنی اس جیسی لڑکیوں کا خاندان میں جو مہر عام طور پر رائج ہو لازم ہے اگرچہ مقرر کردہ مہر سے کم ہو۔ ہاں اگر مقرر کردہ مہر سے زیادہ ہو تو مہر مقرر ہی واجب الادا ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''مہر مثل و مہر مسمّی سے جو کم ہو لازم آئے گا''

مزید درمختار کے حوالے سے فرماتے ہیں:

فی الدر المختار یجب مھر المثل فی نکاح فاسد ... ولم یزد علی المسمّٰی ولو کان دون المسمّٰی لزم مھر المثل.

نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہوتا ہے اور مہر مثل مقرر کردہ مہر سے زیادہ نہ ہو اور اگر اس سے کم ہو تو بھی مہر مثل لازم ہوگا۔ [فتاوی رضویہ جدید ۱۲/ ۱۶۱]

اور اگر زینب کا بکر سے نکاح ثابت نہ ہو تو زینب بدستور زید کی بیوی رہے گی اور طلاق کے بعد مہر کی حقدار ہوگی ہاں اس کی اس حرکت قبیحہ کے سبب طلاق سے قبل اس کی عدم موجودگی اور طلاق کے بعد عدت کا نفقہ ضرور ساقط ہوگا مگر اس کا مہر زید پر لازم ہوگا۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''جتنی مدت عورت فرار رہی اس مدت کا نفقہ تو زید پر اصلاً نہیں فی الدر المختار لا نفقۃ لخارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشزۃ حتی تعود. (درمختار میں ہے کہ بلا وجہ شوہر کے گھر سے جانے والی عورت نافرمان ہے اس کا نفقہ نہیں) [فتاوی رضویہ جدید ۱۳/ ۴۲۸]

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"مھر بنفس عقد زن وشوئی واجب شود وبوطی یا خلوت صحیحہ یا موت احد الزوجین تاکد وتقرر یابد کہ بعد وقوع

یکے از ینھا بھیچ وجہ پارہ از اں بے ادا یا ابراء ساقط نہ گردد اگرچہ زن معاذاللہ فسق و فجور در زد یا عیاذ باللہ مرتدہ شود فی الدر المختار یتاکد عند وطء او خلوۃ صحت او موت احدھما"

مہر نکاح سے لازم ہوجاتا ہے اور صحبت یا خلوت صحیحہ یا زوجین میں سے کسی کی موت ہوجانے سے مہر پکا ہوجاتا ہے کہ ان کے بعد مہر کا کوئی حصہ بغیر ادا یا بغیر بیوی کے معاف کیے ساقط نہیں ہوگا اگرچہ بیوی فاسقہ فاجرہ یا معاذاللہ مرتدہ ہوجائے درمختار میں ہے کہ صحبت یا خلوت صحیحہ یا زوجین میں سے کسی کی موت سے مہر پکا ہوجاتا ہے۔ [فتاوی رضویہ جدید، ۱۲/ ۱۲۶]

مزید فرماتے ہیں:

''وہ عورت فاسقہ ہے سخت گنہ گار ہے مگر ان حرکات کے سبب مہر ساقط نہ ہوگا رکھنے نہ رکھنے کا مرد کو اختیار ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید، ۱۲/ ۱۴۴]

واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

یکم محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

متوفیہ بیوی کے مہر کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں میری بیوی اپنا مہر معاف کیے بغیر انتقال کر گئیں۔ کوئی اولاد بھی نہیں چھوڑی، جو جہیز چھوڑا تھا وہ تو میں نے ان کے والدین کو دے دیا۔ صرف مہر باقی ہے اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟

شریعت کی روشنی میں جواب عطا فرمائیں۔

محمد ناظم سیفی محلّہ نئی بستی وبے نگر کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

مہر آپ کی بیوی کا ترکہ ہے جو ان کے وارثین کو حسب فرائض دیا جائے گا۔ کل مہر سے آپ کو نصف (آدھا) ملے گا بقیہ نصف میں تین حصے ہوں گے دو حصے آپ کے سسر کے اور ایک آپ کی ساس کو دیا جائے گا۔ قرآن شریف میں ہے:

ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد.

اور تمہاری بیویاں جو چھوڑ جائیں اس میں سے تمہیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ ترجمہ کنز الایمان پارہ ۴ سورہ نساء آیت ۱۲]

فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابوٰہ فلامہ الثلث.

پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں کا تہائی۔ [مرجع سابق آیت ۱۱]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''مہر میراث ہے ....جس کا جتنا حق حضرت حق عزوجل جلالہ نے مقرر فرمادیا وہ اسے دینا لازم ہے اور وہ خود اس کے لینے پر مجبور ہے الارث جری لایسقط بالاسقاط'' [فتاوی رضویہ جدید ۲۶/ ۳۴۴]

علاوہ ازیں جہیز بھی عورت کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ ہے اسے بھی حسب فرائض شرعیہ تقسیم کرنا لازم ہے۔ اور اس کی تقسیم بھی مذکورہ بالا طریقہ سے ہوگی۔

ردالمحتار میں حاشیہ اشباہ کے حوالہ سے ہے:

المختار للفتوی ان یحکم بکون الجھاز ملکا....واما اذا جرت فی البعض یکون الجھاز ترکۃ یتعلق بھا حق الورثۃ وھو الصحیح.

فتویٰ یہی ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہے اس کی وفات کے بعد اس جہیز کے وارثین حقدار ہوں گے یہی صحیح ہے۔[ردالمحتار، کتاب النکاح، ۴/ ۳۰۹]

اسی میں ہے:

کل احدیعلم ان الجهاز للمرأة اذاطلقهاتأخذه كله واذاماتت يورث عنها

سب کو معلوم ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہے اگر شوہر اسے طلاق دیدے تو وہ کل لے لیگی اور اگر انتقال کر جائے تو اس کے وارثین لیں گے۔ [مرجع سابق، ۴/ ۳۱۱]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''جہیز ملک وترکہ ہندہ ہے بر تقدیم عدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم دین ووصیت چھ سہام ہو کر تین سہم (حصہ) شوہر دو سہم پدر، ایک مادر کو ملے گا اسی حساب سے مہر ہندہ اگر باقی ہو تقسیم ہوگا۔'' [فتاوی رضویہ جدید ۱۳/ ۴۳۷] واللہ اعلم بالصواب.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۱۹/ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

غیر کفو میں نکاح کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک ۱۸ سالہ لڑکی نے اپنے سے کم درجہ کی برادری والے لڑکے کے ساتھ بھاگ کر والدین کی رضامندی کے بغیر کورٹ میرج کر لیا

تو کیا یہ نکاح از روئے شرع صحیح ہوگا جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی:۔ شاہد خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمده و نصلی علیٰ حبیبه الکریم

صورت مسئولہ میں اگر لڑکی کے اولیاء کے لئے اس برادری میں نکاح کرنا برا جانا جاتا ہو اور ان کی ذلت ورسوائی کا سبب ہو تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا کیوں کہ از روئے شرع غیر کفو میں بغیر اولیاء کی مرضی کے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا ہے۔

درمختار میں ہے:

ويفتى فى غير الكفوء بعدم جوازه اصلا وهو المختار للفتوى لفساد الزمان .

غیر کفو میں نکاح کے بالکل جائز نہ ہونے کا فتوی دیا جائے گا، اور فساد زمان کی وجہ سے فتوی کے لئے یہی مختار ہے۔[باب الولی، ۴/ ۱۵۶، ۱۵۷]

حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

لو تزوجت غير كفوء فالمختار للفتوى رواية الحسن أنه لا يصح العقد.

اگر عورت غیر کفو میں نکاح کر لے تو فتوی کے لئے روایت حسن مختار ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔[باب الکفاءۃ، ۴/ ۲۲۱]

اسی میں ہے:

على رواية الحسن المفتى بها فلا ينعقد النكاح ''

اور مفتی بہا روایت حسن کے مطابق نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

[مطلب الموضع التى يكون فيها السكوت كالقول، ۶/ ۷۱۸]

فتاوی ہندیہ میں ہے:

المرأة إذا زوجت نفسها من غير كفوء .....وروى الحسن عن أبى حنيفة رحمه الله تعالى أن النكاح لا ينعقد وبه أخذ كثير من مشايخنا رحمهم الله تعالى ، كذا فى المحيط والمختار فى زماننا للفتوى رواية الحسن وقال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسى رواية الحسن أقرب إلى الاحتياط ، كذا فى فتاوى قاضى خان فى فصل شرائط النكاح.

اگر عورت غیر کفو میں نکاح کر لے تو امام حسن نے امام اعظم سے روایت کیا ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوگا اور اسی کو ہمارے بہت سے مشائخ (اللہ رحم فرمائے ان پر) نے اختیار کیا ہے ایسا ہی محیط میں ہے اور ہمارے زمانے میں فتوی کے لئے حسن کی روایت مختار ہے اور شیخ امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ امام حسن کی روایت احوط ہے ایسا ہی فتاوی قاضی خاں میں شرائط نکاح کی فصل میں ہے۔[۱/ ۲۹۳ باب الاکفاء]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''عاقلہ بالغہ کو اجازت نہیں کہ بے رضامندی صریح اولیا اپنا نکاح کسی غیر کفو سے کر لے اگر کرلے گی نکاح نہ ہوگا'' آگے فرماتے ہیں ''بالغہ نے اپنی رائے سے ایسے شخص کے ساتھ نکاح کر لیا اور ایسا شخص ضرور غیر کفو ہے اور اس کے ساتھ بالغہ کا اپنی رائے سے نکاح کر لینا باطل محض ہے'' دوسری جگہ فرماتے ہیں ''اور بالغہ ولی رکھتی ہے بے اجازت صریحہ ولی بعد علم بعدم کفاءت جو نکاح غیر کفو سے کرے باطل ہے'' مزید فرماتے ہیں ''یہ نکاح جس سے ہوا اگر وہ عورت کا کفو نہیں یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ

میں ایسا کم ہے کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے زن کے لیے باعث ننگ وعار ہے جب تو یہ نکاح کہ زن بالغہ نے بے رضائے ولی خود کیا سرے سے ہوا ہی نہیں باطل محض ہے۔''

نیز فتاوی خیریہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

سئل فى بكر بالغة زوجها اخوها من غير كفوء باذنها اجاب تزويجه لها باذنها كتزوجها بنفسها وهى مسئلة من نكحت غير كفو بلا رضا اولياء ها افتى كثير بعدم انعقاده اصلا وهى رواية الحسن عن ابى حنيفة ففى المعراج معزيا الى قاضى خان وغيره والمختار للفتوى فى زماننا رواية الحسن.

باکرہ بالغہ کا اس کے بھائی نے غیر کفو میں نکاح کر دیا جبکہ لڑکی نے اجازت دی ہو، سے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا کہ لڑکی کی اجازت سے نکاح ایسے ہے جیسے لڑکی نے خود نکاح کیا ہو، یہ مسئلہ لڑکی کا خود غیر کفو میں اپنے اولیاء کی رضا کے بغیر نکاح کرنے کا ہے، بہت فقہاء نے اس نکاح کے اصلا منعقد نہ ہونے پر فتوی دیا ہے، اور یہ امام حسن کی امام ابوحنیفہ سے روایت ہے، تو معراج میں اس کو قاضی خاں وغیرہ کی طرف سے منسوب کر کے کہا کہ ہمارے زمانے میں فتوی کے لئے یہی مختار ہے جو امام حسن نے روایت کی ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید، ج ۱۱ ص ۷۲۲، ۷۲۹، ۷۳۴، ۷۹۲، ۷۹۹]

عبارات مذکورہ سے اس نکاح کا باطل ہونا صاف ثابت ہے البتہ اگر لڑکی کے باپ دادا وغیرہما اولیاء اجازت دیدیں تو ان کی صریح اجازت کے بعد از روئے شرع ان دونوں کو از سر نو نکاح کرنے کی اجازت ہوگی۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''البتہ اگر امور مذکورہ بالا سے کسی امر میں ایسا بھی ہے جس کے باعث وہ شرعاً کفو نہ ٹھہرے، اور باپ نے اس پر مطلع ہو کر اپنی رضامندی ظاہر نہ کر دی تھی تو بیشک، یہ نکاح سرے سے باطل ہوا کہ اب باپ کی رضامندی سے بھی صحیح نہیں ہو سکتا، اس تقدیر پر فرض ہے کہ مرد عورت فوراً جدا ہو جائیں اور اس نکاح کو ترک کر دیں، پھر اگر چاہیں تو بعد اجازت صریحہ پدر از سر نو نکاح کر لیں، واللہ تعالی اعلم''[مرجع سابق، ص ۵۵۷]

ھذا ما عندی والعلم اتم عند اللہ تعالیٰ

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲ / شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

باب الطلاق

﴿مطلقہ کی عدت اور شوہر کے گھر میں رہنے کا حکم﴾

زید نے زینب کو طلاق دی اور دونوں ایک ہی گھر میں رہتے تھے جب کہ کمرے الگ تھے۔ زینب گھر کا کام بھی کرتی تھی جیسے کپڑے دھونا کھانا پکانا اور اپنے بچوں اور گھر والوں کی دیکھ بھال کرنا اسی دوران زینب کو ایک حیض خود بخود آیا اور باقی دو حیض دوائی کے ذریعہ آئے کیا ایسی صورت میں زینب کی عدت پوری ہو گئی؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ زینب نے شوہر کے گھر میں رہ کر عدت گزاری ہے اور دوائی کرانے پر دو حیض آئے ہیں اس لئے عدت پوری نہیں ہوئی۔ شریعت کی روشنی میں تفصیلی جواب تحریر فرمائیں۔

محمد عثمان امام ادے پوری چوپڑا تحصیل رام نگر ضلع نینی تال

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

صورت مسئولہ میں زینب کی عدت پوری ہو گئی معتدہ (عدت والی عورت) مطلقہ کو شوہر کے گھر میں رہ کر عدت گزارنا واجب وضروری ہے، اور غیر محرم حضرات سے پردہ میں رہتے ہوئے گھر کے کام کاج بچوں کی دیکھ بھال کرنے کی بھی اجازت ہے۔ شوہر اور بیوی الگ الگ کمرے میں رہتے ہیں تو ٹھیک ہے اور یہی حکم شرعی ہے اگر ایک ہی کمرہ ہو تب بھی پردہ درمیان میں ڈال کر عورت کے لئے اسی کمرے میں عدت کرنے کا حکم ہے،

فتاوی عالمگیری میں ہے:

''علی المعتدۃ أن تعتد فی المنزل الذی یضاف إلیھا بالسکنی حال

وقوع الفرقۃ والموت کذا فی الکافی لو کانت زائرۃ أھلھا أو کانت فی غیر بیتھا لأمر حین وقوع الطلاق انتقلت إلی بیت سکناھا بلا تأخیر.

(فرقت (طلاق وغیرہ) اور شوہر کی موت) واقع ہو جانے پر معتدہ پر واجب ہے کہ جس گھر میں رہتی تھی اسی گھر میں عدت گزارے ایسا ہی کافی میں ہے اگر وہ گھر والوں کو دیکھنے گئی ہو یا کسی کام سے دوسرے کے گھر میں گئی ہو اور اس وقت طلاق واقع ہو جائے تو فوراً اپنے گھر میں واپس آجائے)

مزید اسی فتاوی میں ہے

''إذا طلقھا ثلاثا أو واحدۃ بائنۃ ولیس لہ إلا بیت واحد فینبغی لہ أن یجعل بینہ وبینھا حجابا حتی لا تقع الخلوۃ بینہ وبین الأجنبیۃ''

(جب شوہر نے بیوی کو تین طلاقیں دیں یا ایک طلاق بائن دی اور اس کے پاس صرف ایک گھر (کمرہ) ہے تو ضروری ہے کہ اپنے اور اپنی بیوی کے درمیان ایک پردہ ڈال دے تاکہ دونوں کے درمیان خلوت واقع نہ ہو)

[فتاوی ھندیہ، ۱ / ۵۳۵، باب الحداد]

اور رہا معاملہ حیض کا کہ ایک خود بخود آیا اور دو دوائی سے تب بھی عدت پوری ہو گئی اس لئے کہ شریعت میں تین حیض کامل گزرانے کا حکم ہے خواہ وہ دوائی سے ہی کیوں نہ ہوں البتہ یہ دھیان رہے کہ حیض ہی ہو اور کسی طرح کا کوئی خون نہ ہو،

قرآن شریف میں مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے

''وَالْمُطَلَّقَاتُ یَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِھِنَّ ثَلَاثَۃَ قُرُوءٍ''

(اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک)

[ترجمہ کنز الایمان، سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸]

فتاوی عالمگیری میں ہے

''اذا طلق الرجل امرأتہ... وھی حرۃ ممن تحیض فعدتھا ثلاثۃ اقراء''

(جب مرد اپنی عورت کو طلاق دے تو اگر وہ آزاد حیض والی عورت ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے)[فتاوی ھندیہ، ۱ / ۵۲۶، باب فی العدۃ]

لہٰذا جب زینب کے تین حیض مکمل ہو گئے تو اس کی عدت پوری ہو گئی۔ جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ شوہر کے گھر میں عدت نہیں ہوئی اور دو حیض دوائی کے ذریعہ آئے اس لئے عدت نہیں ہوئی وہ غلطی پر ہیں اس طرح کی فتوی بازی کرنے سے وہ شریعت کے مجرم ہیں توبہ کریں اور آئندہ دینی مسائل میں کسی طرح کی کوئی دخل اندازی نہ کریں۔

ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ.

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی ککرالوی

مؤرخہ / ۲۶ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

دوائی کے ذریعہ حیض آنے سے عدت کی تکمیل کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں زینب جسے اس کے شوہر نے طلاق دے دی ہے طلاق کے بعد زینب کو پہلا حیض خود بخود آیا اور دوسرا تیسرا حیض دوائی کے ذریعہ تو کیا اس کی عدت از روئے شرع پوری ہو گئی؟ شریعت کا حکم بیان فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

حیدر بخش صدیقی، ادے پوری چوپڑا رام نگر

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

قرآن شریف میں مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے:

”وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ“

(اورطلاق والیاں اپنی جانوں کوروکے رہیں تین حیض تک)[ترجمہ کنزالایمان،سورہ بقرہ،آیت ۲۲۸]

صدرالافاضل اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”جوآزادعورتیں ہیں یہاں ان کی عدت وطلاق کا بیان ہے کہ ان کی عدت تین حیض ہے“[خزائن العرفان،سورہ بقرہ،آیت ۲۲۸]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

”اذاطلق الرجل امرأته.....وهي حرة ممن تحيض فعدتهاثلاثة اقراء“

(جب مرداپنی عورت کوطلاق دے تواگروہ آزادحیض والی عورت ہے تواس کی عدت تین حیض ہیں)[فتاوی ہندیہ،۱/ ۵۲۶،باب فی العدۃ]

صورت مسئولہ میں جب کہ زینب کے تین حیض مکمل ہوگئے ہیں ازروئے شرع عدت تمام ہوگئی۔واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

کتبــــــــــــــــــــــــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۲۲/شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

”تو مجھ پر حرام ہے“ کہنے سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟

کیافرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں جاوید خاں نے اپنی بیوی تبسم جہاں کوفون پر تین بار کہا کہ تومجھ پرحرام ہے،تومجھ پرحرام ہے، تومجھ پرحرام ہے۔ ایسی صورت میں کیاجاوید خاں کی بیوی تبسم جہاں پرطلاق واقع ہوگئی؟اگرہوگئی توکون سی طلاق اوراس کا کیاحکم ہےشریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی حاجی محمد شریف خاں رحمت شاہ بابا کی زیارت،محلّہ علی خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

الفاظ مذکورہ سےتبسم جہاں پرطلاق بائن پڑگئی اورتبسم جہاں جاوید خاں کے نکاح سے نکل گئیں۔اب تبسم جہاں مختارہیں جہاں چاہیں نکاح کریں اگروہ جاوید خاں ہی کے ساتھ رہنا چاہیں توازسرنونکاح کریں عدت میں یاعدت کے بعد۔اوراگردوسرے سے نکاح کرنا چاہیں توعدت پوری کرناضروری ہےاورمطلقہ کی عدت تین حیض(ماہواری)ہے۔عدت کے بعدجس سے چاہیں نکاح کریں شرعاًاجازت ہے۔

حضوراعلیٰ حضرت فرماتے ہیں”اوراس کہنے سے کہ تومجھ پرحرام ہےطلاق بائن ہوگی عورت نکاح سے نکل گئی بعدعدت اسے اختیار ہےجس سے چاہے نکاح کرےاوراگراس شوہر سے نکاح چاہےتوعدت میں بھی ہوسکتا ہےاوربعدبھی“[فتاوی رضویہ قدیم،۵/۲۶۷]

دوسرے مقام پرفرماتے ہیں”ہرچند یہ لفظ بوجہ عرف ملحق بالصریح ہے کہ بےحاجت نیت طلاق بائن واقع ہو“[ایضاص ۳۰۷]

یہ خیال رہے کہ مذکورہ الفاظ کنایہ میں سے ہیں مگرعرف میں طلاق کے لئے استعمال

ہونے کے سبب فقہاء متاخرین نے صریح میں شمار کیا ہے لہٰذااس میں کسی نیت کی ضرورت نہیں ہےبغیرنیت بھی طلاق واقع ہوجائے گی۔

منحة الخالق لابن عابدین حاشیہ بحرالرائق میں ہے:

”أنت علی حرام،أو حلال اللّٰه علی حرام حيث قال المتأخرون وقع بائنا بلا نية لغلبة الاستعمال بالعرف“

تومجھ پرحرام ہےیااللہ کاحلال مجھ پرحرام ہےمتاخرین نےفرمایاعرف میں اس لفظ کےغلبہ استعمال کی وجہ سےبغیرنیت طلاق بائن پڑجائے گی[باب الطلاق،۳/۴۴۰]

حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

”كما أفتى المتأخرون في أنت علي حرام بأنه طلاق بائن للعرف بلا نية“

(جیسا کہ متاخرین نےتومجھ پرحرام ہےکےسلسلے میں فتوی دیا ہےکہ یہ عرف کی وجہ سےبغیرنیت طلاق بائن ہے)[۴/۵۰۴،کتاب الطلاق،باب الصريح]

ان عبارات سےصاف ظاہرہوگیا کہ یہ جملہ عرف میں طلاق کے لئے کثرت استعمال کے سبب صریح میں داخل ہوکرطلاق بائن کاحکم رکھتا ہےلیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ بولنے والے نے پہلی مرتبہ بولتے ہی سے تین طلاق کی نیت نہ کی ہواگرتین مرتبہ کہنے میں پہلی بارہی تین طلاق کی نیت کرلی تواب طلاق مغلظہ بائنہ واقع ہوگی کہ اب بیوی بغیرحلالہ شرعیہ پہلے شوہر کے نکاح میں نہیں آسکتی اوراگرتین طلاق کی نیت نہ تھی یاعددکی نیت نہ تھی توچاہےجتنی بار بھی بولےایک طلاق بائن ہی واقع ہوگی۔

بحرائق میں بزازیہ کےحوالے سے ہے

”وفي البزازية أنت علي حرام ألف مرة تقع واحدة“

(اوربزازیہ میں ہےتومجھ پرحرام ہےہزاربارکہنے سےایک ہی طلاق واقع ہوگی)

اس کےتحت بحرالرائق کےحاشیہ منحۃ الخالق لابن عابدین میں ہے:

”قلت ولعل الفرق أن قوله ألف مرة بمنزلة تكرار هذا اللفظ مرارا وإذا بانت بالمرة الأولى لا تبين بالثانية، والثالثة وهكذا لأن البائن لا يلحق البائن بخلاف ما لو نوى بأنت علي حرام الثلاث فإنه أوقعها جملة بمرة واحدة“

(میں کہوں گاشایدان کےقول ایک ہزار بارمیں فرق یہ ہےکہ ان کا یہ قول اس لفظ کی بار بارتکرار کی منزل میں ہےاورجب پہلی مرتبہ تومجھ پرحرام ہے کہنےسےطلاق بائن پڑگئی تودوسری،تیسری وغیرہ سےبائن نہیں ہوگی،اس لئے کہ بائن بائن کولاحق نہیں ہوتی برخلاف اس کےکہ جب ایک بارکہنےسے تین بارکی نیت کرےتوتین طلاق ہی واقع ہوں گی)

[منحة الخالق حاشيه بحرالرائق،باب الطلاق،۳/۵۰۲]

نیزاسی حاشیہ میں ہے:

”لو قال أنت علي حرام ألف مرة تقع واحدة“

(اگرکہاتومجھ پرحرام ہےہزار بارتوایک ہی طلاق واقع ہوگی)[بـــــاب الكنايات في الطلاق،۳/۵۲۵]

محیط برہانی میں ہے:

”أنت علي حرام ألف مرة تقع واحدة، لأن معنى كلامه مرة بعد مرة.“

(تومجھ پرحرام ہےہزار بارسےایک ہی طلاق واقع ہوگی اس لئےکہ اس کےکلام کامعنی بار بارطلاق دیناہے)[۳/۴۵۴]

حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

"ألف مرة بمنزلة تكريره مرارا متعددة والواقع به في أول مرة طلاق بائن ففي المرة الثانية لا يقع شيء لأن البائن لا يلحق البائن"

(تو مجھ پرحرام ہے ایک ہزار بار یہ جملہ متعدد بارتکرار کی منزل میں ہے اور جب پہلی مرتبہ تو مجھ پرحرام ہے کہنے سے طلاق بائن واقع ہوگئی تو دوسری مرتبہ یہ کہنے سے کچھ واقع نہیں ہوگا، اس لئے کہ بائن بائن کولاحق نہیں ہوتی ہے)[۴/۴۶۴، کتاب الطلاق، باب الصریح]

بالجملہ: تبسم جہاں الفاظ مذکورہ کے سبب جاوید خاں کے نکاح سے نکل چکی ہیں اب ان کو اختیار ہے اگر جاوید خاں کے ساتھ رہنا چاہیں تو نکاح جدید کرکے رہ سکتی ہیں اور اگر کسی اور سے نکاح کرنا چاہیں تو عدت گزرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کی از روئے شرع مکمل اجازت ہے. واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ ــــــــــــــــــــ ہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۲۸/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

شوہر دوطلاق اور بیوی تین کی دعویدار

کیافرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں زید نے اپنی بیوی کولڑائی کے دوران طلاق دی زید کا کہنا ہے کہ میں نے صرف دوبار طلاقیں دی ہیں زید کی بیوی کا کہنا ہے کہ زید نے تین بار

طلاق دی ہے وہاں موجود چند عورتیں بھی اس بات پر گواہ ہیں۔معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوئیں۔شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہیں۔

المستفتی چھنا حسن محلّہ وجے نگر کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب التواب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علی حبیبه الکریم

ایسی صورت میں کہ شوہر ایک یا دوطلاق کا اقرار کرے اور بیوی تین طلاق کی مدعی ہو شریعت کا حکم یہ ہے کہ بیوی شرعی گواہ پیش کرے اور گواہ پیش نہ کرنے کی صورت میں شوہر سے قسم لی جائے۔

حدیث شریف میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه.

دعوے کرنے والے کے لئے گواہ اور جس پر دعوی کیا گیا ہے اس پر قسم ہے۔[ترمذی ابواب الاحکام، ۱/۲۴۹]

دوسری حدیث میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر.

(دعوے کرنے والے پر گواہ اور منکر پر قسم ہے)[السنن البیهقی الکبریٰ کتاب الدعوی والبینات، ۱۰/۴۲۷]

اور طلاق میں گواہی کے لئے دومرد یا ایک مرد دوعورتیں پرہیزگار نمازی غیر فاسق ضروری ہیں۔لیکن سوال سے ظاہر ہے کہ مدعی زید کی بیوی کے پاس دوشرعی گواہ نہیں ہیں صرف چندعورتیں گواہ ہیں شریعت میں طلاق کے معاملہ میں صرف عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے کمافی کتب الفقه والفتاوی.

لہٰذا اب زید کو قسم دی جائے گی اگر زید قسم کھائے کہ اس نے صرف دوطلاقیں دی

ہیں تو زید کی بیوی اور ان چندعورتوں کے بیان کا شرعاً کچھ اعتبار نہ ہوگا اور زید کی بیوی پر صرف دوطلاقیں رجعی واقع ہوں گی جس میں زید کو اپنی بیوی سے عدت کے اندر بغیر نکاح کے رجعت کی شرعاً اجازت ہوگی۔

فتاوی رضویہ جدید میں ہے:

"اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کردیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہوجائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا" [۱۲/۴۴۴]

رجعت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ زید عدت کے دوران ہی بیوی سے دوگواہوں کی موجودگی میں یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے تجھے پھیرلیا یا اس جیسے دوسرے الفاظ کہے۔اور رجعت میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔هکذافی الدرالمختار والفتاوی الرضویه الجدیده، ۱۲/۴۴۴]

علاوہ ازیں اگر زید کی بیوی واقعی اپنے قول میں سچی ہے تو وہ ہرممکن زید سے چھٹکارے کی کوشش کرے چاہے مہر کے بدلے یا کچھ رقم وغیرہ کے عوض۔اور اپنی مرضی سے اس کو خود پر قدرت نہ دے ورنہ وہ بھی گنہگار ہوگی اور اگر اس کے پاس چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہو تو وہ اگر بغیر مرضی کے اس کے ساتھ رہے گی تو اس سے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا۔کمـــا فـــی الفتاوی الرضویه الجدیده، ۱۲/۳۹۶]

هذاماعندی والعلم اتم عنداللّٰہ تعالیٰ

کتبہ ــــــــــــــــــــ ہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مورخہ ۲۷/رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

شوہر کا تین طلاق سے انکار

کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں میں نے اپنی بیوی کو دوطلاق دی ہیں میری بیوی کا کہنا ہے کہ تم نے تین طلاقیں دی ہیں؟ شریعت کا جو بھی حکم ہو بیان فرمائیں۔

محمد سلیم ماہی گیر محلہ مدرکالونی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب التواب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علی حبیبه الکریم

ایسی صورت میں جب کہ شوہر دوطلاق کا اقرار کرے اور بیوی تین طلاق کی دعویدار ہو بیوی پر شرعی گواہ یعنی دومرد یا ایک مرد دوعورتیں پرہیزگار نمازی غیرفاسق پیش کرنا ضروری ہیں اور اگر بیوی کے پاس شرعی گواہ نہ ہوں تو پھر شوہر قسم کھائے۔

حدیث شریف میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه.

دعوے کرنے والے کے لئے گواہ اور جس پر دعوی کیا گیا ہے اس پر قسم ہے۔[ترمذی ابواب الاحکام، ۱/۲۴۹]

اگر شوہر قسم کھائے کہ اس نے صرف دو ہی طلاقیں دی ہیں تو اس کی بیوی پر صرف دوطلاقیں رجعی واقع ہوں گی اور وہ اپنی بیوی سے عدت کے اندر رجعت کرسکتا ہے یعنی عدت کے دوران اپنی بیوی سے دوگواہوں کی موجودگی میں یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے تجھے پھیرلیا یا اس جیسے دوسرے الفاظ کہے۔اور رجعت میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا۔''

[فتاوی رضویہ جدید، ۱۲/۴۴۴]

الحاصل: تمہاری بیوی کے پاس اگر شرعی گواہ ہیں تو اس کی بات معتبر ہوگی ورنہ تمہیں قسم کھانا پڑے گی اور اس کے بعد تم عدت کے اندر اپنی بیوی سے رجعت کر سکتے ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۸ / رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

طلاق مغلظہ اور بیوی کا الفاظ طلاق نہ سننے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام مسئلہ میں ذیل میں تاریخ ۲۹ اپریل ۲۰۱۳ء کو شاداب علی نے اپنی بیوی رخسار کو ایک مجلس میں تین مرتبہ کہا میں نے تجھے طلاق دی طلاق دی طلاق دی کیا ایسی صورت میں رخسار شاداب علی کے نکاح سے نکل گئی اس کے دو گواہ محمد شکیل خان وارسعید علی صدیقی ہیں۔ اور کیا رخسار کا ان الفاظ کو سننا ضروری ہے۔ بینوا توجروا۔

سائل حاجی محمد فاروق سیفی ٹھاکر دوارہ۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

از روئے شرع شاداب کی بیوی رخسار پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور وہ اپنے شوہر کے نکاح سے نکل گئی۔

قرآن مقدس میں ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ [ترجمہ کنز الایمان، سورہ بقرہ، آیت، ۲۳۰]

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسر اعظم حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

تین طلاقوں کے بعد عورت شوہر پر بحرمت مغلظہ حرام ہو جاتی ہے اب نہ اس سے رجوع ہو سکتا ہے نہ دور باہ نکاح جب کہ حلالہ ہو یعنی بعد عدت دوسرے سے نکاح کرے اور وہ بعد صحبت طلاق دے پھر عدت گزارے دوبارہ نکاح کر لیں۔ [تفسیر خزائن العرفان، سورہ بقرہ، آیت، ۲۳۰]

فقیہ ابو اللیث سمرقندی اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

اذا طلق الرجل امرته المدخول بها ثلاثاً يقع الطلاق

جب کسی شخص نے اپنی مدخولہ بیوی کو تین طلاقیں دیدیں تو طلاق واقع ہوگئی۔ [فتاوی نوازل، کتاب الطلاق، ۱۹۷]

اور رخسار کے لئے طلاق کا سننا ضروری نہیں۔ اگر شاداب نے اتنی آواز سے طلاق دی ہے کہ خود سنی ہو تو طلاق ہو جائے گی رخسار یا کسی اور کا سننا ضروری نہیں ہے۔

مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

گو أدنى المخافتة إسماع نفسه فقط وكذا كل ما يتعلق بالنطق كالطلاق..... أي أدنى المخافتة في هذه الأشياء إسماع نفسه حتى لو طلق بحيث صحح الحروف ولكن لم يسمع نفسه لا يقع ولو طلق جهرا ووصل به إن شاء الله بحيث لم يسمع نفسه يقع الطلاق.

ہلکی آواز کم سے کم اتنی کہ خود سن سکے بس۔ اور اسی طرح ہر وہ معاملہ جس میں بولی کو دخل ہے جیسے طلاق.... اس میں کم از کم اتنی آواز ہو کہ خود سن سکے یہاں تک کہ اگر کسی نے طلاق دی کہ حروف بھی صحیح تھے لیکن اس نے خود سنا نہیں تو طلاق نہیں واقع نہیں ہوگی اور اگر اتنی زور سے دی اور اس میں ان شاء اللہ بھی ملا لیا اور الفاظ طلاق کو سن لیا لیکن ان شاء اللہ کو خود نہ سنا تو طلاق واقع ہوگئی۔ [، کتاب الصلوۃ، ۱/۱۵۷]

اعلیٰ حضرت اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''طلاق کے لئے زوجہ خواہ کسی دوسرے کا سننا ضرور نہیں جبکہ شوہر نے اپنی زبان سے الفاظ طلاق ایسی آواز سے کہے جو اس کے کان تک پہنچنے کے قابل تھے۔ [فتاوی رضویہ ۱۲/۳۶۲]

مزید فرماتے ہیں:

''ہاں اگر آواز اتنی تھی کہ اپنے کان تک پہنچ سکتی اگر چہ کسی مانع مثلاً غل شور چکی ، مینہ، بہرے پن وغیرھا کے سبب نہ پہنچی طلاق ہو جائے گی

ادنى الحد خروج صوت يصل الى اذنه ولو حكماً كما لو كان هناك مانع من صمم او جلبة اصوات او نحو ذالک.

(آواز کی کم سے کم حد یہ ہے کہ اس کے اپنے کانوں تک پہنچے اگر چہ

حکماً ایسا ہو مثلاً آواز تو پہنچ جاتی مگر بہرے پن یا شور وغل کی وجہ سے نہ پہنچی۔)

[فتاوی رضویہ ۱۲/۳۷۴] واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۱۴ / رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

وعدۂ طلاق سے طلاق نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں زید نے شراب کے نشہ میں اپنی بیوی زینب سے یہ کہا کہ برقعہ اٹھا اور اپنی بہن کے گھر جا میں تجھے طلاق دوں گا زید انکار کرتا ہے کہ میں نے ایسا نہیں کہا لیکن زینب اور وہاں موجود کچھ عورتوں اور بچوں کا کہنا کہ زید نے ایسا کہا ہے تو کیا ایسی صورت میں زینب مطلقہ مانی جائے گی ؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

اچھن خاں، گرام بڑھیوں والا جسپور اودھم سنگھ نگر

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیہ حبیبہ الکریم

صورت مسئولہ میں زینب پر طلاق واقع نہیں ہوئی اس لئے نہیں کہ زید نشہ میں تھا نشہ میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے بلکہ اس لئے کہ زید نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ وقوع طلاق کے لئے کافی نہیں زید نے تو آئندہ طلاق دینے کا وعدہ کیا ہے اور وعدے سے از روئے شرع طلاق واقع نہیں ہوتی۔ جیسا کہ فقہ کی مشہور کتاب فتاوی عالمگیری میں ہے:

سئل نجم الدین عن رجل قال لامرأته اذهبی الیٰ بیت امک فقالت طلاق ده تا بروم فقال توبرو من طلاق دادم فرستم قال لاتطلق لانه وعد

حضرت نجم الدین سے سوال کیا گیا اس آدمی کے بارے میں جس نے اپنی بیوی سے کہا اپنی ماں کے گھر چلی جا بیوی نے کہا طلاق دے تا کہ میں جاؤں تو شوہر نے کہا تو جا میں طلاق بھجوادوں گا تو حضرت نجم الدین نے فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ وعدہ ہے۔[۱/۳۸۴باب ایقاع الطلاق فصل الطلاق بالفاظ الفارسیة]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''وعدے سے طلاق نہیں ہوتی جواہر الاخلاطی میں

''طلاق میکنم طلاق بخلاف قوله کنم لانه یتمحض الاستقبال'' طلاق میکنم (یعنی طلاق کرتا ہوں) حال ہونے کی وجہ سے طلاق ہے اس کے برخلاف طلاق کنم (طلاق کروں گا) کہا تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ محض استقبال ہے'' [فتاوی رضویہ جدید،۱۳/۱۱۸]

الحاصل: زید کے کہے ہوئے الفاظ سے زینب پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ هذا ما عندی والعلم عند اللّٰه تعالیٰ

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۶ رشوال المکرم ۱۳۳۲ھ

طلاق، مہر، بچی کے پیدائش کا خرچ، بچی پر کس کا حق، وغیرہا چند اہم مسائل

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) اگر زینب خود طلاق لینا چاہتی ہو تو کیا وہ مہر اور زیور لینے کی حقدار ہے؟

(۲) زینب اور زید کے مابین اختلاف ہوا زینب میکہ میں آ گئی ماں باپ نے طلاق حاصل ہونے تک زینب کا جو خرچ تو کیا زید سے اس دوران کئے ہوئے خرچ کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے؟

(۳) زینب کی بچی کی پیدائش اسپتال میں ہوئی زینب کے ماں باپ نے مکمل خرچ کیا اور پرورش بھی وہی کر رہے ہیں اور اب وہ چاہتے ہیں کہ وہ رقم جو بچی کی پیدائش و پرورش میں خرچ ہوئی وہ بچی کے باپ سے لی جائے تو آیا شریعت میں اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

(۴) بچی تین سال کی ہے اور زید اس بچی کو زینب کے پاس سے لیجانا چاہتا ہے تو کیا اسے بچی کو لیجانے کا حق حاصل ہے؟

(۵) بالغ ہونے پر بچی اپنے ماں کے پاس رہنا چاہتی ہے یا باپ کے پاس یہ فیصلہ بچی کی مرضی پر منحصر ہوگا یا نہیں؟

(۶) کیا بچی کی پیدائش سے لیکر جوان ہونے تک پرورش پڑھائی لکھائی کا خرچ زید پر لازم ہے؟

شریعت کی روشنی میں مذکورہ بالا سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں مہربانی ہوگی۔

محمد عقیل انصاری رام نگر

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰه الرحمٰن الرّحیم نحمده و نصلّی علی حبیبه الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہیں:

(۱) زیور اگر زینب کی ملکیت ہے تو اس کے لئے طلاق کی ضرورت نہیں اور مہر اگر مطلق ہے یعنی جس کا کوئی وقت متعین نہیں کیا گیا ہے تو وہ شوہر یا بیوی کی موت یا طلاق سے ادا کرنا واجب ہوتا ہے جب تک شوہر یا بیوی کا انتقال نہ ہو یا بیوی کو طلاق نہ ہو مہر کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اور اگر مؤجل کہا اور کوئی میعاد اصلاً نہ بیان کی تو وہ طلاق یا موت تک مؤجل ٹھہرے گا اور بعد فرقت ہی واجب الادا ہوگا اس سے پہلے مطالبہ کا عورت کو استحقاق نہیں۔ ردالمحتار میں ہے ''حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او الطلاق (مہر مؤجل میں بیوی کو مطالبہ کا حق شوہر کی موت یا طلاق کے بعد ہی ہوتا ہے)'' [فتاوی رضویہ جدید،۱۲/۱۴۲]

(۲) زینب اگر سسرال سے ناحق نکل کر آئی اور بعد میں زید کے بلانے پر بھی وہ زید کے ساتھ نہ گئی تو زینب ناشزہ و نافرمان مانی جائے گی زید پر اس کا نفقہ واجب وضروری نہیں اور اگر زید نے گھر جانے کا مطالبہ ہی نہیں کیا تو پھر زید پر زینب کا نفقہ حسب استطاعت واجب وضروری ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اور جب تک کوئی امر مانع نفقہ مثلاً عورت کا شوہر کے گھر سے ناحق نکل جانا یا اس کے یہاں آنے سے ناحق انکار کرنا نہ پایا جائے بلاشبہہ وہ مستحق نفقہ وسکنی رہے گی....

درمختار میں ہے:

النفقة تجب للزوجة علی زوجها ولو هی فی بیت ابیها اذا لم یطالبها الزوج بالنقلة به یفتی و کذا اذا طالبها ولم تمتنع او امتنعت للمهر لا خارجة من بیته بغیر حق وهی الناشزة حتی تعود.

(اگر بیوی اپنے میکہ میں ہو اور خاوند اس کو اپنے گھر لے جانے کا مطالبہ

نہ کرے تب شوہر پر اس کا نفقہ ضروری ہے یوں ہی جب وہ خاوند کے بلانے پر گھر جانے سے انکار نہ کرے یا مہر غیر مطلق کے مطالبہ کے سبب انکار کرے تب بھی شوہر پر نفقہ واجب وضروری ہے لیکن اگر شوہر کے گھر سے باہر بلاوجہ رہتی ہو تو شوہر پر نفقہ واجب نہیں اس لئے کہ وہ اس صورت میں شوہر کے گھر واپس نہ آنے تک نافرمان مانی جائے گی۔)'' [فتاوی رضویہ جدید۱۳/۴۲۴، ۴۲۵]

(۳) بچی کی پیدائش و پرورش وغیرہ کے اخراجات بچی کے باپ زید پر لازم ہیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ بچی صاحب مال نہ ہو۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اگر بچہ نے اپنی ماں کے ترکہ یا کسی اور وجہ سے اتنا مال پایا ہے جس کے سبب اسے شرعاً غنی کہا جائے اور زکوٰۃ دینا ناروا ہو تو یہ سب مصارف خاص اسی کے مال سے ہوں گے باپ پر واجب نہیں کہ اپنے پاس سے صرف کرے ہاں ان مصارف کی کارپردازی بحکم ولایت باپ کے ذمہ ہوگی اور اگر بچہ کے پاس اتنا مال نہیں تو بیشک یہ صرف باپ کے ذمہ میں ہیں.... وفی الدر المختار و تجب النفقة لطفله الفقیر فان نفقة الغنی فی ماله الحاضر'' (درمختار میں ہے کہ بچے کا نفقہ اگر وہ فقیر ہو تو باپ پر ہے کیونکہ اگر وہ فقیر نہ ہو تو غنی ہونے کی وجہ سے نفقہ اس کے اپنے موجودہ مال سے کیا جائے گا) [فتاوی رضویہ جدید۱۳/۳۹۵]

(۴) نو سال کی عمر تک وہ بچی (لڑکی) ماں زینب کی پرورش میں رہے گی جب کہ بعد طلاق وعدت اس بچی کے غیر محرم سے نکاح نہ کرے بچی کے غیر محرم سے نکاح کے بعد بچی کی پرورش کا حق ماں سے ساقط ہو جاتا ہے تو اگر غیر محرم سے نکاح نہیں کیا تو ہو تو نو سال تک بچی زینب کے پاس رہے گی اس کے بعد زید کے سپرد کی جائے گی اس سے پہلے زید کا اس بچی کو لے جانے

کا مطالبہ کرنا از روئے شرع جائز نہیں ہے۔

ایسا ہی فتاوی رضویہ [۱۳/ ۳۸۴] و دیگر کتب فقہ میں۔

(۵) وہ بچی مدت حضانت (پرورش) یعنی نو سال کے بعد سے جب تک کنواری ہے باپ دادا کے پاس رہے گی مگر جب عمر پختہ ہو جائے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو جہاں چاہے رہے۔

صدر الشریعہ فتاوی شامی و فتاوی عالمگیری کے حوالہ سے بیان فرماتے ہیں:

''لڑکی نو برس کے بعد سے جب تک کنواری ہے باپ دادا بھائی وغیرھم کے یہاں رہے گی مگر جب کہ عمر رسیدہ ہو جائے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اسے اختیار ہے جہاں چاہے وہاں رہے'' [بہار شریعت، حصہ ہشتم]

(۶) جب تک بچی بالغہ نہ ہو اور اس کے پاس اپنا مال نہ ہو تب تک اس بچی کی پرورش اور دینی تعلیم و تربیت کے اخراجات کی ذمہ داری زید پر ہے اس کے علاوہ نہیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ''اولاد کا نفقہ ان کی محتاجی کی حالت میں لازم ہوتا ہے اگر مال رکھتے ہیں ان کا نفقہ باپ پر نہیں ورنہ ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید، ۱۳/ ۴۶۱]

بہار شریعت میں ہے:

''نابالغ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے جبکہ اولاد فقیر ہو یعنی خود اس کی ملک میں مال نہ ہو اور آزاد ہو.. طالب علم کہ علم دین پڑھتا ہو اور نیک چلن ہو اس کا نفقہ بھی اس کے والد کے ذمہ ہے'' [بہار شریعت حصہ ہشتم]

هذا ما عندی و العلم عند الله تعالیٰ.

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

۲۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ

والدین کا بیٹے کو طلاق سے روکنا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں زید اپنی پہلی بیوی زینب کو طلاق دیکر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے لیکن والدین طلاق دینے سے منع کر رہے ہیں۔ البتہ زید کو دوسری شادی کی اجازت دے رہے ہیں۔ زید کے لئے از روئے شرع کیا حکم ہے؟ بیان فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

محمد رئیس احمد جودھپور راجستھان

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرّحیم نحمده و نصلّی علیٰ حبیبه الکریم

اگر زینب کو طلاق دینے سے والدین کو تکلیف ہو اور وہ ان کی ناراضگی کا سبب بنے تو زید کا زینب کو طلاق دینا جائز نہیں ہے۔

زید پر لازم ہے کہ وہ اپنے والدین کے حکم پر عمل کرے کیونکہ والدین کی فرماں برداری و اطاعت گزاری جائز باتوں میں شرعاً لازم و ضروری ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اطاعت والدین جائز باتوں میں فرض ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید ۲۱/ ۱۵۷]

اور ان کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللّٰه ﷺ ألا أنبئکم باکبر الکبائر قلنا بلی یارسول اللّٰه ﷺ قال الاشراک باالله و عقوق الوالدین.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کی خبر نہ دوں تو ہم نے کہا کہ کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ فرمایا اللہ کا شریک ٹھہرانا

والدین کی نافرمانی کرنا۔ [بخاری شریف کتاب الادب، ۲/ ۸۸۴]

علامہ عینی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے شیخ تقی الدین سبکی کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

قال الشیخ تقی الدین السبکی ان ضابط العقوق ایذاؤهما بأی نوع من أنواع الأذی قل او کثر.

(شیخ تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ نافرمانی والدین کو تکلیف پہنچانا ہے کسی بھی طرح ہو کم ہو یا زیادہ) [باب عقوق الوالدین من الکبائر، ۱۵/ ۱۴۷]

لہٰذا زید پر لازم ہے اپنے والدین کے حکم کی تعمیل کرے اور زینب کو طلاق نہ دے جہاں تک ممکن ہو نباہ کی کوشش کرے۔ و الله تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

۲۳/ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

فون پر طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں میں نے اپنی بیوی کو فون پر تین بار طلاق دی مگر میری بیوی کہتی ہے کہ فون کٹ گیا تھا میں نے سنا ہی نہیں ایسی حالت میں میری بیوی پر طلاق پڑی یا نہیں شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

رئیس الدین خاں جسپور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرّحیم نحمده و نصلی علیٰ حبیبه الکریم

صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ پڑ گئی۔ دوبارہ رکھنا ہو تو بلا حلالہ چارہ کار نہیں۔ اور بیوی کے لئے طلاق کا سننا ضروری نہیں۔

اعلیٰ حضرت اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''طلاق کے لئے زوجہ خواہ کسی دوسرے کا سننا ضرور نہیں جبکہ شوہر نے اپنی زبان سے الفاظ طلاق ایسی آواز سے کہے جو اس کے کان تک پہنچنے کے قابل تھے۔ [فتاوی رضویہ ۱۲/ ۳۶۲]

مزید فرماتے ہیں:

''ہاں اگر آواز اتنی تھی کہ اپنے کان تک پہنچ سکتی اگر چہ کسی مانع مثلاً غل شور چکی، ہینہ، بہرے پن وغیرھا کے سبب نہ پہنچی طلاق ہو جائے گی. ادنی الحد خروج صوت یصل الی اذنه ولو حکماً کما لو کان هناک مانع من صمم او جلبة اصوات اونحو ذالک الخ.

(آواز کی کم سے کم حد یہ ہے کہ اس کے اپنے کانوں تک پہنچے اگر چہ حکماً ایسا ہو مثلاً آواز تو پہنچ جاتی مگر بہرے پن یا شور و غل کی وجہ سے نہ پہنچی) [فتاوی رضویہ ۱۲/ ۳۷۴]

و الله تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

میرے خدانے بھی تجھے طلاق دی کہنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں زید نے اپنی بیوی سے جھگڑا کیا لیکن جھگڑے کے دوران زید نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی بلکہ بعد میں طلاق دی اور اس طلاق کا محلّہ کے کئی لوگوں سے ذکر بھی کیا اور جب دو دن کے بعد بیوی گھر آئی تو زید نے اسے باہر نکال دیا اور کہا میں نے تجھے ہوش وحواس میں طلاق دی میرے خدانے بھی تجھے طلاق دی اس جملہ کو کئی بار زید نے دہرایا اس وقت جب زید نے طلاق دی اور خدا کے تعلق سے یہ خراب جملہ بولا بیوی کے علاوہ اور بھی کئی مرد اور عورتیں وہاں موجود تھیں۔لیکن زید کا کہنا ہے کہ میں نے صرف ایک بار شروع میں کہا کہ میں طلاق دیتا ہوں۔اور لڑکی اور بہت سارے ذمہ دار لوگ جو وہاں موجود تھے ان کا کہنا ہے کہ زید نے ہمارے سامنے کئی بار طلاق دی ہے۔اب ایسے حالات میں کیا زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی اور اگر طلاق ہوگئی تو کون سی طلاق ہوئی کیا دونوں کے ملنے کی کوئی صورت ہے۔شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتیان مختار احمد و محمد خان محلّہ علی خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمده و نصلّی علٰی حبیبه الکریم

شوہر ایک طلاق کا اقرار کرے اور بیوی کئی بار طلاق دینے کا بیان دے تو ایسی صورت میں شرعاً شہادت وحلف کی ضرورت پیش آتی ہے۔حدیث شریف میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه.

دعوے کرنے والے کے لئے گواہ اور جس پر دعویٰ کیا گیا ہے اس پر قسم ہے۔[ترمذی ابواب الاحکام، ۱/ ۲۴۹]

دوسری حدیث میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر.

دعوے کرنے والے پر گواہ اور منکر پر قسم ہے۔[السنن البیهقی الکبریٰ کتاب الدعوی والبینات، ۱۰/ ۴۲۷]

چونکہ شہادت کا نصاب نکاح وطلاق میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں لہٰذا دو گواہ خواہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں پرہیز گار نمازی عادل غیر فاسق یعنی جو علی الاعلان گناہ نہ کرتے ہوں مثلاً مرد داڑھی نہ منڈاتے ہوں عورتیں بے پردہ نہ گھومتی ہوں اس کے علاوہ کوئی کام خلاف شرع نہ کرتے ہوں تو وہ اگر گواہی دیں کہ زید نے اپنی بیوی کو متعدد مرتبہ طلاق دی ہے تو ان کی گواہی قابل قبول ہوگی اور شرعاً نافذ مانی جائے گی ،اور زید کا ایک سے زائد طلاق کا انکار قابل سماع وقبول نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے طلاق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

واشهدوا ذوی عدل منکم.

اور اپنے میں دو ثقہ کو گواہ کرلو۔ [پارہ ۲۸،سورہ طلاق،آیت۲]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اگر دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں نمازی پرہیز گار ثقہ عادل قابلِ قبول شرع گواہی دیں گے تو تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی زید کا انکار نہ سنا جائے گا۔''
[فتاویٰ رضویہ جدید،۱۲/ ۴۴۴]

اور اگر ایسے گواہ موجود نہ ہوں تو پھر زید سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم کھالے تو اس کی بات معتبر مانی جائے گی زید کی بیوی پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر قسم کھانے سے انکار کردے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

فتاوی رضویہ جدید میں ہے:

''اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کردیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا۔'' [۱۲/ ۴۴۴]

حاصل کلام: زید صرف ایک بار طلاق کا اقرار کرتا ہے اور بیوی اور اس کے علاوہ لوگ تین سے زائد مرتبہ طلاق کا بیان دے رہے ہیں تو اگر تین سے زائد طلاق کا بیان دینے والوں میں دو ایسے گواہ جو پرہیز گار نمازی خلاف شرع کام نہ کرنے والے موجود ہوں تو زید کے انکار کے باوجود زید کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ پڑ جائیں گی اور اب وہ زید کے لئے بے حلالہ ونکاح جائز نہ ہوگی۔اور اگر بیان دینے والوں میں دو گواہ شرعی موجود نہ ہوں تو زید سے قسم شرعی لے جائے گی اگر زید قسم کھالے تو زید کی بیوی بدستور اس کے نکاح میں رہے گی۔اور اگر زید نے جھوٹی قسم کھائی ہے تو اس کا وہ گنہگار ہوگا مستحق عذاب نار ہوگا۔اور اگر زید کی بیوی اپنے قول میں سچی ہے تو وہ ہر ممکن زید سے چھٹکارے کی کوشش کرے چاہے رقم دے کر ہی۔اور اپنی مرضی سے اس کو اپنے پر قدرت نہ دے ورنہ وہ بھی گنہگار ہوگی اور اگر اس کے پاس چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہو تو وہ اگر بغیر مرضی کے اس کی ساتھ رہے گی تو اس سے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا. کمافی الفتاوی الرضویه الجدیده[۱۲/ ۳۹۶]

علاوہ ازیں زید کا یہ جملہ **''میں نے طلاق دی اور میرے خدانے طلاق دی''** اگر شرعی گواہوں سے ثابت ہو جائے تو زید کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو جائیں گی ایک کا تو زید خود اقرار کررہا ہے اور دوسری **''میں نے طلاق دی''** اور تیسری **''میرے خدانے طلاق دی''** کا ثبوت گواہانِ شرعی سے حاصل ہوگیا۔

''خدانے طلاق دی'' یہ طلاق صریح کے حکم میں ہے جیسا کہ فقہ کی معتبر کتابوں میں موجود ہے۔الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:لو قال لها طلقک اللّٰہ .... وقع الطلاق

اگر بیوی سے کہا کہ اللہ نے تجھے طلاق دی تو طلاق واقع ہوگئی)[۳/ ۵۱]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

رجل قال لامرأته طلقک اللّٰہ تعالیٰ تطلق وان لم ینو کذا فی الخلاصة.

کسی آدمی نے اپنی عورت سے کہا کہ تجھے اللہ نے طلاق دی طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ نیت نہ کی ہوا ایسا ہی خلاصہ میں ہے۔[الباب الثانی، ۱/ ۳۵۹]

فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں:

ولو قال لامرأته قد طلقک الله ذکر فی المواقعات انه یقع نوی اولم ینو

اگر اپنی بیوی سے کسی نے کہا کہ اللہ نے تجھے طلاق دی ذکر کیا گیا ہے مواقعات میں کہ واقع ہو جائے گی نیت کرے یا نہ کرے.[فتاوی نوازل، کتاب الطلاق،۲۰۹]

البتہ اس جملہ کے سبب زید کو توبہ اور تجدید ایمان چاہئے اس لئے کہ طلاق ایک جائز لیکن مبغوض امر ہے اور اس کا اطلاق اللہ کی شان کے لائق نہیں لہٰذا ایسا جملہ استعمال کرنا جو اللہ کی شایانِ شان نہ ہو بحکم فقہاء کفر ہے۔

اعلیٰ حضرت مجمع الانھر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

اذا وصف الله بمالا یلیق به...یکفر

جو چیز اللہ تعالیٰ کی شایان شان نہ ہو اس سے اللہ کو متصف کرنا کفر ہے۔[فتاوی رضویہ جدید،۱۳/ ۵۶۷] هٰذا ماعندی و العلم عنداللّٰہ تعالیٰ

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــــه

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مؤرخه ۲۰/رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

شوہر کا تین طلاق سے انکار

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ میں نے اپنی بیوی سے کچھ فاصلہ پہ کھڑے ہو کر صرف ایک بار کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی میرے فرشتوں نے تجھے طلاق دی۔لیکن میری بیوی اور بیوی کے گھر والوں کا کہنا ہے کہ میں نے یہ جملہ کئی بار دہرایا حالانکہ یہ بات غلط ہے میں نے صرف ایک بار ہی یہ جملہ کہا تھا۔تو اب کیا میری بیوی میرے نکاح سے نکل گئی۔برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شکیل خان محلّہ علی خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلّی علی حبیبہ الکریم

اگر آپ کی بیوی یا بیوی کے گھر والے اپنے بیان پر دو گواہ شرعی نمازی پرہیز گار پیش کرتے ہیں تو شریعت میں آپ کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا بلکہ گواہوں کے مطابق آپ کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اب بیوی آپ کے لئے بغیر حلالہ ونکاح جائز نہیں ہوگی۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اگر دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں نمازی پرہیز گار ثقہ عادل قابلِ قبول شرع گواہی دیں گے تو تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی زید کا انکار نہ سنا جائے گا۔'' [فتاوی رضویہ جدید،۱۲/۴۴۴]

اور اگر وہ آپ کے خلاف گواہ شرعی نہ پیش کر سکیں تو آپ کو قسم شرعی کھانا پڑے گی اگر آپ قسم کھالیں گے تو بیوی پر صرف دو طلاقیں رجعی واقع ہوں گی۔

فتاویٰ رضویہ جدید میں ہے:

''اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا'' [۱۲/۴۴۴]

اللہ یا فرشتوں کی طرف طلاق وغیرہ کی نسبت کا مقصد اپنی بات کو پختہ کرنا ہوتا ہے اس لئے عند العلماء وہ بھی طلاق کے حکم میں ہے۔

الجوھرۃ النیرۃ میں ہے:

لو قال لھا طلقک اللہ ....وقع الطلاق.

اگر بیوی سے کہا کہ اللہ نے تجھے طلاق دی تو طلاق واقع ہوگئی۔ [۳/۵۱]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

رجل قال لامرأتہ طلقک اللہ تعالیٰ تطلق و ان لم ینو کذا فی الخلاصۃ. [عالمگیری الباب الثانی،۱/۳۵۹]

فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں:

ولو قال لامرأتہ قد طلقک اللہ ذکر فی المواقعات انہ یقع نوی اولم ینو. [فتاوی نوازل کتاب الطلاق،۲۰۹]

حاصل کلام: گواہ شرعی نہ ہونے پر آپ کی قسم کا اعتبار ہوگا اور آپ کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوں گی جس میں آپ کو عدت کے اندر رجعت کا حق حاصل ہوگا رجعت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ عدت کے دوران ہی بیوی سے یہ الفاظ کہیں کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے تجھے پھیر لیا یا اس جیسے دوسرے الفاظ کہے اور رجعت میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔کما فی الفتاوی الرضویہ الجدیدہ. ۱۲/۴۴۴]

اور فرشتوں سے متعلق کہے ہوئے جملہ کے سبب آپ توبہ کریں اور آئندہ ایسے جملوں کے استعمال سے بچیں۔ھذا ما عندی و العلم عند اللہ تعالیٰ

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مورخہ، ۲۱/رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

طلاق کے عدد میں میاں بیوی کا اختلاف

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسئلہ میں محمد الیاس نے اپنی بیوی فریدہ کو تین مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں طلاق دی محمد الیاس اور ان حاضرین کا کہنا ہے کہ دو بار طلاق دی ہے لیکن محمد الیاس کی بیوی فریدہ کا کہنا ہے کہ تین یا اس سے زیادہ مرتبہ طلاق دی ہے۔فریدہ کے علاوہ کوئی بھی دو طلاق سے زیادہ بتانے والا نہیں ہے ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے بیان فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

محمد مقبول، محمد رئیس، پرمانند پور کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلّی علی حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں فریدہ کے پاس شرعی گواہ نہ ہونے کے سبب محمد الیاس کی بات قسم کے ساتھ قابلِ قبول ہوگی یعنی محمد الیاس قسم کھا کر کہے کہ میں نے دو ہی طلاق دی ہیں تو فریدہ پر صرف دو ہی طلاق رجعی واقع ہوں گی۔اور محمد الیاس کو اپنی بیوی فریدہ سے عدت کے اندر اندر بغیر نکاح کے رجعت کرنے کی اجازت ہوگی۔

شریعت کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر شوہر ایک یا دو طلاق کا اقرار کرے اور بیوی تین طلاق کا دعویٰ کرے تو بیوی پر ضروری ہے کہ شرعی گواہ پیش کرے اور طلاق میں گواہی کے لیے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں پرہیز گار نمازی غیر فاسق ضروری ہیں اور اگر بیوی گواہ پیش نہ کر سکے تو شوہر سے قسم لی جائے۔حدیث شریف میں ہے:

البینۃ علی المدعی و الیمین علی المدعی علیہ.

دعوے کرنے والے کے لئے گواہ اور جس پر دعوی کیا گیا ہے اس پر قسم ہے۔[ترمذی ابواب الاحکام، ۱/۲۴۹]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا'' [فتاوی رضویہ جدید،۱۲/۴۴۴]

اور رجعت کا طریقہ کیا ہے اس سے متعلق اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''رجعت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ زید عدت کے دوران ہی بیوی سے یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے تجھے پھیر لیا یا اس جیسے دوسرے الفاظ کہے اور رجعت میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید۱۲/۴۴۴]و اللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مورخہ ۸/ربیع الغوث ۱۴۳۴ھ

مطلقہ بعدعدت نفقہ کی شرعاً حقدار نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) مطلقہ عورت نان ونفقہ کی حقدار ہے یا نہیں اور اگر حقدار ہے تو کب تک؟

(۲) کیا مطلقہ عورت کو شوہر سے عمر بھر نان ونفقہ کا مطالبہ جائز ہے اور کیا شوہر پر اس مطالبہ کا پورا کرنا ضروری ہے؟

شریعت کی روشنی جوابات مرحمت فرمائیں۔

رحمت علی خان ایڈوکیٹ محلّہ کٹورا تال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلّی علٰی حبیبہ الکریم

دونوں سوالات کے جوابات پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) ہاں مطلقہ عورت عدت تک نفقہ کی حقدار ہے اور شوہر پر اپنی مطلقہ بیوی کا عدت تک نفقہ واجب ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وللمطلقات متاع بالمعروف حقاعلی المتقین.

اور طلاق والیوں کے لئے بھی مناسب طور پر نان ونفقہ ہے یہ واجب ہے پرہیزگاروں پر)[پارہ۲،سورہ بقرۃ آیت ۲۴۱،کنز الایمان]

ملّا جیون اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں

وھی قولہ تعالیٰ للمطلقات متاع بالمعروف ففی بیان نفقۃ المطلقات اذاالمتاع النفقۃ.....فمعنی الآیۃ ان المطلقۃ تجب نفقتھاعلی الزوج مادامت معتدۃ"

آیت کریمہ میں متاع سے مراد نفقہ ہے پس آیت کا معنی یہ ہے کہ مطلقہ کا نفقہ جب تک وہ عدت میں ہے شوہر پر ضروری ہے۔[تفسیرات احمدیہ پارہ۲،سورۃ البقرۃ صفحہ۱۱۵]

علامہ بدرالدین عینی کی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری اور امام زیلعی کی تصنیف لطیف نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا:

انی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول للمطلقۃ الثلاث النفقۃ والسکنٰی مادامت فی العدۃ.

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جسے تین طلاقیں ہوچکی ہوں جب تک وہ عدت میں ہے اس کے لئے نفقہ اور سکنٰی ہے، یعنی کھانے پینے پہننے اور رہنے کا انتظام شوہر کے ذمہ ہے[عمدۃ القاری کتاب العدۃ ۱۴/۳۴۴،نصب الرایہ کتاب الطلاق،۳/۲۷۳]

مبسوط سرخسی میں ہے:

ولکل مطلقۃ بثلاث اوواحدۃالسکنی والنفقۃ ما دامت فی العدۃ.

ہر مطلقہ کے لئے جو مطلقہ تین طلاق سے ہو یا ایک سے سکنٰی اور نفقہ ہے جب تک وہ عدت میں ہے.[۵/۲۰۱،باب النفقۃ فی الطلاق]

الجوہرۃ النیرۃ اور ہدایہ میں ہے:

واذاطلق الرجل امرأتہ فلھاالنفقۃ والسکنٰی فی عدتھا

جب مرد نے اپنی عورت کو طلاق دی تو عورت کے لئے عدت میں نفقہ اور سکنٰی ہے[الجوھرۃ النیرۃ کتاب النفقات ۳/۱۲۹،الھدایہ کتاب الطلاق باب النفقۃ، ۲/۴۴۳]

حاصل کلام: قرآن وحدیث اور عبارات فقہاء کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ

مطلّقہ عورت کے لیے عدت تک شوہر پر نفقہ واجب وضروری ہے۔عدت کے بعد شوہر مطلقہ کے نان ونفقہ کا ذمہ دار نہیں۔

(۲) جواب اوّل سے جب یہ واضح ہوگیا کہ عدت تک ہی شوہر پر بیوی کا نان ونفقہ لازم و ضروری ہے۔تو مطلقہ کو عدت کے بعد شوہر سے زندگی بھر نفقہ کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں اور شوہر پر بھی عدت کے بعد بیوی کا نفقہ دینا ضروری نہیں۔دونوں میں سے کسی ایک کی موت یا طلاق واقع ہونے سے نفقہ ساقط ہوجاتا ہے۔

وبموت احدھماوطلاقھایسقط المفروض.

نفقہ موت اور طلاق سے ساقط ہوجاتا ہے۔

[العقود الدریۃفی تنقیح الفتاوی باب النفقۃ، ۱/۴۸۸،وتنویر الابصارباب النفقۃ، ۵/۳۱۴]

نفقہ عدت کا تابع ہے جب تک عدت ہے اس وقت تک شوہر پر نفقہ لازم ہے۔

فتاوی شامی میں ہے:

النفقۃ تابع للعدۃ.

نفقہ عدت کے تابع ہے۔[کتاب الطلاق باب النفقۃ،۵/۳۳۳]

لہٰذا جب عدت پوری ہوگئی تو نفقہ بھی ختم ہوگیا۔

محیط برھانی میں ہے:

لانفقۃ لھا بعد مُضی مدۃ العدۃ.

عورت کے لئے عدت گزر جانے کے بعد نفقہ نہیں ہے۔[الفصل فی نفقۃ المطلقات،۴/۲۳۸]

بحر الرائق میں ہے:

المعتدۃ اذالم تاخذ النفقۃ حتی انقضت عدتھاسقطت نفقتھا.

عدت والی جب عدت پوری ہونے تک نفقہ نہ لے تو اس کا نفقہ ساقط ہوجائے گا۔[کتاب الطلاق باب النفقۃ۴/۳۳۷]

علاوہ ازیں نفقہ درحقیقت شوہر کا بیوی کو پابند کرنے کا بدل ہے جیسا کہ فتاوی شامی میں ہے:

"نفقۃ الزوجۃ جزاء الاحتباس"

بیوی کا نفقہ پابندی کا بدلہ ہے۔[باب النفقۃ ،۵/۳۶۶]

اور فتاوی نوازل میں ہے:

النفقۃ جزاء الاحتباس.

نفقہ پابندی کا بدلہ ہے۔[باب النفقات،۲۲۳]

اور بیوی عدت تک شرعاً شوہر کی پابند ہے اس کے بعد نہیں تو جب بیوی عمر بھر عدت کے بعد شوہر کی پابند ہی نہیں ہے تو پھر بھلا عمر بھر کا نفقہ کس بات کا؟

مزید برآں کہ عدت میں بھی نفقہ اس شرط پر ہے کہ بیوی شوہر کے گھر میں عدت گزارے اگر شوہر کے گھر میں عدت نہیں گزارتی اپنی مرضی سے شوہر کے گھر کے علاوہ کہیں اور عدت گزارتی ہے تب بھی از روئے شرع وہ نفقہ کی حقدار نہیں۔

بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

المعتدۃ اذاخرجت من بیت العدۃتسقط نفقتھا

عدت والی جب عدت کے گھر سے نکل جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہوجائے گا۔[کتاب الطلاق باب النفقۃ، ۴/۳۳۸]

وھکذافی فتاوی الھندیۃ[الفصل فی نفقۃ المعتدۃ، ۱/۵۵۸]

تحریر کا لب لباب فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں ملاحظہ کریں، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"مطلقہ کا نفقہ عدت تک ہے بعد عدت کوئی علاقہ باقی نہیں جس کے سبب نفقہ لازم ہو"[فتاوی رضویہ جدید،۱۳/۴۱۵]

مزید فرماتے ہیں:

''مہر ونفقہ ایام عدت کے سوا اور کوئی حق واجب شرعاً نہیں''

[فتاویٰ رضویہ جدید،۱۳/ ۴۷۵]

ھٰذاماعندی و العلم عندالله تعالیٰ

کتبــــــــــــــــــــــــــــه

محمدذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۳/شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ

طلاق مغلظہ کے بعد حلالہ کاحکم

کیافرماتے ہیں مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک لڑکا برادری شیخ نے ایک لڑکی برادری تیلی سے اس کے والدین کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا نکاح میں جو گواہ تھے ان کے تعلق سے بتایا جاتا ہے کہ وہ سب فاسق معلن شرابی قسم لوگ تھے۔ بعد نکاح جب لڑکی والوں کو علم ہوا تو وہ اس سے بہت ناراض ہوئے اور لڑکی پر دباؤ بنایا گیا لڑکی اور لڑکے کے علاحدہ نہ ہونے کی صورت میں لڑکی والوں نے دونوں سے تعلقات ختم کرلئے مگر لڑکا اور لڑکی دونوں اسی نکاح کو قائم رکھتے ہوئے ازدواجی زندگی گزارتے رہے پھر کچھ عرصہ گزرجانے کے بعد لڑکی والوں نے لڑکے پر دباؤ بناتے ہوئے کسی خاص میٹنگ میں لڑکے سے طلاق طلب کی ان کی طلب اور دباؤ پر لڑکے نے بذریعہ ٹیلی فون لڑکی کو طلاق دے دی جس پر لڑکی نے طلاق کی عدت کی مدت کو پورا کیا اور پھر بغیر کسی نکاح وحلالہ وغیرہ کے لڑکا اور لڑکی دونوں ایک ساتھ پہلے جیسی زندگی گزارنے لگے ساتھ ہی پھر لڑکی حاملہ ہوگئی اور لڑکے سے بتائے بغیر ہی اپنی مرضی سے دوائی وغیرہ سے حمل ساقط بھی کرادیا اس تفصیل کے بعد اب کچھ مدت سے لڑکا اور لڑکی اصل صورت مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے اپنے ازدواجی تعلقات ختم کئے ہوئے ہیں اور تلاش وجستجو میں ہیں کہ از روئے شرع پھر سے یہ

دونوں ازدواجی زندگی گزار سکیں۔ آیا ان دونوں کے لئے ازدواجی زندگی گزارنے کی شرعاً کیا ترکیب ہوسکتی ہے اور اگر نہیں تو کیا ان کا ایک گھر میں رہنا کیسا ہے جواب عنایت فرمائیں، اورعنداللہ ماجور ہوں وعندالناس مشکور ہوں۔ فقط

المستفتی صوفی محمد جمشید عالم صابری، صابری نئی بستی پیران کلیر شریف

الجواب بعون الملک الوھاب التواب

بسم الله الرحمٰن الرّحیم نحمده و نصلّی علیٰ حبیبه الکریم

صورت مسئولہ میں عورت پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور وہ اپنے شوہر کے نکاح سے نکل گئی۔ اگر وہ اپنے اسی شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ اس سے صحبت کرکے طلاق دے اس کے بعد یہ عورت عدت گزار کر پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے۔

قرآن مقدس میں ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے [ترجمہ کنز الایمان، سورہ بقرہ، آیت، ۲۳۰]

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں صدر الافاضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''تین طلاقوں کے بعد عورت شوہر پر بحرمت مغلظہ حرام ہوجاتی ہے اب نہ اس سے رجوع ہوسکتا ہے نہ دوبارہ نکاح جب تک کہ حلالہ ہو یعنی بعد عدت دوسرے سے نکاح کرے اور وہ بعد صحبت طلاق دے پھر عدت گزارے دوبارہ نکاح کرلیں۔'' [تفسیر خزائن العرفان، سورہ بقرہ، آیت، ۲۳۰]

امام محمد بن حسن شیبانی کی کتاب ''حجۃ'' میں ہے:

قال ابو حنیفة رضی الله عنه فی المراۃ یطلقها زوجها ثلاثا ثم تنکح زوجا غیره فیدخل بها ویجامعها ثم یطلقها فتنقضی

عدتها انها تحل لزوجها الاول اذا کان النکاح الثانی صحیحا.

وہ عورت جسے اس کے شوہر نے تین طلاق دیدیں ہوں اس کے بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ (اللہ ان سے راضی ہوا) نے فرمایا کہ وہ اپنے شوہر کے علاوہ دوسرے مرد سے نکاح کرے پھر وہ اس سے مجامعت کرے پھر وہ اسے طلاق دے پھر یہ عدت گزارے تاکہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہوسکے جب کہ دوسرا نکاح صحیح ہوا ہو۔

[۴/۱۰۷، باب نکاح الاحصان فی المطلقة ثلاثا]

مبسوط سرخسی میں ہے:

ولا تحل له المرأة بعد ما وقع علیها ثلاث تطلیقات حتی تنکح زوجا غیره یدخل بها.

تین طلاق سے مطلقہ عورت اپنے شوہر کے لئے حلال نہیں جب تک کہ دوسرے سے نکاح نہ کرلے اور وہ اس سے ہم بستر نہ ہوجائے۔ [۶/۱۴، کتاب الطلاق]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وإن کان الطلاق ثلاثا فی الحرة ... لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا ویدخل بها ثم یطلقها أو یموت عنها کذا فی الهدایة

اگر آزاد عورت تین طلاق سے مطلقہ ہو تو اپنے شوہر کے لئے جب تک حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرلے اور وہ اس سے مجامعت نہ کرلے پھر وہ دوسرا شوہر طلاق دے یا انتقال کرجائے ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔ [۱/۴۷۳، فصل فیماتحل فی المطلقة] والله تعالیٰ اعلم.

کتبـــــــــــه

محمدذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۴/شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

باب العدة

عدت کے چند اہم مسائل

کیافرماتے ہیں علماء کرام ان مسائل میں؛

(۱) گیارہویں شریف کی تین تاریخ کو میرے شوہر کا انتقال ہوا میری عدت کب تک پوری ہوگی؟

(۲) عدت کا حکم کیا ہے اور کیا عدت کے دوران سر میں تیل اور کنگھی کا استعمال کرسکتی ہوں؟

(۳) مجھے میرے شوہر دکھائی نہیں دیتے کیا پڑھوں اور تبارک کتنے کلو میں ہونا چاہئے

(۴) میں اوپر رہتی ہوں نیچے ہندو کرایہ دار رہتے ہیں غسل خانہ اور لیٹرین نیچے ہیں۔ میرے نیچے جانے میں کوئی حرج تو نہیں؟

(۵) کیا کلمہ شریف کے علاوہ کچھ اور پڑھ سکتی ہوں؟

(۶) میں اپنے شوہر کا فوٹو دیکھ سکتی ہوں یا نہیں؟

وجے نگر نئی بستی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم الله الرحمٰن الرحیم نحمده و نصلی علیٰ حبیبه الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب مرقوم ہیں:

(۱) موت کی عدت از روئے شرع غیر حاملہ کے لئے چار مہینے دس دن ہے۔ قرآن شریف میں ہے:

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجایتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشرا

اورتم میں جومریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔ [پارہ۲،سورۂ بقرہ،آیت۲۳۴]

اور چار مہینے دس دن ۱۳شعبان المعظم کوہوں گے یعنی آپ کی عدت ۱۳شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ کو پوری ہوجائے گی۔

(۲)مذکورہ بالاآیت کریمہ کے تحت عدت کاحکم بیان کرتے ہوئے حضورصدرالافاضل علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

''اس مدت میں نہ وہ نکاح کرے نہ اپنامسکن چھوڑے نہ بے عذر تیل لگائے نہ خوشبولگائے نہ سنگارکرے نہ رنگین اورریشمیں کپڑے پہنے نہ مہندی لگائے'' [تفسیر خزائن العرفان پارہ۲سورۂ بقرہ،آیت۲۳۴]

فتاویٰ عالمگیری میں معتدہ کے لئے یہ احکام مذکور ہیں:

الاجتناب عن الطیب والدھن والکحل والحناء والخضاب ولبس المطیب والمعصفر والثوب الاحمر وما صبغ بزعفران ولبس القصب والخز والحریر ولبس الحلی والتزین والامتشاط کذافی التتارخانیه

عدت والی عورت خوشبو،تیل،سرمہ،مہندی،خضاب نہ لگائے اورخوشبو بسے ہوئے،کسم کے رنگے ہوئے،سرخ کپڑے اورزعفران سے رنگے کپڑے نہ پہنے اورقصب،خزاور ریشم نہ پہنے اور زیور نہ پہنے زینت ترک کرے اور کنگھی نہ کرے ایساہی تاتارخانیہ میں ہے۔[۱/۵۳۳:باب فی الحداد]

البتہ ان چیزوں کا استعمال مجبوری میں جائز ہے۔اورسر میں تیل بھی اس وقت ڈال سکتی ہیں جب درد ہو یاایسی عادت پڑگئی ہوکہ نہ ڈالنے پردرد ہوگا اورزینت کاارادہ نہ ہو۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

أمافی حالة الاضطرارفلابأس بهاان اشتکت رأسها او عینها فصبت علیهاالدهن اواکتحلت لاجل المعالجة فلابأس به ولکن لا تقصد به الزینة کذافی المحیط لواعتادت الدهن فخافت وجعایحل بهالولم تفعل فلا باس به.

مجبوری کی حالت میں کوئی حرج نہیں اگرسر یا آنکھ میں درد ہو تو بطورعلاج سر میں تیل لگانے یا آنکھ میں سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ زینت کاارادہ نہ ہوایساہی محیط میں ہے اوراگرتیل ڈالنے کی عادت ہے اورخوف ہے کہ نہ ڈالنے پردرد بڑھ جائے گاتو تیل ڈالنے میں کوئی حرج نہیں۔[مرجع سابق]

اور کنگھی کا استعمال بھی مجبوری کی حالت میں جائز ہے جب کہ موٹے دندانوں سے کنگھی کی جائے:

ان امتشطت بالطرف الذی اسنانه منفرجة لابأس به.

جس طرف موٹے دندانے ہیں اس طرف سے کنگھی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[مرجع سابق]

(۳) کثرت سے درودشریف اورسورۂ فاتحہ (الحمدشریف) پڑھا کریں۔اورتبارک شریف کی شرع میں کوئی مقدار متعین نہیں ہے جس قدر ہوسکے کریں۔ھکذافی ملفوظات اعلیٰ حضرت.

(۴) یہ آپ کے لئے عذر ہے لہٰذا پردہ کرکے جائیں تاکہ کسی غیرمحرم کی نظرآپ پرنہ پڑے۔

(۵) بالکل کلمہ شریف کےعلاوہ قرآن شریف اور دیگراورادووظائف پڑھ سکتی ہیں۔

(۶) جی نہیں۔ازروئے شرع فوٹو کارکھنا اوراس کا دیکھنا جائز نہیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اقول ولاقرة عین فیه لمن یتمسک التصاویر فی صندوقه لینظر فیها متی شاء فانهاوان کانت مستورة مادامت فی الصندوق لکنه یفتحه و یخرجها فتظهرفیاتی التحریم والامساک لامرممنوع کمن امسک امرأة لیفجر بهافی اثم الفجورحین لایفجرلان الاعمال بالنیات.

میں کہوں گا کہ اس عبارت میں اس شخص کی آنکھ کی ٹھنڈک نہیں جس نے بکس میں تصویریں رکھی ہوں کہ جب چاہے انہیں دیکھ لے اس لئے کہ اگرچہ وہ چھپی ہوئی ہیں لیکن جب وہ بکس کھول کر نکالے گا نمایاں ہوں گی لہٰذا تحریم کاحکم ہوگا اورممنوع چیزکورکھنا بھی منع ہے جیسے کہ کوئی عورت کو بدی کے لیے روک لے تواس پر بدی کا گناہ ہوگا اگرچہ وہ بدی نہ کررہا ہواوراعمال کااعتبار نیت سے ہے۔[عطایاالقدیر فی حکم التصویر،ص ۵۶]

واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبـــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ۲۳/جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ

عدت کے بعد بیوی کے لئے نفقہ کاحکم

محترم جناب مفتی صاحب..................السلام علیکم

بعدسلام کے گزارش یہ ہے کہ میں نے ۲۰۰۳ء میں اپنی بیوی رضیہ بیگم دختر جناب عبدالستار کوطلاق دے دی تھی۔اب میری بیوی میرے دس سال کی لڑکی اور تیرہ سال کے لڑکے

کے ساتھ اپنے میکے رہ رہی ہے۔آپ سے گزارش ہے کہ شریعت کی روشنی میں جواب دینے کی زحمت فرمائیں کہ کیامیری بیوی طلاق ہونے کے بعد مجھ سے اپنا گزارا کرنے کے لئے خرچ لینے کی حقدار ہے اگر ہے تو کب تک؟

ذاکرحسین ولد جناب فدا حسین
نند پور نزکاٹو پاپاجیپور ضلع اودھم،سنگھ نگر
۲۲/جنوری ۲۰۱۳ء

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی حبیبه الکریم

وعلیکم السلام ورحمة اللّٰہ وبرکاته!

ازروئے شرع عدت کے بعد شوہر پر بیوی کا نان ونفقہ لازم وضروری نہیں ہے۔رضیہ بیگم کی عدت ختم ہوچکی ہے اب انہیں شوہر سے خرچ لینے کا حق نہیں ہے۔کیوں کہ نفقہ عدت کا تابع ہے جب تک عدت ہے اس وقت تک شوہر پر نفقہ ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے: النفقة تابع للعدة.

نفقہ عدت کے تابع ہے۔[کتاب الطلاق باب النفقة،۵/۳۳۳]

تو اب جب کہ عدت پوری ہوئے کافی وقت گزر چکا ہے نفقہ بھی ختم ہوگیا۔

محیط برہانی میں ہے: لانفقة لهابعدمُضی مدة العدة.

عورت کے لئے عدت گزرجانے کے بعد نفقہ نہیں ہے۔[الفصل فی نفقة المطلقات،۴/۲۳۸]

نفقہ درحقیقت بیوی کے پابند ہوجانے کابدلہ ہے جیسا کہ فتاوی شامی میں ہے:

نفقة الزوجة جزاء الاحتباس.

بیوی کا نفقہ پابندی کا بدلہ ہے۔[باب النفقۃ، ۵/ ۳۶۶]

اور یہ سبھی جانتے ہیں کہ بیوی عدت تک از روئے شرع پابند ہوتی ہے اس کے بعد نہیں تو جب بیوی عدت کے بعد پابند ہی نہیں رہی تو پھر بھلا خرچ کس بات کا دیا جائے گا؟

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''مطلقہ کا نفقہ عدت تک ہے بعد عدت کوئی علاقہ باقی نہیں جس کے سبب نفقہ لازم ہو'' [فتاوی رضویہ جدید، ۱۳/ ۴۱۵] مزید فرماتے ہیں ''مہر و نفقہ ایام عدت کے سوا اور کوئی حق واجب شرعاً نہیں۔'' [فتاوی رضویہ جدید، ۱۳/ ۴۷۵]

البتہ عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ لڑکے اور لڑکی کے خرچ کا مطالبہ کرے اس لئے کہ بچوں کا خرچ آپ پر واجب ہے کذافی البحر و ردالمحتار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۹/ربیع النور ۱۴۳۴ھ

باب البیوع

کافر حربی سے فائدہ لینا

باسمہ تعالیٰ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین کہ زید نے ۳۵ کلو میتھے کا تیل غیر مسلم کو بیچ دیا لیکن زید نے اسکی رقم اسی کے پاس چھوڑ دی کیونکہ اسی نے توجہ دلائی کہ تم مجھ سے رقم نہ لو بلکہ ۳۵ کلو کی رقم تصور کرکے ہر ماہ پندرہ روپے کلو کے حساب سے فائدہ لیتے رہو صورت حال میں زید کا یہ فائدہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

ریاست حسین عزیزی خطیب وامام نوری مسجد سلطان پور پٹی ضلع اودھم سنگھ نگر اتراکھنڈ

مؤرخہ ۲۳/ستمبر ۲۰۱۱ء

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

صورت مسئولہ میں زید کا غیر مسلم سے اس طرح کا فائدہ لینا از روئے شرع بلا کراہت جائز ہے اس لئے کہ یہاں کے کفار حربی ہیں اور ان کا مال معصوم نہیں ہے لہٰذا کافر حربی سے اس کی مرضی سے بغیر دھوکہ وخیانت کے جو مال بھی مسلمان کو حاصل ہو اگرچہ عقد فاسد کے ذریعہ ہی وہ مسلمان کے لئے جائز وحلال ہے۔

امام کاسانی کی کتاب بدائع الصنائع میں ہے:

ان مال الحربی لیس بمعصوم بل ھو مباح فی نفسہ.

حربی کافر کا مال معصوم نہیں ہے بلکہ وہ فی نفسہ جائز ہے۔[کتاب البیوع ۴/ ۴۱۶]

درمختار میں ہے: لان مالہ ثمۃ مباح فیحل برضاہ مطلقا بلاغدر. [کتاب البیوع باب الربا، ۷/ ۴۲۳]

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

ولان مالھم ای مال اھل الحرب مباح فی دارھم لانہ غیر معصوم بل ھو علی اصل الاباحۃ فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا اذلم یکن فیہ ای فی اخذہ غدر لان الغدر حرام. [کتاب البیوع باب الربا، ۷/ ۳۸۵]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

فلایحرم علینا معھم الا الغدر فاذا جاوزتہ و اخذت منھم ما اخذت باسم ای عقد اردت فقد اخذت مالا مباحا لاتبعۃ علیک فیہ.

ہم پر ان کے ساتھ سوائے دھوکہ بازی کے کچھ حرام نہیں اور جب تو دھوکہ بازی سے بچتے ہوئے ان کا مال جس عقد کے نام سے چاہے لے تو تونے ان سے مال مباح حاصل کیا اس پر تجھ سے کوئی مواخذہ نہیں۔[فتاوی رضویہ جدید، ۱۷/ ۳۶۹]

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''جو کافر مطیع اسلام نہ ہو نہ سلطنت اسلامیہ میں مستامن ہو بلا غدر و بدعہدی اس سے کوئی نفع حاصل کرنا ممنوع نہیں[فتاوی رضویہ جدید، ۱۷/ ۳۵۶]

ھذا ما عندی والعلم عنداللہ تعالیٰ.

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۴/شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

کسی کی زمین چھیننے والا قیامت میں زمین کے ساتویں طبقہ تک دھنسایا جائے گا

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل میں؛

(۱) زید اور بکر نے دوسرے فریقوں کے ساتھ مل کر ایک پلاٹ خریدا جس کے بٹوارے میں زید اور بکر کے حصہ میں سوا سترہ گز چوڑی زمین آئی اس طرح زید کے حصہ میں دس گز چوڑی زمین آئی جو دونوں کی رضامندی سے زید نے وہ زمین تیسرے فریق کو بیچ دی دوسرے فریقوں میں سے ایک فریق نے بکر کی زمین میں سے کچھ زمین زبردستی سے دبالی اس پر بکر نے کچھ نہیں کہا اب بکر زید کو کمزور دیکھتے ہوئے دبی ہوئی زمین میں کا حصہ زید سے مانگتے ہیں زید کے دس ہزار روپیہ بھی بکر پر باقی تھے اگر بکر کی زمین کا حصہ زید کی طرف ہوتا ہے تو اُس وقت کی قیمت دی جائے یا اِس وقت کی؟

(۲) زید اور بکر کی جو زمین شرکت کی تھی وہ زمین بکر نے تاریخ 2\8\2004. کو بیچ دی بکر نے روپیہ زیادہ لے لئے زید کو کم دئے بکر نے حساب نہیں کیا اب زید کے روپیہ زیادہ نکلتے ہیں یہ روپیہ اس وقت کے لینے چاہئے یا اُس وقت کے؟

(۳) زید اپنی بچی ہوئی زمین بیچ رہا تھا اس وقت بکر نے کہا کہ آپ سے ایک گز چوڑی زمین ہمیں لینی ہے ایک گز زمین کم کر کے بیچنا زید نے وہ ایک گز چوڑی زمین بطور قیمت چھوڑ دی کیونکہ بکر اپنا مکان بنانے کے لئے بس رہے تھے لیکن مکان نہ بنا کر تین یا چار سال کے پہلے وہ زمین بکر نے بیچ دی زید سے نہیں بتایا لیکن زید کو بعد میں پتہ چلا اب زید کو بکر سے اس زمین کے روپیہ لینے ہیں اس زمین کی قیمت اُس وقت کی لینی چاہئے یا اِس وقت کی؟

محمد اسحاق صدیقی محلہ تھانہ سابق کاشی پور ضلع اودھم سنگھ نگر

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلّی علٰی حبیبہ الکریم

مذکورہ بالاتمام سوالات کے جوابات بالترتیب مرقوم ہیں:

(۱) صورتِ مسئولہ میں بکر کی زمین پر تیسرے فریق کا جبراً قبضہ کر لینا ازروئے شرع ناجائز وحرام ہے نیز بکر کا زید کو کمزور جانتے ہوئے اس سے اپنی مغصوبہ زمین کے حصہ کا مطالبہ کرنا بھی ازروئے شرع جائز نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من اخذ من الارض شیئاً بغیر حقہ خسف بہ یوم القیامۃ الیٰ سبع ارضین.

جس شخص نے کسی کی تھوڑی سی زمین بھی ناحق لے لی قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبقے تک دھنسایا جائے گا۔[بخاری شریف]

لہٰذا بکر کی زمین غصب کرنے والے پر لازم ہے کہ بکر کی زمین فوراً بکر کو واپس کرے اور اس سے حاصل شدہ منافع بھی بکر کو ادا کرے۔ اور بکر پر بھی ضروری ہے کہ زید سے بیجا مطالبہ نہ کرے۔

البتہ اگر واقعی بکر کی زمین کا حصہ زید کی طرف نکلے تو اس صورت میں زید موجودہ قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے بکر کے حصہ کی ادائیگی کرے۔

(۲) بکر پر زید کے جو روپئے اس وقت بچے تھے بس وہی لئے جائیں گے۔ مثلاً زمین ایک لاکھ میں بیچی گئی اور زید اور بکر حصہ میں برابر کے شریک تھے بکر نے زید کو بیس ہزار روپئے دیئے تو اب بکر پر زید کے تیس ہزار باقی رہے تو اب اُس وقت یا اِس وقت کی قید کے بغیر تیس ہزار روپے ہی ادا کیے جائیں گے۔

(۳) صورتِ مسئولہ میں اگر زید نے زمین اس وقت قیمت طے کئے بغیر اس لحاظ سے چھوڑی تھی کہ بکر جب قیمت ادا کرے گا اس وقت بکر کو بیچ دوں گا تو اب بکر سے زید زمین کی موجودہ قیمت وصول کر سکتا ہے۔

ھذا ماعندی و العلم عنداللّٰہ تعالی

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــــــــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

۱۰/ صفر المظفر ۱۴۳۳ھ

باب الذبائح

وہابی کے ذبیحہ کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں دیوبندی کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے یا حرام اور مسلمانوں کو اس کا کھانا کیسا؟

المستفتی حاجی اصغر حسین بیل جوڑی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

دیوبندی اپنے عقائد کفریہ کی وجہ سے کافر و مرتد ہیں اور مرتد کے ہاتھ کا ذبیحہ ازروئے شرع حرام ہے۔ مسلمان کو اس کا کھانا جائز نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

فلاتؤکل ذبیحۃ اھل الشرک والمرتد.

مشرک اور مرتد کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔[جلد ۵ ص ۲۸۵، کتاب الذبائح]

امام کاسانی نے بدائع الصنائع میں فرمایا:

فلاتؤکل ذبیحۃ اھل الشرک والمجوسی والوثنی و ذبیحۃ المرتد.

مشرک اور آتش پرست اور بت پرست اور مرتد کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ [بدائع الصنائع ۴/۱۶۴]

اور بحرالرائق میں کنزالدقائق کی عبارت "لا مجوسی و وثنی و مرتد" کے تحت ہے:

یعنی لاتحل ذبیحۃ ھؤلاء

یعنی آتش پرست اور بت پرست اور مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔[کتاب الذبائح، ۹/۳۰۶]

نیز اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"غیر مقلدین وہابیہ پر بوجوہ کثیرہ التزام کفر ہے...... اور ذبیحہ کا حلال ہونا نہ ہونا حکم فقہی ہے خصوصاً وہی احتیاط کہ مانع تکفیر ہو یہاں ان کے ذبیحہ کے کھانے سے منع کرتی ہے کہ جمہور فقہائے کرام کے طور پر حرام و مردار کا کھانا ہوگا لہٰذا احتراز لازم ہے۔" [فتاوی رضویہ جدید، ۲۰/۲۴۹]

مزید فرماتے ہیں: "دیوبندی کا ذبیحہ مردار ہے اور دیوبندی کا بھیجا ہوا گوشت اگرچہ مسلمان کا لایا ہوا ہو مردار ہے" [مرجع سابق]

ان عبارات مذکورہ سے واضح ہو گیا کہ دیوبندی وہابی وغیرہما فرقہائے باطلہ کا ذبیحہ حرام ہے، اس کا کھانا جائز نہیں۔ ہاں وہ لوگ جو دیوبندی عقائد کفریہ تو نہیں رکھتے لیکن دیوبندی و سنّی دونوں جماعتوں میں گھلے ملے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا ذبیحہ حرام نہیں ہے۔ البتہ بچنا مناسب ہے۔ ھذا ماعندی و العلم عنداللّٰہ تعالیٰ.

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــــــــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۴/ ربیع النور ۱۴۳۳ھ

باب الاضحیہ

خصی جانور کی قربانی افضل ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) کیا ہمارے نبی ﷺ نے خصی جانور کی قربانی کی ہے؟

(۲) اور خصی جانور کی قربانی کرنا افضل ہے یا نہیں؟

مدلل جواب مرحمت فرمائیں

(حافظ) محمد خورشید بھوپور پیپل سانہ مراد آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے جوابات بالترتیب پیش ہیں:

(۱) جی ہاں نبی کریم ﷺ نے خصی جانور کی قربانی کی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ ، أَوْ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ ، اشْتَرَى كَبْشَيْنِ عَظِيمَيْنِ ، سَمِينَيْنِ ، أَقْرَنَيْنِ ، أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوأَيْنِ

حضرت عائشہ یا حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے جب قربانی

کا ارادہ فرمایا تو سفید و کالے رنگ کے موٹے تازے سینگ والے خصی کئے ہوئے دو مینڈھے خریدے۔

[سنن ابن ماجہ، باب اضاحی رسول اللہ ﷺ، ۲۲۵]

دوسری حدیث میں ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ ذَبَحَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوأَيْنِ.

حضرت جابر سے مروی ہے کہ قربانی کے دن نبی کریم ﷺ نے دو سینگ والے سفید و کالے رنگ کے خصی کئے ہوئے دو مینڈھے ذبح فرمائے" [سنن ابو دائو، ۲/۳۸۶، باب مایستحب من الضحایا،]

(۲) علماء کرام کے نزدیک خصی جانور کی قربانی افضل ہے۔

تحفۃ الفقہاء میں اور مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر میں امام اعظم ابو حنیفہ سے مروی ہے:

عن الإمام إن الخصی أولی لأن لحمه ألذ وأطیب

امام اعظم ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ خصی بہتر ہے اس لئے کہ اس کا گوشت بہت زیادہ لذیذ اور بہت اچھا ہوتا ہے۔[تحفۃ الفقہاء لسمرقندی، ۳/۸۶، کتاب الاضحیہ، مجمع الانھر، کتاب الاضحیہ، ۴/۱۷۱] واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۵/ جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

باب الحظر والاباحۃ

کرایہ دار کا مکان خالی کرنے کے عوض رقم کا تقاضا کرنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ ایک شخص کرائے کے مکان پر رہتا ہے اب مکان مالک اس سے مکان خالی کرانا چاہتا ہے کرائے دار خالی کرنے کے عوض مکان مالک سے پیسہ مانگ رہا ہے کیا یہ جائز ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

حاجی محمد یعقوب انصاری محلّہ خالصہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

کرائے دار کا مالک مکان سے مکان خالی کرنے پر پیسہ مانگنا از روئے شرع جائز نہیں۔ جب اجارہ کی مدت ختم ہوگئی تو مالک مکان کو مکان خالی کرانے کا مکمل اختیار ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''جب مدت اجارہ ختم ہوگئی شرعاً اس سے نکال کر دوسرے کو دینا مطلقاً جائز ہے.... ردالمحتار میں اوائل بیوع میں ہے:

فللموجر اخراجھامن یدہ اذا مضت مدۃ اجارتہ.

کرائے پر دینے والے کو مدت اجارہ ختم ہوجانے پر دوکان (وغیرہ) کو کرائے دار کے قبضہ سے نکالنے کا حق حاصل ہے۔ [فتاوی رضویہ جدید: ۲۰/۱۸۰]

واللہ تعالی اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللّٰہ تعالی علیہ و الہ وسلم

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

فاتحہ ونیاز میں آیات مختلفہ کی تلاوت کے جواز پر تفصیلی فتوی

مفتی صاحب قبلہ سلام مسنون!

میں دارالعلوم امام احمد رضا رتناگیری میں رابعہ جماعت کا متعلم ہوں چند سال قبل آپ کے پاس بھی تعلیم حاصل کر چکا ہوں، میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ فتاوی رضویہ میں اعلیٰ حضرت نے فاتحہ میں مختلف سورتیں پڑھنا جائز لکھا ہے اور حدیث بھی پیش کی ہے، لیکن علامہ عبدالحی نے اپنی کتاب معین المفتی والسائل میں اس کو ناجائز لکھا ہے اور انہوں نے بھی حدیث پیش کی ہے مجھے معلوم یہ کرنا ہے کہ ان دونوں میں سے کس کی بیان کردہ حدیث قابل قبول اور راجح ہے۔ اور اس کی وجہ ترجیح کیا ہے۔ مدلل ومفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

(حافظ) محمد عبدالواجد

متعلم امام احمد رضا رتناگیری متعلم جماعت رابعہ۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

فاتحہ ونیاز میں سور متفرقہ وآیات مختلفہ کی تلاوت معمولات اہلسنت میں سے ہے اہلسنت کے نزدیک یہ معمول جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ فاتحہ ونیاز کے جواز واستحسان کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت نے ابوداؤد کی ایک حدیث پیش کی ہے جب کہ علامہ عبدالحی نے اس کے برخلاف

حدیث نقل کی ہے ہم یہاں دونوں حضرات کے بیان کردہ جوابات کو نقل کر کے اس پر قدرے گفتگو کرتے ہیں اعلیٰ حضرت سے جب سور وآیات مختلفہ پڑھنے کے سلسلے میں استفسار کیا گیا تو آپ نے اس انداز میں جواب مرحمت فرمایا:

''یہ صورت بلاشبہ جائز ومباح ہے سنن ابی داؤد میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت پست آواز سے پڑھتے دیکھا، اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت بلند آواز سے، اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ کچھ ایک سورت سے پڑھا اور کچھ دوسری سورت سے لیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں صاحبوں سے وجہ دریافت فرمائی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

قد اسمعت من ناجیت یارسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جس سے مناجات کرتا ہوں وہ اس پست آواز کو بھی سنتا ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

یارسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اوقظ الوسنان واطرد الشیطان.

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس لئے اتنی آواز سے پڑھتا ہوں کہ اونگھتا جاگے اور شیطان بھاگے۔

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کی:

کلام طیب یجمعہ اللّٰہ بعضہ الی بعض.

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قرآن مجید سب پاکیزہ کلام ہے کچھ یہاں سے

اور کچھ وہاں سے ملا لیتا ہوں۔ ارادۂ الٰہیہ یوں ہی ہوتا ہے، فرمایا:

کلکم قد اصاب.

تم تینوں نے ٹھیک بات کی درست کام کیا۔ الخ

[فتاوی رضویہ جلد ۳ ص ۴۸۱]

اور علامہ عبدالحی سے جب اس معاملہ میں استفسار کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

ھذا مما لا اصل لہ ولا اثرلہ فی کتب المتقدمین وفی الاتقان فی علوم القرآن فاما خلط سورۃ بسورۃ فعد الحلیمی ترکہ من الآداب لما اخرجہ ابو عبید عن سعید بن المسیب ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مر ببلال وھو یقرأ من ھذہ السورۃ فقال یابلال مررت بک وانت تقرأ من ھذہ السورۃ ومن ھذہ السورۃ فقال اخلط الطیب بالطیب فقال اقرء السورۃ علی وجھھا او قال علیٰ نحوھا الخ. [معین المفتی والسائل ص ۳۶۲]

یعنی سور مختلفہ وآیات متفرقہ پڑھنے کی کوئی اصل نہیں ہے اور نہ اس کے لئے کوئی حدیث کتب متقدمین میں موجود ہے اور الاتقان میں ہے کہ ایک سورۃ کو دوسری سورۃ سے ملانا حلیمی نے ترک آداب میں شمار کیا ہے، اس دلیل سے کہ ابوعبید نے سعید بن میبّب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلال کے پاس سے گزرے اور وہ کچھ اس سورت سے پڑھ رہے تھے اور کچھ اس سورت میں سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'اے بلال! میں تمہارے پاس آیا اور تم اس سورت اور اس سورت میں سے پڑھ رہے تھے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میں طیب کو طیب میں ملا رہا تھا سرکار نے فرمایا سورت کو اس کے مثل پڑھو یعنی ترتیب سے پڑھو۔

الحاصل: اعلیٰ حضرت کی مستدل حدیث پاک سے جواز اور علامہ عبدالحی کی مستدل حدیث پاک سے عدم جواز ثابت ہوا۔

اب آیئے ہم تفصیل سے دونوں حضرات کی مستدل حدیث پاک کا جائزہ لیں تاکہ یہ بات منکشف ہو جائے کہ دونوں حضرات میں سے کس کی مستدل حدیث کا معیار مقبول ہے۔

اعلیٰ حضرت کی پیش کردہ حدیث پاک سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۱۸۸، کے علاوہ سنن الکبریٰ ۳/ ۱۱، شعب الایمان للبیہقی، ۵/ ۳۲۰، تاریخ بغداد ۱۳/ ۲۸۵، میں بھی متعدد اسناد سے مروی ہے۔ اس حدیث پاک کو حضرت ابوسلمہ سے روایت کرنے میں محمد بن عمرو متفرد ہے گویا تمام سندوں کا دارومدار محمد بن عمرو پر ہے۔

علامہ عبدالحی کی مستدل حدیث پاک کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف ۲/ ۲۶۴، اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف ۲/ ۴۹۵، اور بیہقی نے شعب الایمان ۲/ ۴۳۰، میں متعدد سندوں سے روایت کیا ہے۔ ان کی اسناد کا دارومدار عبدالرحمٰن بن حرملۃ پر ہے کیوں کہ اس حدیث کو سعید بن میبّب سے صرف عبدالرحمٰن نے روایت کیا ہے۔

بالجملہ اعلیٰ حضرت کی پیش کردہ حدیث کے اصل راوی محمد بن عمرو اور علامہ عبدالحی کی مستدل حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن حرملہ ہیں دونوں کی حیثیت جانے بغیر حدیث پر کسی طرح کا کوئی حکم لگانا تحقیق کے خلاف ہے لہٰذا آیئے ہم پہلے محمد بن عمرو کے متعلق محدثین وائمہ نقاد کے آراء ونظریات کا جائزہ لے لیں۔

امام ذہبی نے محمد بن عمرو کے متعلق فرمایا:

الامام المحدث الصدوق... وحدیثہ فی عداد الحسن قال النسائی وغیرہ لیس بہ بأس وقال ابوحاتم صالح الحدیث، وقال عبداللّٰہ بن احمد سمعت ابن معین سئل عن سھیل والعلاء بن عبدالرحمٰن، وعبداللّٰہ بن محمد بن عقیل، وعاصم بن عبیداللّٰہ فقال لیس حدیثھم بحجۃ قیل لہ

فمحمدبن عمرو؟قال هوفوقهم قلت روی له البخاری مقرونابآخرورروی له مسلم متابعة....وسئل یحیی بن سعیدعن محمدبن عمرو فقال للسائل تریدالعفواونشددقال بل شددقال لیس ممن تریدقال الجوزجانی لیس بالقوی وهوممن یُشتهٰی حدیثه قال ابن عدی: روی عنه مالک فی المؤطاوارجواانه لاباس به وروی احمدبن ابی مریم عن یحیی بن معین ثقة.

[سیراعلام النبلاء ۶/ ۱۳۶، ۱۳۷]

ابن عدی نے کامل میں تحریر فرمایا:

قال یحیی القطان وامامحمدبن عمرو فرجل صالح لیس باحفظ الناس للحدیث وامایحییٰ بن سعیدفکان یحفظ ویدلس،حدثناعلان ثناابن ابی مریم سمعت یحییٰ بن معین یقول محمدبن عمربن علقمةثقة....قال السعدی محمدبن عمرو لیس بقوی الحدیث ویشتهی حدیثه..... ولمحمدبن عمروبن علقمة حدیث صالح وقدحدث عنه جماعة من الثقات کل واحدمنهم ینفردعنه بنسخة ویغرب بعضهم علی بعض ....وارجوأنه لاباس به[۶/ ۲۲۴، ۲۲۵]

ذہبی نے میزان الاعتدال میں فرمایا:

شیخ مشهور،حسن الحدیث....اخرج له الشیخان متابعة وقال یحیی بن معین کانو ایتقون حدیثه وروی احمدبن ابی مریم عن ابن معین ثقة .....وقال عبداللّٰه بن احمدسمعت یحییٰ بن معین یقول سهیل،والعلاء بن

عبدالرحمن،وابن عقیل لیس حدیثهم بحجةقال ومحمدبن عمروفوقهم.[۳/ ۶۷۳، ۶۷۴]

علامہ جلال الدین سیوطی نے اسعاف المبطأ برجال الموطا میں فرمایا:

وثقه النسائی وابن المدینی وابنه یحییٰ القطان و ابوحاتم.[۲/ ۳۵۳]

الجرح والتعدیل للرازی میں ہے:

"ابن المدینی قال سمعت یحییٰ بن سعید یقول محمدبن عمرواحب الی من ابن حرملة.....عبدالرحمٰن قال سالت ابی محمدبن عمروبن علقمه فقال صالح الحدیث یکتب حدیثه "[۸/ ۳۱]

کتاب الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی میں ہے:

قال یحییٰ مازال الناس یتقون حدیثه وقال مرة ثقة وقال السعدی لیس بقوی.[۳/ ۸۸]

ابن حبان کی ثقات میں ہے:

کان یخطیء.۷/ ۳۷۷

علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں فرمایا:

قال احمدبن ابی مریم عن ابن معین ثقة.....وقال الحاکم قال ابن المبارک لم یکن به باس وقال ابن سعدکثیرالحدیث یستضعف.[۳/ ۶۶۳]

اورتقریب میں فرمایا:

صدوق له اوهام.[۴۹۹]

الغرض محمد بن عمرو کوامام ذہبی نے "حسن الحدیث" اورصدوق فرمایاتوابوحاتم نے "صالح الحدیث" سے تعبیر کیا،ابن حجر نے "صدوق له اوهام" فرمایا،امام نسائی،ابن عدی اورابن مبارک نے "لیس به بأس، ولابأس به،ولم یکن به باس" کے ذریعہ عدم ضعف کی جانب اشارہ کیاامام سیوطی نے نسائی،ابن مدینی،یحییٰ قطان اورابوحاتم کے حوالہ سے ثقاہت پر جزم فرمایا،یحیی القطان نے ثقہ فرمایاتو کبھی "رجل صالح لیس باحفظ الناس" فرمایااورکبھی محمد بن عمرو کے تعلق سے سائل کے تشدد مراد لینے پر جواب میں "لیس ممن ترید" کے ذریعہ نرمی کا پہلواختیار کیا،اوریحییٰ بن معین نے کہیں "کانو ایتقون" کے ذریعہ محدثین کااس کی حدیث سے احتیاط برتنے کو بیان کیاتو کہیں ثقہ فرمایااورکہیں سھیل،علاء بن عبدالرحمٰن اورابن عقیل کی حدیث پرعدم حجت کاحکم لگاکرمحمدابن عمروکوان پرفوقیت دے کرگویاابن عمروکی حدیث کے لائق حجت ہونے کی جانب اشارہ کیا۔امام بخاری ومسلم وامام مالک اورثقات کی جماعت نے ابن عمرو سے روایت کیا ہے۔

علاوہ ازیں امام جوزجانی،سعدی،یحییٰ بن سعیدقطان اورابن سعدنے "لیس بقوی ولیس بقوی الحدیث ویضعفه بعض الضعف،ویستضعف" کاحکم لگاکرقدرے ضعف سے متصف فرمایا ہے۔خلاصہ یہ کہ اکثرائمہ نقاد کے نظریات بالاکی روشنی میں محمد بن عمرو حسن الحدیث وصالح الحدیث راوی ہےاوراس کی حدیث لائق حجت ہے۔

برخلاف عبدالرحمٰن بن حرملہ کے کہ اکثرائمہ نے اس کی تضعیف کی ہےاوراس کی حدیث پرعدم حجت کاحکم لگایا ہے۔المغنی فی الضعفاء میں ہے:

"عبدالرحمن بن حرملة الاسلمی عن ابن المسیب قال ابن معین صالح قال یحییٰ القطان ضعیف وقال ابوحاتم لایحتج به ولینه البخاری"[۱/ ۵۳۴]

ابن جوزی کی کتاب الضعفاء والمتروکین میں ہے:

"ضعفه یحییٰ بن سعیدوالبخاری"[۲/ ۹۲]

ابن حبان نے اپنی ثقات میں فرمایا:

کان یخطی[۷/ ۶۸]

تہذیب التہذیب میں ہے:

قال یحییٰ بن سعیدعنه کنت سیء الحفظ فرخص لی سعیدفی الکتابة قال یحییٰ بن سعیدمحمدبن عمرواحب الی من ابن حرملةوکان ابن حرملةیلقن وقال ابن خلادالباهلی سألت القطان عنه فضعفه ولم یدفعه وقال ابن اسحاق عن ابن معین صالح وقال ابوحاتم یکتب حدیثه ولایحتج به وقال النسائی لیس به باس وذکره ابن حبان فی الثقات وقال یخطیء ....وقال محمدبن عمرکان ثقة کثیرالحدیث ...وقال الساجی صدوق یهم فی الحدیث.[۲/ ۵۰۱]

الجرح والتعدیل میں ہے:

یکتب حدیثه ولایحتج به.[۵/ ۲۲۳]

تاریخ ابن معین بروایۃ دوری میں ہے:

حدثنایحییٰ قال حدثنایحییٰ بن سعید عن عبد الرحمن بن حرملة قال کنت سیء الحفظ اوکنت لااحفظ قال فرخص لی سعیدبن المسیب فی الکتاب.[۱/ ۱۵۳]

شرح علل الترمذی لابن رجب میں ہے:

وذکرابن ابی خیثمة عن ابن معین عن یحییٰ عن ابن حرملةقال کنت سیء الحفظ فسالت سعیدبن المسیب

فرخص لی فی الکتاب.[۱۱۷]

المقتنیٰ فی سرد الکنیٰ للذھبی میں ہے:

ابو حرملة ...شیخ مالک لیس بالمتین عندھم.[۱/۱۷۱]

ابن حجر نے "صدوق ربما اخطا" فرمایا۔[تقریب التہذیب صفحہ ۳۳۹]

قطع نظر تضعیف سے بعض ائمہ نے توثیق بھی کی ہے

تہذیب التہذیب میں ہے:

نقل ابن خلفون عن ابن نمیر انه وثقه[۲/۵۰۱]

امام عینا بی نے مغانی الاخیار میں فرمایا:

قال محمدبن عمر، وکا ن ثقة کثیر الحدیث.[۳/۲۱۰]

امام ذہبی کی کتاب من تکلم فیہ میں ہے:

وثق، وضعفه القطان، وقال ابو حاتم لا یحتج به.[۳۲۸]

کاشف میں امام ذہبی نے فرمایا:

قال ابن معین صالح.[۱/۶۲۵]

عبارات بالا کی روشنی میں یہ بات صاف ہوگئی کہ اکثر ائمہ نے ابن حرملہ کی تضعیف کی ہے اور اس کی حدیث کے لائق حجت ہونے سے انکار کیا ہے یعنی اس کی حدیث لکھی جائے گی لیکن اس سے احتجاج نہیں کیا جائے گا اور یہ بات خود ابن حرملہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ وہ سوء حفظ کا شکار تھے اور یہ بات معلوم ہے کہ سوء حفظ کے راوی کی حدیث کا اگر متابع نہ ملے تو اس حدیث سے احتجاج جائز نہیں ہے۔ برخلاف محمد بن عمرو کے کہ اس کی حدیث لائق حجت ہے جیسا کہ میزان الاعتدال میں ہے:

یحییٰ بن معین یقول سھیل، والعلاء بن عبدالرحمٰن، وابن عقیل لیس حدیثھم بحجة قال ومحمدبن عمرو فوقھم.[۳/۶۷۳، ۶۷۴]

برسبیل تنزل ابن حرملہ کو ضعیف نہ بھی مانا جائے تب بھی محمد بن عمرو کو ابن حرملہ پر فوقیت حاصل ہے جیسا کہ شرح علل الترمذی لابن رجب میں ہے:

قال یحییٰ ومحمدبن عمرو اعلیٰ من سھیل بن ابی صالح وھو عندی فوق عبدالرحمٰن بن حرملة[۱/۴۴۴]

ضعفاء العقیلی میں ہے:

یحییٰ بن سعید یقول محمدبن عمرو احب الی من بن حرملة.[۲/۳۲۸]

الجرح والتعدیل للرازی میں ہے:

ابن المدینی قال سمعت یحییٰ بن سعید یقول محمدبن عمرو احب الی من ابن حرملة[۸/۳۱]

اور جب ابن حرملہ پر ابن عمرو کو فوقیت حاصل ہے تو ابن عمرو کی حدیث کو بھی ابن حرملہ کی حدیث پر فوقیت حاصل ہوگی محمد بن عمرو کی حدیث کو امام ذہبی نے درجۂ حسن میں رکھا ہے لہٰذا ابن عمرو کے مقابلہ میں ابن حرملہ کی حدیث کو حسن سے کم درجہ پر محمول کیا جائے گا اور ابن عمرو کی حدیث کو حسن مقبول تسلیم کیا جائے گا۔

تحریر کا لب لباب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی متدل حدیث علامہ عبدالحی کے متدل حدیث سے چند وجوہات کی بنیاد پر قوی تر اور اس کے مقابلہ میں قابل قبول و لائق حجت ہے۔

(۱) اعلیٰ حضرت کی متدل حدیث پاک کا راوی محمد بن عمرو علامہ عبدالحی کی متدل حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن حرملہ سے زیادہ قوی اور ثقاہت میں زیادہ ہے۔

(۲) محمد بن عمرو لائق حجت راوی ہے برخلاف عبدالرحمٰن کے کہ اس کی حدیث کو صرف لکھنے کا حکم ہے اس سے احتجاج نہیں کر سکتے۔

(۳) یحییٰ قطان اور یحییٰ قطان کے قول کو مقام نقد میں رکھنے والے ائمہ نے محمد بن عمرو کو ابن حرملہ سے زیادہ مقبول مانا ہے اور اسے ابن حرملہ پر فوقیت دی ہے۔

(۴) نیز ابن حرملہ کی حدیث میں ایک راوی سعید بن المسیب ہیں جن کے بغیر کسی واسطہ کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنے کی وجہ سے ان کی حدیث مرسل ہے، کیونکہ وہ تابعی ہیں، اور بغیر واسطہ کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تابعی کی روایت مرسل ہوتی ہے جسے جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف کا درجہ ملا ہے۔ اس کے برخلاف محمد بن عمرو کی روایت کردہ حدیث متصل ہے جسے کم از کم حسن کا درجہ حاصل ہے، لہٰذا جمہور محدثین کی اس رائے کے مطابق بھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی ذکر کردہ حدیث کو علامہ عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ حدیث پر فوقیت حاصل ہوگی، اور اسے ہی راجح قرار دیا جائے گا۔

سطور بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ فاتحہ میں سور متفرقہ و آیات مختلفہ کی تلاوت کے جائز ہونے پر اعلیٰ حضرت کی پیش کردہ حدیث پاک ہی قابل قبول لائق ترجیح ہے اور علامہ عبدالحی کی بیان کردہ حدیث پاک مرجوح اور غیر مقبول ہے۔

ھذاماعندی واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

کتبــه

محمدذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۹/ رجب ۱۴۳۲ھ

دو احادیث کی تحقیق

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں؛

(۱) کیا "من زار قبری وجبت له شفاعتی" حدیث ہے اگر ہے تو کن کتابوں میں ہے چند کتابوں کے نام بیان فرمائیں اور اس حدیث کا معیار کیا ہے؟

(۲) "انا مدینة العلم وعلی بابھا" کا بھی حکم بیان فرمائیں کہ کیا یہ بھی حدیث ہے کن کتابوں میں ہے اور اس کا معیار کیا ہے؟ بینوا توجروا

محمد رضا مرآد باد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمده ونصلّی علی حبیبه الکریم

دونوں حدیثوں کی تحقیق بالترتیب حسب ذیل ہے:

(۱) ہاں یہ حدیث شریف ہے اور حسب ذیل کتابوں میں موجود ہے:

سنن دارقطنی (۳/۳۳۴)، شعب الایمان للبیھقی فصل الحج والعمرة (۶/۵۱)، جامع صغیر للسیوطی باب حرف المیم (۲/۳۲۹)، کنز العمال باب زیارة قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل لعلامة عبدالحی لکھنوی (۱/۲۱۱) ذخیرة الحفاظ لمقدسی (جلد ۴) الفتح الکبیر للسیوطی الکبیر للسیوطی (۳/۱۸۵) الدر المنتثرہ للسیوطی (۱/۴۳۲) فیض القدیر شرح جامع صغیر لمناوی (۶/۱۸۱) تیسیر شرح جامع صغیر لمناوی (۲/۸۱۳)

اور اس کے علاوہ بھی کتابوں میں مل سکتی ہے۔ یہ حدیث حسن ہے مزید تفصیل کے لیے الرفع والتکمیل لعلامہ عبدالحی ملاحظہ ہو۔

(۲) ''انا مدینة العلم و علی بابها'' (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) حدیث ہے۔ اور درج ذیل کتب میں موجود ہے۔

المعجم الکبیر للطبرانی (۹/۲۶۸) المستدرک للحالم (۳/۱۲۶) الاستیعاب فی معرفة الاصحاب (۱/۳۳۹) الحاوی للفتاوی (۲/۵۱)

یہ حدیث پاک حسن کے درجہ میں ہے۔ امام جلال الدین سیوطی اپنی تصنیف لطیف ''اللالی المصنوعه'' میں امام ابن حجر کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

وسئل شیخ الاسلام أبو الفضل بن حجر عن هذا الحدیث فی فتیا فقال هذا الحدیث اخرجه الحاکم فی المستدرک وقال انه صحیح وخالفه ابو الفرج بن الجوزی فذکره فی الموضوعات وقال انه کذب والصواب خلاف قولهما معاً وان الحدیث من قسم الحسن لا یرتقی الی الصحة ولا ینحطه الی الکذب وبیان ذلک یستدعی طولاً ولکن هذا هو المعتمد فی ذالک انتهیٰ.

شیخ الاسلام ابو الفضل ابن حجر سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا فتیا میں تو آپ نے فرمایا حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کی تخریج کی اور صحیح فرمایا حالانکہ ابو الفرج ابن جوزی نے ان کی مخالفت کی اور موضوعات میں اس کا ذکر کیا اور کہا کہ یہ جھوٹی ہے اور ٹھیک ان دونوں کے اقوال کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ حدیث حسن کی قسم سے ہے نہ اس کو صحیح تک ترقی دی جائے گی اور نہ ہی اسے کذب تک گھٹایا جائے گا اس کا بیان طوالت چاہتا ہے لیکن یہی معتمد ہے اس سلسلے میں)
[۱/۳۰۶، دار الکتب العلمیہ بیروت]

الحاصل: استفتاء میں مندرج عبارات احادیث ہیں اور متعدد کتب میں ہیں اور دونوں درجۂ حسن میں داخل ہیں. و الله تعالیٰ اعلم.

کتبـــ
محمد ذو الفقار خان نعیمی
مؤرخہ ۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ

بہجۃ الاسرار کی صحت وتوثیق پر تفصیلی فتوی

جناب مکرم مفتی صاحب وہابیہ غیر مقلدین کے مدرسہ جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، لاہور کے سہ ماہی رسالہ ''نداء الجامعہ'' بابت مارچ ۲۰۱۲ء میں عبد الرحمٰن ضیاء نامی شخص کا ایک مضمون بہجۃ الاسرار کے حوالہ سے شائع ہوا، مضمون کے مندرجات کا خلاصہ مع حوالہ پیش خدمت ہے:

''محققین علماء نے اس کتاب کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا بلکہ اس پر اور اس کے مولف شطنوفی پر سخت تنقید کی ہے کیونکہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا شخص خود بھی جان سکتا ہے کہ اس میں کافی جھوٹی باتیں ہیں۔''

(سہ ماہی نداء الجامعہ، مارچ ۲۰۱۲: ۴۰)

☆ علامہ ذہبی نے کہا: لقد اتی بمصائب فی کتاب بهجة الاسرار یشهد القلب ببطلانه'' (لسان المیزان جلد ۴ ص: ۲۳۸)

☆ شیخ کمال الدین جعفر: حافظ ابن حجر نے شیخ کمال الدین کا مصنف بہجۃ الاسرار کے متعلق قول نقل کیا ہے:

ذکر فیه غرائب و عجائب و طعن الناس فی کثیر من

حکایات و اسانید فیه. (الدرر الکامنه، جلد ۳ ص: ۱۴۲)

☆ ابن الوردی کا قول: ان فی البهجة امور الا تصیح و مبالغات فی شاذ الشیخ عبد القادر لا تلیق الا بالربوبیة.

(کشف الظنون، ج ۱، ص ۲۵۷)

☆ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس (ابن الوردی) نے اس کے مصنف (ابو الحسن شطنوفی) کو وضع حدیث (حدیث خود گھڑنے) کا مرتکب قرار دیا ہے۔ (لسان المیزان، ج ۴، ص ۳۳۸)

☆ نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی:

اقول و هذا الکتاب هو (بهجة الاسرار) و فیه نسب الحکایات الشرکیة التی لا تلائم حال الابرار (الی حضرت الشیخ علیه الرحمة) و هو مملو بالاکاذیب و الاباطیل'' (التاج المکلل: ۱۶۴، رقم الترجمة: ۱۵۹)

☆ شیخ عبد الرحمٰن واسطی: ''شطنوفی کذاب متہم ہے اس کی کتاب بہجۃ الاسرار سے خود شیخ عبد القادر جیلانی کی شخصیت کے خدوخال انجانے لگتے ہیں۔''

(مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں از ڈاکٹر غلام قادر لون: ۵۰۷)

☆ کچھ کتب تصوف کا تعارف کرواکر ڈاکٹر لون صاحب لکھتے ہیں:

''لیکن ان میں سب سے بدتر حال بہجۃ الاسرار کا ہے اس کے مصنف علی بن یوسف شطنوفی ہیں جنہیں وضع حدیث کا مرتکب کہا گیا ہے۔'' (ایضا: ۵۰۶)

☆ علامہ زین الدین ابن رجب لکھتے ہیں:

''ابو الحسن شطنوفی نے شیخ عبد القادر کے اخبار ومناقب میں تین اجزاء جمع کیے ہیں جن میں غلط اور صحیح روایات لکھی ہیں اور انسان کے جھوٹا ہونے

کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرے۔''

☆ مزید لکھتے ہیں:

''میں نے اس کتاب کے بعض حصوں کو دیکھا میرا دل مجہول لوگوں سے لی گئی ان روایات پر اعتماد کرنے کی اجازت نہیں دیتا اس کتاب میں شطحیات طامات دعاوی اور ایسا باطل کلام ہے جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی شیخ عبد القادر جیلانی کی طرف اسے منسوب کرنا مناسب ہے۔'' (ذیل طبقات الحنابلہ طبع دار المعرفہ بیروت جلد ۳، ص ۲۹۳)

☆ مزید کہا: ''شطنوفی نے اپنی اس کتاب بہجۃ الاسرار میں جو باتیں بیان کی ہیں ان کے بیان کرنے میں شطنوفی متہم ہے۔'' (ذیل الطبقات الحنابله لابن رجب، ج ۳، ص: ۲۹۳)

برائے کرم مندرجہ بالا حوالہ جات اور مضمون نگار کی تنقید بر بہجۃ الاسرار ومولف بہجۃ الاسرار کی حقیقت واضح فرمائیں۔ بینوا توجروا

محمد ساجد رضا قادری لاہور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرّحیم نحمده و نصلّی علی حبیبه الکریم

مضمون نگار عبد الرحمٰن ضیا نے کتاب **''بہجۃ الاسرار''** کے بطلان اور اس کے مصنف امام شطنوفی کے کذاب ہونے پر جن حوالہ جات کا سہارا لیا ہے احقر نے جب ان حوالہ جات کی طرف مراجعت کی تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ مضمون نگار نے جس بہجۃ الاسرار کے خلاف مذکورہ بالا عبارات کو پیش کیا ہے **وہ امام شطنوفی کی کتاب ''بہجۃ الاسرار'' نہیں بلکہ علی بن عبد الله بن جہضم کی کتاب بہجۃ الاسرار ہے۔**

مضمون نگار نے خیانت کا جس طرح مظاہرہ کیا ہے وہ یقیناً ان کے مکتبہ فکر سے وابستہ علما سے انہیں ورثہ میں ملا ہے اور وہ اپنے مکتبہ فکر کی جانب سے ضرور انعام کے مستحق ہیں۔ ہم یہاں عبدالرحمن ضیا کی پیش کردہ عبارات کا جائزہ لیتے ہیں۔

مضمون نگار نے لسان المیزان کے حوالے سے علامہ ذھبی کا یہ قول بطور استدلال پیش کیا ہے:

لقد اتی بمصائب فی کتاب بهجة الاسرار یشهد القلب ببطلانها.

ہم نے جب لسان المیزان کا مطالعہ کیا تو یہ عبارت ہمیں ملی تو ضرور، مگر جب سیاق وسباق پڑھا تو مضمون نگار کی علمی صلاحیت ولیاقت سامنے آ گئی۔

ملاحظہ ہو:

علی بن عبدالله بن جهضم الزاهدابو الحسن شیخ الصوفیة بحرم مکة و مصنف کتاب بهجة الاسرار متهم بوضع الحدیث قال ابن خیرون تکلم فیه قال وقیل انه کان یکذب وقال غیره اتهموه بوضع صلاة الرغائب توفی سنة ۴۱۴،....وقال المصنف فی تاریخ الاسلام "لقداتی بمصائب فی کتابه بهجة الاسرار' یشهدالقلب ببطلانها وروی عن ابی بکرالنجادعن ابن ابی العوام عن ابی بکرالمروذی محنة احمدفاتی بهابعجائب وقصص لایشک من له ادنی ممارسة ببطلانهاوهی شبیة بمواضعه البلوی فی محنة الشافعی.(لسان المیزان لابن حجر، ۵/۵۵۴، ۵۵۵)

ترجمہ: ''علی بن عبداللہ بن جہضم حرم مکہ کے صوفیا کا شیخ اور کتاب بہجۃ الاسرار کا مصنف وضع حدیث سے متہم ہے ابن خیرون نے کہا کہ وہ متکلم فیہ ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ جھوٹ بولتا تھا اور ان کے علاوہ لوگوں نے اسے

صلاۃ رغائب کے وضع کے سبب متہم قرار دیا ہے ۴۱۴ھ میں وفات ہوئی.... اور مصنف (امام ذہبی) نے تاریخ الاسلام میں فرمایا کہ ''وہ کتاب بہجۃ الاسرار میں ایسے مصائب لایا کہ دل جن کے باطل ہونے کی گواہی دیتا ہے۔

اور خود امام ذہبی کی کتاب تاریخ الاسلام میں جب اس عبارت کو تلاش کیا تو سیاق و سباق کے ساتھ عبارت کچھ اس طرح تھی:

علی بن عبدالله بن الحسن بن جهضم بن سعید ابو الحسن البورانی الصوفی نزیل مکة و مصنف کتاب بهجة الاسرار فی اخبار القوم..... ولقداتی بمصائب یشهد القلب ببطلانها فی کتاب بهجة الاسرار.

(تاریخ الاسلام ووفیات المشاهیر والاعلام للذهبی مطبع دارالکتاب العربی بیروت لبنان، ۲۸، ص ۲۵۰، ۲۵۱)

ترجمہ: علی بن عبداللہ بن جہضم کتاب بہجۃ الاسرار میں ایسے مصائب لایا کہ دل جن کے باطل ہونے کی گواہی دیتا ہے۔

نیز سیر اعلام النبلا میں بھی علامہ ذہبی علی بن عبداللہ اور اس کی کتاب بہجۃ الاسرار سے متعلق اسی طرح کا حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں:

علی بن عبدالله بن الحسن بن جهضم الهمدانی المجاور مصنف کتاب بهجة الاسرار....لیس بثقة بل متهم یاتی بمصائب قال ابن خیرون قیل انه یکذب.

(سیر اعلام النبلاء لذهبی، ۲۶۵/۳۳)

ترجمہ: علی بن عبداللہ بن جہضم بہجۃ الاسرار کا مصنف ثقہ نہیں ہے بلکہ متہم

ہے اپنی کتاب میں مصائب لایا ہے ابن خیرون نے کہا کہ کہا گیا ہے کہ جھوٹ بولتا تھا۔

لسان المیزان لابن حجر تاریخ الاسلام وسیر اعلام النبلا للذھبی کی مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ علامہ ذہبی نے جس کتاب کے بطلان کا حکم فرمایا ہے وہ علی بن عبداللہ بن جہضم کی ''بہجۃ الاسرار'' ہے نہ کہ امام شطنوفی کی بہجۃ الاسرار۔

مضمون نگار نے مزید حافظ ابن حجر کے حوالے سے بہجۃ الاسرار سے متعلق شیخ کمال الدین جعفر کا درج ذیل قول نقل کیا ہے لکھا ہے:

''حافظ ابن حجر نے شیخ کمال الدین کا مصنف بہجۃ الاسرار کے متعلق قول نقل کیا ہے: ذکر فیه غرائب و عجائب و طعن الناس فی کثیر من حکایات و اسانید فیه.''

اس کے جواب میں ''الاعلام للزرکلی'' ملاحظہ ہو جس میں امام شطنوفی کا ذکر کرتے ہوئے ابن حجر کی اس عبارت کو نقل کیا گیا اور حاشیہ میں اس کی تردید بھی کی گئی ہے۔ اعلام کے متن میں ہے

علی بن یوسف بن حریز بن معضادالخمی ابو الحسن الشطنوفی عالم بالقراءات کان شیخ الدیار المصریة فی عصره من فقهاء الشافعیة..... قال ابن حجر ذکر فیه غرائب و عجائب وطعن الناس فی کثیر من حکایاته و اسانیده فیه''

ترجمہ: شطنوفی قراءات کے عالم اپنے دور میں دیار مصر کے شیخ شافعی فقیہ تھے...ابن حجر نے فرمایا کہ شطنوفی نے کتاب بہجۃ الاسرار میں غرائب و عجائب بیان کیے ہیں اور لوگوں نے ان کی بیان کردہ حکایتوں اور سندوں پر طعن کیا ہے۔

حاشیہ میں ہے:

قلت هذاخلط بین ترجمة الشطنوفی الذی عاش و مات بمصر، وترجمة ابن جهضم علی بن عبدالله الهمدانی المجاور بالحرم المکی المتوفی قبله بثلاثة قرون. (الاعلام للزرکلی، ۵/۳۴)

ترجمہ: یہ خلط ہے شطنوفی جنہوں نے مصر میں زندگی گزاری اور وہیں انتقال فرمایا اور ابن جہضم علی بن عبداللہ ہمدانی حرم مکہ کے مجاور کے درمیان جو شطنوفی سے تین قرن قبل وصال پا چکے تھے۔'' یعنی امام ابن حجر نے امام شطنوفی کے ترجمہ میں علی بن جہضم کی کتاب بہجۃ الاسرار کا ذکر کر دیا ہے اور یہ ان کا سہو ہے۔

مزید یہ کہ شیخ کمال الدین کا جو قول نقل کیا گیا ہے اس میں دو باتیں ہیں ایک بہجۃ الاسرار میں غرائب وعجائب کا ہونا تو یہ تو ہمیں بھی مسلم ہے اس لئے کہ کرامات غرائب وعجائب کے زمرے ہی میں آتی ہیں اور دوسری بات یہ کہ لوگوں نے بہجۃ الاسرار کی بہت سی حکایتوں اور سندوں میں طعن کیا ہے تو شیخ کی یہ بات مبہم ہونے کے سبب لائق اعتبار نہیں ہے کیوں کہ شیخ نے نہ تو ان واقعات کا ذکر فرمایا نہ طعن کرنے والوں کا اور نہ ہی طعن کا وہ کس انداز کا طعن ہے تو بھلا اس کتاب کے معتبر ہونے پر اکثر اسلاف کی صراحت کے خلاف شیخ کا قول مبہم کیسے قبول کیا جا سکتا ہے۔

نیز یہ بھی خیال رہے کہ حافظ ابن حجر نے شیخ کمال الدین کے درج بالا قول سے قبل یہ عبارت ''کان الناس یکرمونه ویعظمونه وینسبونه الی الصلاح'' اور اس قول کے بعد ''کان عالما تقیا مشکور السیرة'' بھی تحریر فرمایا ہے۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک امام شطنوفی کذاب یا وضاع نہیں ہیں اور جب ایسا ہے تو پھر شیخ کمال الدین کا قول لائق اعتنا نہیں رہتا کیوں کہ ان کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہجۃ الاسرار کتاب

میں مندرج واقعات پر لوگوں نے طعن کیا ہے تو اگر انہوں نے واقعات کے جھوٹا یا من گڑھت ہونے کا طعن کیا ہے تو پھر مصنف کا کذاب یا وضاع ہونا ثابت ہوتا ہے حالانکہ امام ابن حجر کی مذکورہ بالا دونوں عبارتیں اس کے برخلاف گواہی دے رہی ہیں۔

علاوہ ازیں شاید مضمون نگار نے امام ابن حجر کی کتاب مستطاب غبطة الناظر فی ترجمة الشیخ عبدالقادر نہیں دیکھی ورنہ وہ امام سے متعلق غلط فہمی کا شکار نہیں ہوتے کیوں کہ امام نے اپنی اس کتاب میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے جو واقعات درج فرمائے ہیں وہ اسی بہجۃ الاسرار سے ماخوذ ہیں جا بجا امام نے بہجۃ الاسرار کا حوالہ دیا ہے اور بیشتر مقامات پر قال الشیخ نور الدین الشطنوفی تحریر فرمایا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابن حجر کے نزدیک امام شطنوفی اور بہجۃ الاسرار دونوں ہی درجۂ اعتبار میں تھے ورنہ وہ امام شطنوفی اور ان کی بہجۃ الاسرار سے استفادہ کیوں کرتے؟

مضمون نگار نے آگے کشف الظنون کے حوالے سے بہجۃ الاسرار کے خلاف ابن الوردی کا قول نقل کیا ہے لیکن اس کے آگے کی عبارت جو ابن الوردی کے جواب میں لکھی گئی ہے اور جس سے مضمون نگار کے مدعا پر بجلیاں گرتی نظر آرہی ہیں مضمون نگار نے اس کو بالکل حذف کر دیا ہے۔ کشف الظنون میں مندرج ابن الوردی کا قول اور اس کی تردید میں صاحب کشف الظنون کا جواب ملاحظہ ہو:

ذکر ابن الوردی فی تاریخه ان فی البهجة امور الاتصح و مبالغات فی شان الشیخ عبدالقادر لاتلیق الابالربوبیة و مثل هذه المقالة قیل عن الشهاب ابن حجر العسقلانی و اقول ما المبالغات التی عزیت الیه ممالایجوز علی مثل و قدتتبعت فلم اجد فیها نقلاً لاولهٗ فیه متابعون و غالب ماورده فیها نقله الیافعی فی اسنی المفاخر و فی نشر المحاسن و روض الریاحین و شمس الدین بن الزکی الحلبی ایضا فی کتاب الاشراف

و اعظم شی نقل عنه انه احیی الموتی کاحیائه الدجاجة ولعمری ان هذه القصة نقلها تاج الدین السبکی و نقل ایضا عن ابن الرفاعی و غیره و انی لغبی جاهل حاسد ضیع عمره فی فهم مافی السطور. (کشف الظنون، ۱/۲۵۶)

ترجمہ: ابن وردی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا کہ بہجۃ الاسرار میں ایسے اُمور ہیں جو صحیح نہیں ہیں اور ایسے شیخ عبدالقادر کی شان میں ایسے مبالغے ہیں جو ربوبیت کے لائق ہیں اور اسی مقالہ کے مثل ابن حجر عسقلانی سے بھی روایت کیا گیا ہے میں کہوں گا کہ وہ کون سے ناجائز مبالغے ہیں جو ان کے شیخ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں میں نے تلاش کے باوجود اس میں کوئی ایسی نقل نہیں پائی جس کے متابع نہ ہوں اور اس میں اکثر وہ روایتیں ہیں جن کو امام یافعی نے اسنی المفاخر اور نشر المحاسن اور روض الریاحین میں اور شمس الدین زکی حلبی نے کتاب الاشراف میں نقل کیا ہے بڑی چیز جو شیخ سے نقل کی گئی ہے وہ ہے ان کا مردے مثلاً مرغی زندہ کرنا مجھے میری زندگی کی قسم اس قصہ کو علامہ تاج الدین سبکی نے نقل کیا ہے نیز یہ قصہ ابن رفاعی وغیرہ سے بھی منقول ہے۔ بلاشبہ بیوقوف جاہل حاسد جس نے اپنی عمر کتاب میں لکھے ہوئے کو سمجھنے میں ضائع کی۔

آگے مضمون نگار نے صاحب بہجۃ الاسرار کے وضاع حدیث ہونے پر درج ذیل عبارت سے استدلال کیا ہے:

''حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس (ابن الوردی) نے اس کے مصنف (ابوالحسن شطنوفی) کو وضع حدیث (حدیث گھڑنے) کا مرتکب قرار دیا ہے۔''

حوالے میں مضمون نگار نے امام ابن حجر کی کتاب لسان المیزان کا حوالہ پیش کیا ہے احقر نے جب لسان المیزان کا مطالعہ کیا تو کہیں بھی احقر کو یہ عبارت نظر نہیں آئی۔ جس طرح مضمون

نگار نے شروع میں لسان المیزان کا مغالطہ دیکر قارئین کو بہکانے کی کوشش کی تھی وہی ناپاک کوشش یہاں بھی کارفرما ہے احقر کے مطالعہ کے مطابق لسان المیزان میں صرف علی بن عبداللہ بن جہضم کے کذاب اور وضاع ہونے اور اس کی کتاب کے باطل ہونے کا ذکر ہے امام شطنوفی کے کذاب یا غیر ثقہ ہونے یا ان کی کتاب ''بہجۃ الاسرار'' کے غیر معتبر ہونے کا ذکر پوری کتاب میں نہیں ہے اور ان شاء اللہ مضمون نگار کبھی دکھا بھی نہیں پائے گا۔

مضمون نگار نے آگے نواب صدیق حسن بھوپالی کے حوالے سے بہجۃ الاسرار کو اکاذیب واباطیل سے بھرا ہوا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

مضمون نگار کو یہ اچھی طرح سے معلوم ہوگا کہ علمائے اہلِ سنت کے نزدیک نہ اس کا کوئی وقار ہے اور نہ ہی اس کی کتابوں کا یہ وہی نواب بھوپالی ہے جس نے اسی کتاب

التاج المکلل صفحہ ۲۰۷ پر لکھا ہے:

فعل الصحابی لایصلح للحجة.

صحابی کا فعل لائق حجت نہیں۔

یہ وہی نواب ہے جس نے بدور الاہلۃ صفحہ ۱۷۵ پر دبر میں وطی کرنا جائز لکھا ہے، صفحہ ۱۸ پر گدھی کتیا اور سورنی کے دودھ کو پاک لکھا ہے، صفحہ ۱۶ پر سور کو پاک لکھا ہے، صفحہ ۱۵ پر شراب کو پاک لکھا ہے، صفحہ ۳۹ پر عورت کا تنہا باپ بیٹے بھائی چچا ماموں کے ساتھ ننگے نماز پڑھنا جائز لکھا ہے۔ السراج الوہاج جلد ۱ ص ۱۴۲ پر منی کو پاک لکھا ہے، ظفر الامانی ۱۴۱ پر چار سے زائد بیویاں رکھنا جائز لکھا ہے، دلیل الطالب صفحہ ۴۱۳ پر کافر کے ذبیحہ کو حلال اور کھانا جائز لکھا ہے۔ الانتقاد الرجیح فی شرح الاعتقاد الصحیح صفحہ ۱۸۷ پر تروایح کے سلسلے میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ بدعتی گمراہ لکھا ہے اور بھی بہت ساری خرافات و مغلظات و کفریات نواب مذکور کی کتابوں میں موجود ہیں یہ مقام تفصیل کا متحمل نہیں ہے۔ مضمون نگار اب خود ہی بتائے کہ جب نواب بھوپالی کے نزدیک صحابی کا فعل حجت نہیں ہوسکتا تو بھلا ہمارے لئے نواب بھوپالی کا قول کیسے حجت ہوسکتا ہے نیز نواب مذکور کی التاج المکلل اور

جملہ مصنفات مجموعۂ مغلطات ہیں ان سے کسی طرح کا استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

آگے چل کر مضمون نگار نے عبدالرحمٰن واسطی کے حوالے سے امام شطنوفی کے کذاب ہونے کی سعی لاحاصل کی ہے مگر مضمون نگار نے نہ ہی عبدالرحمٰن واسطی کا صحیح تعارف پیش کیا اور نہ اصل عبارت نقل کی اور نہ ہی کتاب کا حوالہ دیا بلکہ ڈاکٹر لون کی کتاب کے حوالے سے انہوں نے یہ بہتان نقل کر دیا مضمون نگار اگر اصل حوالہ پیش کرتے تو ضرور اس کا بھی جواب دیا جاتا۔

مضمون نگار نے امام شطنوفی کے کذاب اور بہجۃ الاسرار کے غیر معتبر ہونے پر علامہ ابن رجب حنبلی کا حوالہ پیش کیا ہے ہم نے جب اصل سے مراجعت کی تو ابن رجب حنبلی کا موقف یہی پایا جو مضمون نگار نے لکھا ہے البتہ ہمیں اس پر کوئی حیرت نہیں ہوئی اس لئے کہ ابن رجب حنبلی نے بہجۃ اور صاحب بہجۃ پر جو جرح فرمائی ہے اس میں ابن تیمیہ ابن قیم اور ابن کثیر کی تعلیمات کا اثر کارفرما ہے کیوں کہ ان علماے ثلاثہ کے عقائد اہلِ سنت کے عقائد سے میل نہیں کھاتے بہجۃ الاسرار بلکہ تصوف کی جملہ کتب میں جو عقائد درج ہیں وہ ان کے عقائد کے بالکل متصادم ہیں امام حنبلی ان سے نسبت تلمذ حاصل کرنے کے سبب اور ان کے زیر اثر رہنے کی بنیاد پر یہ بات کہہ گئے ہیں حالانکہ ان کی کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے والے پر یہ بات بخوبی منکشف ہوجائے گی کہ وہ اپنے اساتذہ کے روش پر چلتے ہوئے یہ بات کہہ تو گئے ہیں مگر اس پر وہ خود قائم نہ رہ سکے ہیں اور بہجۃ الاسرار سے ہی کئی واقعات یہ کہہ کر من احسن مافی هذا الکتاب وہ روایت جو اس کتاب میں بہتر ہے۔ اور مرثیہ کے ستائیس اشعار اپنی اس کتاب میں نقل فرمائے ہیں۔ اور رہا امام حنبلی کا یہ فرمانا کہ اکثر روایتیں مجاہیل سے لی گئی ہیں تو اس سے کتاب یا صاحب کتاب کا غیر معتبر ہونا ثابت نہیں ہوتا جمہور کے نزدیک مجہول راویوں کی روایت مقبول مانی جاتی ہے نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن رواۃ کو امام حنبلی نے مجہول سمجھا ہے وہ امام شطنوفی کے نزدیک مجہول نہ ہوں۔

علاوہ ازیں ساری تاویلات وتوضیحات سے قطع نظر ہم مضمون نگار کے اس حوالہ کو مان بھی لیں تب بھی بہجۃ الاسرار کا غیر معتبر اور امام شطنوفی کا کذاب ہونا تسلیم نہیں کیا جائے گا اس

لئے کہ اس معاملے میں امام حنبلی منفرد ہیں اور مضمون نگار کو اچھی طرح معلوم ہوگا کہ اگر کسی ایک محدث نے کسی کتاب یا صاحب کتاب پر جرح کردی تو بس اسی ایک جرح کی بنیاد پر کتاب یا صاحب کتاب کو غیر معتبر قرار نہیں دیا جاتا اگر ایسا ہوتا تو پھر صحاح ستہ بھی درجۂ اعتبار سے خارج ہوجاتیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ نیز ایک طرف امام شطنوفی اور بہجۃ الاسرار کی تضعیف میں امام حنبلی کی جرح ہے تو دوسری طرف شطنوفی اور ان کی کتاب کی توثیق وتائید میں اکثر صوفیائے کرام اور محدثین عظام کی عبارتیں ہیں مضمون نگار کو امام حنبلی کی جرح تو نظر آ گئی مگر علامہ ابن حجر کی کتاب الدرر الکامنہ میں یہ عبارت:

كان الناس يكرمونه ويعظمونه وينسبونه الى الصلاح.... عالماتقيا مشكور السيرة.

علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب حسن المحاضرۃ میں:

الامام الاوحد

نیز بغیۃ الوعاۃ میں یہ عبارت:

وكان كثير من الناس يعتقده و القضاة تكرمه [بغية الوعاة ۲۱۳]

شیخ عبدالحق کی زبدۃ الاسرار میں:

الشيخ الامام الاجل الفقيه العالم المقرى الا وحد البارع

صلاۃ الاسرار میں:

کتاب عزیز بهجة الاسرار ومعدن الانوار معتبر و مقرر و مشهور و مذکور است و مصنف آں کتاب از مشاهیر مشائخ و علماء است۔

نیز اسی کتاب میں شیخ عبدالوہاب متقی کے حوالہ سے یہ عبارت:

بهجة الاسرار کتاب معتبر است۔

علامہ ذہبی کی طبقات المقرئین میں یہ عبارت:

الامام الاوحد....وقد حضرت مجلس اقرائه و استانست بسمته و سكوته

ابوالخیر محمد بن جزری کی نہایۃ الدرایات میں یہ عبارت:

استاذالمحقق البارع

امام عمر بن عبدالوہاب عرضی حلبی کی حاشیہ بہجۃ الاسرار میں یہ عبارت:

قدتتبعتها فلم اجد فيها نقلاً الاوله فيه متابعون وغالب مااورده فيهانقله اليافعي في اسنى المفاخر وفي نشر المحاسن وروض الرياحين وشمس الدين بن الزكي الحلبي ايضافي كتاب الاسراف.

کیوں نظر نہیں آئی؟

کیا مضمون نگار کے نزدیک یہ شخصیات مسلم نہیں؟

کیا امام شطنوفی کی جلالت علم کو یہ اقوال کافی نہیں ہیں؟

اور کیا ان مذکورہ بالا علما کی توثیق وتائید کے بعد بھی امام حنبلی کی جرح کو ترجیح دینا تنگ نظری نہیں ہے؟

مضمون نگار اگر تعصب کی عینک اتار کر کتب صوفیا ومحدثین میں تتبع کریں گے تو یقیناً امام شطنوفی اور بہجۃ الاسرار کی توثیق وتائید ہی پائیں گے۔

مزید برآں امام شطنوفی اور بہجۃ الاسرار سے متعلق خود مضمون نگار اور ڈاکٹر لون کا ذاتی نظریہ ان اکابر علما وصوفیا کے اقوال وآراء ونظریات کے سامنے کوئی وقعت وحیثیت نہیں رکھتا ہے۔ اس لئے اس پر کوئی تبصرہ بے سود ہے۔

الحاصل: مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ امام شطنوفی اور ان کی کتاب بہجۃ الاسرار علما کے نزدیک معتبر ومسلم الثبوت ہے اور اس پر مضمون نگار کے لگائے گئے الزامات باطل و بے بنیاد ہیں۔

هٰذا ما عندي والعلم عندالله تعالى.

کتبـــه

محمدذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ

موبائل پر آیت سجدہ ودرود سننے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علما کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) کیا موبائل سے آیت سجدہ سننے پر سجدہ واجب ہوجاتا ہے؟

(۲) آیت درود "صلوا عليه وسلموا تسليما" اگر موبائل سے سنی تو کیا درود پڑھنا ضروری ہے؟ شریعت کی روشنی میں جوابات مرحمت فرمائیں۔

(حافظ) محمد مقبول رامپور

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم الله الرحمٰن الرّحيم نحمده ونصلّي علىٰ حبيبه الكريم

دونوں سوالوں کے جواب بالترتیب حاضر ہیں:

(۱) موبائل پر آیت سجدہ سننے کی دوصورتیں ہیں

ایک یہ کہ ریکارڈ کی ہوئی آواز ہو۔

دوسری یہ کہ بات کرنے والا آیت سجدہ تلاوت کرے یا اس کے برابر میں کوئی شخص قرآن کی تلاوت کے دوران آیت سجدہ پڑھے اور اس کی آواز دوسری طرف موبائل سے بات کرنے والے کے کان میں پہنچے۔

احقر کے نزدیک دونوں صورتوں میں سجدۂ تلاوت واجب نہیں، اس لئے کہ ریکارڈ سے سننا اور موبائل سے سننا دونوں سماع معاد کے حکم میں ہیں اور سماع معاد پر سجدہ واجب نہیں۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"سجدہ سماع اول پر ہے نہ معاد پر اگرچہ خاص اس سامع کی نظر سے مکرر نہ ہو" [الکشف شافیا، فتاوی رضویہ ۹/۲۲]

(۲) اس کا حکم مثل سجدۂ تلاوت ہے علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے اس کو سجدہ تلاوت کے مثل مانا ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

وجوب الصلاة مرة في كل مجلس كسجود التلاوة.

[فتاوی شامی ۲/۲۲۷]

لہٰذا سجدہ تلاوت میں حکم وجوب سماع اوّل پر ہے تو یہاں بھی اگر ریکارڈ شدہ آیت درود سنی یا موبائل کے ذریعہ سنی، دونوں صورتوں میں درود پڑھنا واجب نہیں ہے۔

البتہ دونوں صورتوں میں درود پڑھ لینا مجرد عن الثواب نہیں ہے۔

کتبـــه

محمدذوالفقار خان نعیمی

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

قیمتی موبائل کا استعمال اسراف نہیں ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ آج کل عموماً لوگ مہنگے موبائل استعمال کر رہے ہیں کیا یہ فضول خرچی نہیں ہے؟
قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

محمد مقتصد خان لکرالہ بدایوں

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

قیمتی موبائل کے خریدنے میں اگر قصد معصیت نہ ہو تو اسکا خریدنا اور استعمال میں لانا جائز ہے، اور یہ اسراف نہیں ہے کیونکہ اسراف غیر حق میں صرف کرنے کا نام ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

''اسراف کی تفسیر میں کلمات متعددہ وجہ پر آئے غیر حق میں صرف کرنا۔ یہ تفسیر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمائی:

الفریابی وسعید بن منصور و ابوبکربن ابی شیبة والبخاری فی الادب المفرد وابناء جریر والمنذر وابی حاتم والطبرانی والحاکم وصححه والبیهقی فی شعب الایمان واللفظ لابن جریر کلهم عنه رضی اللّٰه تعالیٰ عنه فی قوله تعالیٰ ولاتبذر تبذیرا قال التبذیر فی غیر الحق وهو الاسراف.

اسراف دوصورتوں میں منحصر ہے معصیت اور اضاعت اگر ان دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک بھی پائی جائے گی تو اسراف ہوگا۔

حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''وہ قطب جن پر ممانعت کے افلاک دورہ کرتے ہیں دو ہیں ایک مقصد معصیت، دوسرا بیکار اضاعت اور حکم دونوں کا منع وکراہت''

آگے اس کی مثال میں فرماتے ہیں:

''معاصی میں صرف معصیت ہونا تو بدیہی ہے زید نے سونے چاندی کے کڑے اپنے ہاتھوں میں ڈالے یہ اسراف ہوا کہ فعل خود گناہ ہے اگرچہ تھوڑی دیر پہننے سے کڑے خرچ نہ ہوجائیں گے اور بلاوجہ محض اپنی جیب میں ڈالے پھرتا ہے تو اسراف نہیں کہ نہ فعل خود گناہ ہے نہ مال ضائع ہوا اور اگر دریا میں پھینک دئے تو اسراف ہوا کہ مال کی اضاعت ہوئی اور اضاعت کی ممانعت پر حدیث صحیح ناطق'' الخ [فتاوی رضویہ جلد۱/ص۱۸۰،۱۸۴]

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی
۹/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

معتکف یا غیر معتکف کا مسجد میں موبائل سے دینی ودنیاوی بات کرنے کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسائل میں؛
(۱) کیا مسجد میں موبائل سے دنیوی بات کرنا صحیح ہے؟
(۲) معتکف کا مسجد میں موبائل سے دینی یا دنیاوی ضروری باتیں کرنا کیسا؟

محمد جاوید رضا خان کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ و نصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

(۱) مسجد میں موبائل یا بغیر موبائل دنیاوی بات کرنا جائز نہیں ہے۔ آیت کریمہ

وان المساجد للّٰه فلاتدعوا مع اللّٰه احدا.

اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو [ترجمہ کنز الایمان]

کی تفسیر میں ملا جیون علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

هذه الأية وان كانت تحمل المعانی واختلف فیها الآراء الاانها علی ظاهرها مما یستدل به علی انه لایجوز فی المسجد التكلم بكلام الدنیا.....وقدقال النبی صلی الله علیه وسلم من تكلم بكلام الدنیا فی خمسة مواضع احبط الله تعالیٰ منه عبادة اربعین سنة الاول فی المسجد الخ

یہ آیت اگرچہ چند معانی پر محمول ہے اور اس میں آراء مختلف ہیں مگر اس کا ظاہر یہی ہے کہ دنیاوی کلام مسجد میں جائز نہیں ہے.....اور فرمایا نبی کریم ﷺ نے پانچ مقامات پر دنیاوی بات کرنے والے کیا اللہ تعالیٰ چالیس سال کی عبادت باطل فرمادیتا ہے جس میں سے پہلا مقام مسجد ہے۔ [تفسیرات احمدیہ، پارہ۲۹، ص۴۸۹]

غنیۃ المستملی میں ہے:

یجب ان تصان.....عن حدیث الدنیا.

مسجد میں دنیاوی بات سے بچنا واجب ہے۔ [فصل فی احکام المسجد ص۵۲۶]

فتاویٰ عالمگیری باب فی آداب المسجد میں ہے:

الجلوس فی المسجد للحدیث لایباح بالاتفاق لان المسجد مابنی لامور الدنیا وفی خزانة الفقه ما یدل علی ان الكلام المباح من حدیث الدنیا فی المسجد حرام قال ولا یتكلم بكلام الدنیا.

مسجد میں بات کرنے کے لیے بیٹھنا بالاتفاق جائز نہیں اور خزانۃ الفقہ میں جو ہے وہ اس بات پر دال ہے کہ دنیاوی جائز بات مسجد میں حرام ہے کہا اور دنیاوی بات نہ کرے۔ [جلد۵/ ۳۲۱]

فتاویٰ رضویہ میں حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ کے حوالے سے ہے:

كلام الدنیا اذا كان مباحا صدقا فی المساجد بلاضرورة داعیة الی ذالک كالمعتكف یتكلم فی حاجته اللازمة مكروه كراهة تحریم.

یعنی دنیا کی بات جبکہ فی نفسہ مباح اور سچی ہو مسجد میں بلاضرورت کرنا حرام ہے ضرورت ایسی جیسے معتکف اپنے حوائج ضروریہ کے لیے بات کرے۔ [جلد۶/۴۰۳]

(۲) دینی باتیں یا دنیاوی جائز ضروری باتیں مسجد میں کرسکتا ہے۔

درمختار کتاب الصوم باب الاعتکاف میں ہے:

وتكلم الابخیر وهو مالااثم فیه ومنه المباح عند الحاجة الیه لاعندعدمها

بہتر کلام کرے اور بہتر وہ ہے جس میں کوئی گناہ نہ ہو اور اسی میں سے ضرورت کے وقت جائز بات کرنا ہے نا کہ بغیر ضرورت۔ [جلد۳/ ۴۴۱،۴۴۲]

ردالمحتار میں اس عبارت کے تحت ہے:

کرہ تکلم الاتکلمابخیر.

سوائے خیر کے کوئی بات کرنا مکروہ ہے۔[جلد۳/۴۴۱]

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

ولایتکلم الابخیر هذایتناول المعتکف وغیرہ الا انه فی المعتکف اشد

بہتر کلام کرے یہ حکم معتکف وغیر معتکف دونوں کے حق میں ہے مگر معتکف کے حق میں زیادہ مؤکد ہے۔[جلد۱/۲۱۴]

اور اگر بات دینی نہ ہو اور نا ہی ضروری ہو تو پھر معتکف کے لئے حکم کراہت ہے اگر چہ بات جائز ہی ہو۔

فتاوی شامی میں ہے:

فیکرہ للمعتکف التکلم بالمباح.

(معتکف کے لیے جائز بات کرنا بھی مکروہ ہے)[جلد۱/۲۱۴]

مراقی الفلاح میں معتکف کے لئے مسجد میں جائز بات کرنے کے تعلق سے فرمایا:

الکلام المباح مکروہ. [ص ۷۰۵]

کتبـــ
محمد ذوالفقار خان نعیمی

۱۵/شوال المکرم ۱۴۳۳ھ

موبائل کے مسائل پر مشتمل تفصیلی فتوی

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں؛

(۱) اجنبیہ عورتوں سے موبائل پر بات چیت کرنا کیسا اور (customercare) موبائل آفس میں موجود لڑکیوں سے موبائل کے تعلق سے جانکاری حاصل کرنے میں کوئی حرج تو نہیں؟

(۲) موبائل پر گیم کھیلنا کیسا؟

(۳) موبائل کے کیمرے سے کسی جاندار کی تصویر کھینچنا اور اس کو اپنے موبائل کی اسکرین پر رکھنا یا پھر اس کو اندر کسی فولڈر میں چھپا کر رکھنا کہ جب جی چاہے دیکھ لیں، کیسا ہے؟

(۴) موبائل میں گانے قوالیاں سننا فلمیں دیکھنا کیسا؟

(۵) کیا موبائل میں گانے فلمیں قوالیاں بھرنا جائز ہے؟ اور اس کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟

مذکورہ بالا سوالات کے تفصیلی جوابات مرحمت فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

محمد نسیم القادری متعلم الجامعۃ الرضا بریلی شریف

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

بالترتیب جوابات ملاحظہ ہوں:

(۱) اجنبیہ عورتیں چاہے وہ موبائل آفس میں ہوں یا کہیں بھی ان سے بلاضرورت بات چیت کرنا ناجائز ہے۔ کیوں کہ عورت کی آواز بھی عورت ہوتی ہے۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

”نوازل امام فقیہ ابواللیث میں ہے:

”نغمة المرأة عورة“ (عورت کی آواز عورت ہے)

کافی امام ابوالبرکات نسفی میں ہے:

”لاتلبی جهرا لان صوتها عورة“ (عورت بلند آواز سے تلبیہ نہ پڑھے اس لیے کہ اس کی آواز عورت ہے)[فتاوی رضویہ، ۹/۱۴۷]

جب عورت کی آواز بھی عورت ہے تو جس طرح اجنبیہ عورت کو دیکھنا جائز نہیں ہے اس سے بات کرنا بھی جائز نہ ہوگا ہاں اگر ضرورت ہو تو بقدر ضرورت بات کرنے کی اجازت ہے، حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح اور ردالمحتار میں ہے:

فانا نجیز الکلام من النساء الاجانب ومحاورتهن عندالحاجة.

ہمارے نزدیک ضرورت کے وقت اجنبیہ عورتوں سے بات کرنے کی اجازت ہے۔[حاشیہ طحطاوی ص ۲۴۲، ردالمحتار، ۲/۷۹]

اور ردالمحتار ہی میں مذکور ”یجوز الکلام المباح مع امرأة اجنبیة“ [۹/۵۳۰] (اجنبیہ عورتوں سے جائز بات کرنا جائز ہے) ان عبارات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ صرف ضرورت متحقق ہونے کے وقت بقدر ضرورت اجنبیہ عورتوں سے گفتگو کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔

علاوہ ازیں موبائل آفس میں موجود لڑکیوں سے گفتگو کرنے میں ضرورت موجود نہیں کیوں کہ فون کاٹ کے دوبارہ لگانے پر کسی نہ کسی لڑکے سے بات ہو جاتی ہے۔

(۲) حدیث پاک میں ہے:

قال رسول اللہ ﷺ کل مایلهو به المرء المسلم باطل الارمیه بقوسه وتادیبه فرسه وملاعبته امرأته فانهن من الحق.

ہر وہ کھیل جس سے مسلمان آدمی کھیلتا ہے باطل ہے مگر اس کا اپنی کمان سے تیر اندازی کرنا اور اپنے گھوڑے کو تربیت دینا اور اپنی بیوی سے چھیڑ چھاڑ پس یہ کھیل حق ہیں)[سنن النسائی، باب الرمی فی سبیل اللہ، ص ۲۰۲]

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وفی معناها کل مایعین علی الحق من العلم والعمل اذاکان من الامور المباحة کالمسابقة بالرجل والخیل والابل والتمشیة لتنزه علی قصد تقویة البدن وتطریة الدماغ.

حدیث میں بیان کردہ کھیلوں میں ہر وہ کھیل داخل ہے جو علم وعمل کے لیے معاون بنتا ہو اور فی نفسہ جائز کاموں میں اس کا شمار ہوتا ہو جیسا کہ پیدل دوڑ، گھوڑ دوڑ، اونٹوں کی دوڑ، یا بدن کی تقویت اور دماغ کی تراوٹ کے ارادہ سے چہل قدمی۔[مرقاۃ المفاتیح ۷/۳۹۶]

حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”لذت لعب شرع کریم وعقل سلیم کے نزدیک فائدہ معتد بہا نہیں مگر جبکہ لہو مباح ہو اور تعب کے بعد اس سے ترویح قلب مقصود اب نہ وہ عبث رہے نا حقیقت لعب اگر چہ صورت لعب ہو۔

ولہٰذا حدیث میں ہے، حضور سید اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الهو او العبو افانی اکره ان یرمی فی دینکم غلظة، رواه البیهقی فی شعب الایمان

(کھیلو کودو کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی تمہارے دین میں سختی دیکھے اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے)

امام ابن حجر مکی کف الرعاع پھر سیدی عارف باللہ حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

" اللھو المباح ماذون فیه منه ﷺ

(جائز کھیل کی نبی کریم ﷺ کی جانب سے اجازت ہے۔)

[فتاوی رضویہ قدیم جلد۱/۲۰۱]

ان عبارات سے یہ نتیجہ نکلا کہ موبائل پر ہر وہ گیم کھیلنا جائز ہے جس میں دینی یا دنیوی فائدہ ہو یا بدن کی تقویت اور دماغ کی تراوٹ مقصود ہو اور اس میں خلاف شرع کوئی امر جیسے جاندار کی تصویر وغیرہ نہ ہو۔ اور ایسے گیم جس میں جاندار کی تصاویر ہوں اور اس گیم سے کوئی دنیوی یا دینی فائدہ بھی نہ ہو اور نہ ہی اس سے بدن یا دماغ کو تازگی میسر آئے اس میں اپنا وقت ضائع کرنا خالی از کراہت نہیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"ہر کھیل اور عبث فعل جس میں نہ کوئی غرض دین نہ کوئی منفعت جائزہ دنیوی ہو سب مکروہ و بے جا ہیں کوئی کم، کوئی زیادہ الخ۔ [فتاوی رضویہ قدیم ۹/۴۴]

(۳) موبائل کے کیمرے سے ہو یا کسی اور چیز کے ذریعہ کسی بھی جاندار کی تصویر کشی ناجائز وحرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان اصحاب هذه الصور یعذبون یوم القیامة ویقال لهم احیوا ما خلقتم

روز قیامت مصورین عذاب دئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ ان تصویروں میں جو تم نے بنائی ہیں جان ڈالو) [بخاری شریف ۲/۸۸۱]

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قال اصحابنا وغیرهم من العلماء: تصویر صورة الحیوان حرام شدید التحریم وهو من الکبائر لانه متوعدا علیه

بهذا الوعید المذکور فی الاحادیث سواء صنعه فی ثوب او بساط او درهم او دینار او غیر ذالک.

ہمارے اصحاب اور دیگر علماء نے فرمایا حیوانات کی تصویر بنانا سخت حرام ہے اور بڑے گناہوں میں سے ہے اس لئے کہ اس پر شدید وعید آئی ہے جو احادیث میں مذکور ہے، چاہے کسی کپڑے پر تصویر بنائی جائے، یا بستر پر یا درہم و دینار پر یا اس کے علاوہ پر۔

[مرقاۃ المفاتیح کتاب اللباس باب التصاویر جلد۸/۳۲۳]

ردالمحتار میں ہے:

فعل التصویر فهو غیر جائز طلقا لانه مضاهاة لخلق الله

تصویر بنانا مطلقاً جائز نہیں ہے کیونکہ وہ تخلیق الٰہی سے مشابہ ہے۔

[جلد۲/۴۲۰]

لہٰذا جب تصویر کشی ہی حرام ٹھہری تو پھر اس کا اسکرین پر رکھنا کب روا ہوگا کہ اس میں ایک شیء حرام کی حفاظت ہے جو حرام ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"ناجائز تصویریں حفاظت سے رکھ چھوڑنا خود ہی منع ہے۔ [عطایا القدیر فی حکم التصویر ۵۴]

رہا تصویر کا کسی فولڈر میں محفوظ کر لینا کہ جب جی چاہے دیکھ لیں یہ بھی ناجائز ہے، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اقول ولا قرة عین فیه لمن یتمسک التصاویر فی صندوقه لینظر فیها متی شاء فانها وان کانت مستورة ما دامت فی الصندوق لکنه یفتحه ویخرجها فتظهر فیاتی التحریم

والامساک لامر ممنوع کمن امسک امرأة لیفجر بها فی اثم الفجور حین لا یفجر لان الاعمال بالنیات.

میں کہوں گا کہ اس عبارت میں اس شخص کی آنکھ کی ٹھنڈک نہیں جس نے بکس میں تصویریں رکھی ہوں کہ جب چاہے انہیں دیکھ لے اس لئے کہ اگر چہ وہ چھپی ہوئی ہیں لیکن جب وہ بکس کھول کر نکالے گا نمایاں ہوں گی لہٰذا تحریم کا حکم ہوگا اور ممنوع چیز کو رکھنا بھی منع ہے جیسے کہ کوئی عورت کو بدی کے لئے روک لے تو اس پر بدی کا گناہ ہوگا اگر چہ وہ بدی نہ کر رہا ہو اور اعمال کا اعتبار نیت سے ہے

[مرجع سابق ص، ۵۶]

(۴) گانے سننا مرد یا قوالیاں سننا ناجائز وحرام ہے۔

درمختار میں ہے:

قال ابن مسعود صوت اللهو والغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البنات.

حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ کھیل اور گانے کی آواز دل میں نفاق پیدا کر دیتی ہے جس طرح پانی گھاس اگا دیتا ہے) [جلد۵/۳۵۲]

درمختار ہی میں بزازیہ کے حوالے سے ہے:

وفی البزازیه استماع صوت الملاهی کضرب قصب ونحوه حرام لقوله علیه الصلاة والسلام استماع الملاهی معصیة.

اور بزازیہ میں ہے کہ گانے کے آلات کی آواز جیسے بانسری بجنے کی آواز اور اس کے مثل سننا حرام ہے نبی کریم ﷺ کے فرمان "ملاہی کا سننا گناہ ہے" کی وجہ سے) [جلد۹/۵۰۴]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

قال رحمه الله تعالیٰ السماع والقول والرقص اللذی یفعله المتصوفه فی زماننا حرام لایجوز القصد الیه والجلوس علیه.

حلوانی، اللہ رحمت فرمائے ان پر، انہوں نے فرمایا کہ سماع اور قول اور ناچ وہ جسے (نام نہاد) صوفیہ کرتے ہیں ہمارے زمانے میں حرام ہے اس کی طرف ارادہ اور اس میں بیٹھنا جائز نہیں۔ [باب الغناء واللهو، جلد۵/۳۵۲]

عبارات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ گانا اور قوالیوں کا سننا ناجائز وحرام ہے۔ اب رہا یہ کہ موبائل میں سننا تو موبائل ہو یا موبائل کے علاوہ میں ہر طرح حرام ہے۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"شک نہیں کہ طبلہ، سارنگی، ڈھولک، ستار یا ناچ یا عورات کا گانا یا فحش گیت وغیرہ جن آوازوں کا فونو کے باہر سننا حرام ہے بلاشبہ ان کا فونو سے بھی سننا حرام ہے۔ [فتاوی رضویہ ۹/۱۸]

اور رہا فلم کا دیکھنا تو اس کے ناجائز وحرام ہونے میں کوئی شک نہیں کہ وہ مجموعۂ مفاسد اور مفضی الی النار ہے اس میں ناچ گانے مرد وزن کا اختلاط وعریانیت جیسے بے شمار امور ممنوعہ پائے جاتے ہیں۔

(۵) موبائل میں گانے فلمیں قوالیاں بھرنا ناجائز وحرام ہے کہ یہ اعانۃ علی المعصیۃ یعنی گناہ پر مدد کرنا ہے قرآن میں ہے:

ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان.

گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ [ترجمہ کنز الایمان سورہ مائدۃ آیۃ ۲]

فتاوی عالمگیری کتاب الشہادات میں ہے:

الاعانة علی المعاصی والفجور والحث علیها من جملة الکبائر.

گناہوں اور برائیوں پر مدد کرنا اور اکسانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

[جلد۳/۴۵۱]

اوراس کی آمدنی بھی ناجائزوحرام ہے۔فتاوی عالمگیری کتاب الاجارۃ میں ہے:

لا تجوز الاجارة على شيء من الغناء والنوح والمزامير والطبل وشيء من اللهو

گانا،نوحہ کرنا،ڈھول تاشے اورکھیل کود کے کسی بھی چیز پر مزدوری جائز نہیں۔[جلد۴/۴۴۹]ھٰذا ماعندی والعلم عند اللّٰہ تعالیٰ.

کتبہ

محمدذو الفقار خان نعیمی

مؤرخہ۲۸/ربیع النور ۱۴۳۴ھ

مسجد کے نیچے دوکان میں قرآن وغیرہ کارکھنا

کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں مسجد کی دوکان ہے جوکہ عام راستہ پر ہے زیداس میں کتابیں اورقرآن پاک فروخت کرتا ہے دوکان کے پیچھے سے زینہ ہے اوردوکان کے اوپر لیٹرین بنی ہے حجرے کا راستہ بھی ہے بکر کہتا ہے کہ دوکان میں قرآن وغیرہ رکھے ہیں ان کی بے حرمتی ہورہی ہے جبکہ دوکان کا رخ اور راستہ عام راستہ کی طرف ہے ان ساری چیزوں کا راستہ دوسرے رخ سے تو کیااس طرح بے حرمتی ہورہی ہے بالدلیل جواب عنایت فرما کرعنداللہ ماجورہوں۔

المستفتی خلیل احمد محلّہ وجے نگر کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علی حبیبہ الکریم

صورت مسئولہ میں قرآن مجیداوراس کے علاوہ جوبھی کتب شرعیہ دینیہ دوکان میں موجود ہیں ان کی توہین وبے حرمتی لازم نہیں آرہی ہے۔

فقہ حنفی کی معتبرومستند کتاب ''محیط برھانی'' میں ہے:

لو وضع في البيت لابأس بالنوم على سطحه ....واذا حمل المصحف اوشيء من كتب الشريعة على دابة في جوالق وركب صاحب جوالق على الجوالق لا يكره.

اگرگھرمیں قرآن رکھاہوتوچھت پرسونے میں کوئی حرج نہیں....اورجب قرآن شریف یا کتب شرعیہ بورے میں کرکے سواری کے جانورپررکھدی جائیں اورسواراس بورے پربیٹھ جائے توکوئی کراہت نہیں)[الفصل الخامس،۵/۱۵۴]وهكذافي الهنديه،۵/۳۲۲]

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

لوجعل المصحف في الجوالق وهو يركب عليه لابأس به للحفظ ولغير الحفظ يكره.

اگرقرآن بورے میں رکھااوروہ اس پرسوارہوگیاتوکوئی حرج نہیں جب کہ یہ بیٹھناحفاظت کی غرض سے ہوورنہ مکروہ ہے)[کتاب الطهارة،باب الحيض،۱۴۸] هٰذاماعندي والعلم عندالله تعالیٰ.

کتبہ

محمدذو الفقار خان نعیمی

مورخہ۲۹/جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ

﴿آزرحضرت ابراہیم کاچچاتھا،اورقیامت ملک شام میں واقع ہوگی﴾

کیافرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل میں؛

(۱)کیاآزرحضرت ابراہیم علیہ السلام کاوالدتھا؟اگرنہیں توپھرحضرت کےوالدکانام کیاتھا؟

(۲)میدانِ قیامت ملکِ شام ہے یامیدانِ عرفات؟

حاجی اصغرحسین بیل جوڑی کاشی پور

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علی حبیبہ الکریم

آزرحضرت ابراہیم علیہ السلام کاچچاتھاباپ نہیں۔حضرت کےوالدگرامی کانام نامی اسم گرامی تارخ یاتارح ہے۔حضورصدرالافاضل علیہ الرحمہ اپنی تفسیرخزائن العرفان میں آیت کریمہ ''واذقال ابراهيم لابيه آزر''کےتحت فرماتے ہیں:

''قاموس میں ہے کہ آزرحضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچاکانام ہے امام علامہ جلال الدین سیوطی نے مسالک الحنفاء میں بھی ایساہی لکھاہے چچاکوباپ کہناتمام ممالک میں معمول ہے''[پارہ۷،سورہ انعام آیت ۷۵]

مفتی احمدیارخان نعیمی علیہ الرحمہ اسی آیت کریمہ کےتحت رقم طرازہیں:

''امام جلال الدین سیوطی نے مسالک الحنفاء میں نیزمفردات میں امام راغب نےتفسیرکبیرمیں امام رازی نےعلامہ آلوسی نےتفسیرروح المعانی میں فرمایاکہ آزرحضرت ابراہیم کاچچاتھاآزربت پرست تھا۔آپ کےوالدکانام

تارح ہے جومومن وموحدتھےتفسیرابن کثیرنےبھی یہی کہاہے۔'' [تفسیرنعیمی پارہ۷سورہ انعام،ص۶۰۵]

علامہ جلال الدین سیوطی اپنے رسالے مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ، میں علامہ امام فخرالدین رازی علیہ الرحمہ کےحوالےسےرقم طرازہیں:

الامام فخر الدين الرازی فقال في كتابه"اسرار التنزيل"مانصه'قيل ان آزرلم يكن والدابراهيم بل كان عمه،واحتجوا عليه بوجوه منها ان آباء الأنبياء ماكانوا كفاراً، الخ.

امام فخرالدین رازی نےاپنی کتاب اسرارالتنزیل میں فرمایاکہ کہاگیاکہ آزرحضرت ابراہیم کاباپ نہیں بلکہ چچاتھا۔اوراس پرچندوجوہ سےاحتجاج کیاگیاہےان میں سےایک یہ کہ انبیاء کےآباءکافرنہیں تھے۔[مسالک الحنفاء، ص۲۳]

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اہل تواریخ واہل کتابین(یہودونصاریٰ)کااجماع ہے کہ آزرباپ نہ تھاسیدخلیل علیہ السلام الجلیل کاچچاتھا''

[فتاوی رضویہ جدید،۳۰/۲۸۴]

مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''تحقیق یہ ہےکہ آزرسیدناابراہیم علیہ السلام کاباپ نہیں تھا،چچاتھا۔ان کےوالدماجدکانام تارخ تھا۔ [فتاویٰ شارح بخاری،ج۱ص۵۴۹]

نیزعلامہ عینی نےشرح بخاری میں تارح بالحاءاورتارخ بالخاءدونوں کونقل کیاہے[عمدة القاری شرح بخاری ۱۱/۵۲]

الحاصل: اکثر علماء اہلسنّت کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم حضرت تارخ یا تارح ہیں اور آزر چچا ہے۔

(۲) قیامت کا میدان ملک شام ہے۔ حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں:

''آخر حشر روز قیامت کا حشر ہے کہ آگ سب لوگوں کو سرزمین شام کی طرف لے جائے گی اور وہیں ان پر قیامت قائم ہوگی۔''

[تفسیر خزائن العرفان پارہ ۲۸ سورہ حشر آیت ۲]

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہے:

''یحشر الناس احیاء الی الشام''

لوگ زندہ کر کے ملک شام کی طرف جمع کئے جائیں گے۔

[جلد ۱۰/ ۱۹۰ باب الحشر]

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبـــ

شریعت کی روشنی میں تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

محمد ناظم رضوی منصوری، قصبہ پیپل سانہ مرادآباد

الجواب بعون الملک الوھّاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

بالوں کے ٹرانسپلانٹیشن (پیوندکاری) سے متعلق کوئی حکم بیان کرنے سے پہلے ہم اس سے متعلق احادیث کریمہ ونصوص محدثین وفقہاء کا جائزہ لیتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

عن اسماء بنت ابی بکر ان امرأۃ جاءت الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلّم فقالت انی انکحت ابنتی ثم اصابھا شکوی فتمرق رأسھا و زوجھا یستحثنی بھا افاصل رأسھا فسب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم الواصلۃ والمستوصلۃ.

ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ میری بیٹی کے چیچک کی وجہ سے بال جھڑ گئے ہیں اور میں نے اس کا نکاح کردیا تو کیا میں اس کے بال جوڑ دوں۔ آپ نے فرمایا کہ بال جوڑنے والی اور جڑوانی والی پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے:

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم لعن اللّٰہ الواصلۃ والمستوصلۃ والواشمۃ والمستوشمۃ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بال جوڑنے اور جڑوانے والی اور گودنے اور گودوانے والی پر اللہ کی لعنت ہے۔ [البخاری باب الوصل فی الشعر ۲/ ۸۷۸، ۸۷۹]

بالوں کے ٹرانسپلانٹیشن کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں سر پر اگر بال کم ہوں کچھ جگہ خالی ہو تو کیا بالوں کی ٹرانسپلانٹیشن یعنی خالی جگہ پر اپنے یا کسی اور کے بال لگوا سکتے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ ''الواصلۃ'' کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ای التی تصل الشعر سواء کان لنفسھا ام لغیرھا''

واصلہ وہ ہے جو بال جوڑے خواہ اپنے یا اپنے غیر کے

اور

المستوصلۃ''ھی التی تطلب وصل شعرھا.

مستوصلہ وہ ہے جو اپنے بال جڑوائے۔

[فتح الباری فی شرح البخاری، باب وصل الشعر، ۱۰/ ۳۵، ۳۴۳]

عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے

نقل ابوعبید عن کثیر من الفقھاء ان المنع فی ذالک وصل الشعر بالشعر

ابوعبید نے بہت سے فقہاء سے نقل کیا کہ بال کا بال سے جوڑنا منع ہے۔ [باب الوصل فی الشعر]

فیض القدیر شرح جامع صغیر میں ہے:

وقال القرطبی ھذا نص فی تحریم وصل الشعر بشعر.

امام قرطبی نے فرمایا کہ یہ نص بال کو بال سے ملانے کی حرمت میں ہے۔

[فیض القدیر شرح جامع صغیر، حرف اللام، ۵/ ۲۷۳]

احکام جراحۃ التجمیل فی الفقہ الاسلامی میں ہے:

اتفق الفقھاء علی تحریم وصل الشعر فی الجملۃ.

فقہا نے بال ملانے کی حرمت پر بالکلیہ اتفاق کیا ہے۔ [ج ۱، ص ۳]

مذکورہ بالا احادیث اور عبارات علماء سے صرف یہ مفہوم مستفاد ہو رہا ہے کہ بالوں کو بالوں سے ملانا حرام ہے۔

البتہ محدثین کرام وفقہاء عظام کے آراء ونظریات سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مطلقاً بالوں کا ملانا حرام نہیں بلکہ اپنے یا غیر کے بال دوسرے کے بال سے ملانا حرام ہے۔ ملاحظہ ہو۔

شرح نووی میں ہے:

اما الواصلۃ فھی التی تصل شعر المرأۃ بشعر آخر .... وھذہ الاحادیث صریحۃ فی تحریم الوصل ولعن الواصلۃ والمستوصلۃ مطلقاً وھذا ھو الظاھر المختار ....وفی ھذا الحدیث ان الوصل حرام سواء کان لمعذورۃ او عروس او غیرھما

واصلہ وہ ہے جو عورت کے بال دوسرے کے بال کے ساتھ ملائے اور یہ احادیث بال ملانے کی حرمت کے سلسلے میں صریح ہیں اور واصلہ اور مستوصلہ کی لعنت مطلق ہے یہی ظاہر پسندیدہ ہے اور اس حدیث میں وصل حرام ہے خواہ وہ معذورہ کے لئے یا دلہن یا ان دونوں کے علاوہ کے لئے ہو) [ج ۷ ص ۲۳۶، باب تحریم فعل الواصلۃ]

حاشیۃ السندی علی ابن ماجۃ میں ہے:

الواصلۃ ھی التی تصل الشعر بشعر آخر سواء اتصل بشعرھا او بشعر غیرھا.

واصلہ وہ ہے جو دوسرے کے بال سے بال ملائے خواہ اپنے بال یا دوسرے کے) [۴/ ۱۷۵]

تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں ہے:

''الواصلۃ''ای التی تصل الشعر سواء کان لنفسھا ام لغیرھا.

واصلہ وہ ہے جو بال سے بال ملائے خواہ اپنے یا دوسرے کے) [تحفۃ الاحوذی، ۵/ ۳۶۸، باب ماجاء فی مواصلۃ الشعر]

احکام جراحة التجمیل فی الفقه الاسلامی میں ہے:

الواصلة فی الاحادیث هی التی تصل شعر امرأة بشعر اخری لتکثر به شعر المرأة .... ان الوصل حرام لان اللعن لایکون علی امر غیر محرم و دلالة اللعن علی التحریم من اقوی الدلالات...... اتفق فقهاء الحنفیه و المالکیة و الحنابلة و الظاهریة و الشافعیة علی تحریم وصل شعر المرأة بشعر آدمی بقصد التجمل و التحسین سواء اکان الشعر الذی تصل به شعرها ام شعر زوجها ام محرمها ام امرأة اخری غیرها لعموم الاحادیث الواردة فی النهی عن الوصل و لانه یحرم الانتفاع بشعر الادمی و سائر اجزائه لکرامته بل یدفن شعره و ظفره و سائر اجزاء ه.

واصلہ احادیث میں وہ عورت ہے جو عورت کے بال دوسری عورت کے بال سے ملائے تاکہ اس سے عورت کے بال زیادہ ہو جائیں.....وصل حرام ہے اس لئے کہ لعنت نہیں ہوتی ہے غیر حرام معاملہ پر اور لعنت کی دلالت وصل کی حرمت پر دلیلوں میں سب سے مضبوط ہے....فقہاء حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ، ظاہریہ اور شوافع عورت کے انسان کے بال کے ساتھ بال ملانے کی حرمت پر متفق ہیں۔ زینت اور خوبصورتی کے ارادے سے خواہ وہ بال جو وہ عورت جوڑ رہی ہے اسی کا بال ہو یا اس کے شوہر کا یا اس کے محرم کا یا دوسری عورت کا ان احادیث کے عمومیت کی وجہ سے جو بال ملانے کی نہی میں وارد ہوئیں ہیں اور اس لئے کہ نفع حاصل کرنا آدمی کے بال سے اور اس کے تمام اجزا سے اس کی بزرگی کے سبب ہے۔ بلکہ اس کے بال اور ناخون اور تمام اجزاء دفن کئے جائیں گے)[۱،ص۴]

مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الابحر میں ہے:

ویکره وصل الشعر بشعر آدمی سواء کان شعرها او شعر غیرها

آدمی کے بال کے ساتھ بال جوڑنا مکروہ ہے خواہ وہ عورت کے بال ہوں یا اس کے غیر کے)[فصل فی المتفرقات ،۸/۲۱۱]

شرح بهجة الوردیة میں ہے:

وصلها شعرها بشعر آدمی حرام قطعالانه یحرم الانتفاع بشیء منه لکرامته سواء کان شعرها او شعر غیرها اذن فیه الزوج او لالانه بانفصاله من الآدمی تجب مواراته کذافی الروضة.

عورت کا اپنے بال آدمی کے بال کے ساتھ جوڑنا حرام قطعی ہے اس لئے کہ حرام ہے نفع حاصل کرنا آدمی کی کسی جز سے اس کی بزرگی کی وجہ سے خواہ وہ بال عورت کا ہو یا اس کے غیر کا اس کے شوہر نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو اس لئے کہ اس کا آدمی سے الگ ہونا واجب کردیتا ہے اس کی تکریم کو۔[۳/۴۵۵،فصل فی بیان شروط الصلاة]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وصل الشعر بشعر الآدمی حرام سواء کان شعرها أو شعر غیرها کذافی الاختیار شرح المختار"

آدمی کے بال کے ساتھ بال جوڑنا حرام ہے خواہ وہ بال عورت ہو یا غیر کا۔[الفتاوی الهندیه کتاب الکراهیة .۵/۳۵۸]

بدائع الصنائع میں ہے:

یکره للمرأة ان تصل شعر غیرها من بنی آدم بشعرها لقوله علیه السلام لعن الله الواصلة و المستوصلة.

عورت کے لیے اپنے بال دوسرے آدمی کے بال کے ساتھ ملانا مکروہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "لعن الله الواصلة و المستوصلة" کی وجہ سے)[کتاب الاستحسان باب حکم الخلوة باالمرأة]

فتاوی شامی میں تاتارخانیہ کے حوالے سے ہے:

لکن فی التاتارخانیه واذا وصلت المرأة شعر غیرها بشعرها فهو مکروه

لیکن تاتارخانیہ میں ہے کہ جب عورت اپنے غیر کے بال اپنے بال کے ساتھ ملائے تو مکروہ ہے۔[کتاب الحظر و الاباحة ۹/۵۳۵]

مزید واصلة کی تشریح میں فرماتے ہیں:

الواصلة التی تصل الشعر بشعر الغیر.

واصلہ وہ ہے جو بال غیر کے بال سے ملائے۔

[کتاب الحظر و الاباحة، ۹/۵۳۶]

مذکورہ بالا عبارات محدثین وفقہاء کی روشنی میں صاف ظاہر ہوگیا کہ اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے کے بالوں کو ملانا حرام ہے۔

رہا اپنے بالوں میں اپنے ہی بال ملانے کا حکم تو اس سلسلے میں اس وقت کوئی صریح جزیہ فقیر کی نظر میں نہیں آیا۔ البتہ احادیث کے تناظر میں بیان کردہ علماء کے ارشادات سے ماخوذ حکم شرع (بالوں کا دوسرے کے بالوں سے جوڑنا حرام ہے) سے یہی مستفاد ہو رہا ہے کہ اپنے بالوں کا اپنے ہی بالوں سے جوڑنا حرام نہیں ہے مزید یہ کہ اپنے بالوں میں اپنے ہی بال جوڑنے سے متعلق شرعاً ممانعت نہ ہونا ہی جواز کے لیے کافی ہے۔

لہٰذا بالوں کی پیوندکاری (ٹرانسپلانٹیشن TRANSPLANTAION) اگر اپنے ہی بالوں سے ہے یعنی اپنے بال اپنے ہی بالوں میں جوڑے جائیں تو احقر کے نزدیک جائز ہے۔

هذا ما عندی والعلم عندالله تعالیٰ ورسوله صلّی الله علیه وسلم

کتبــــــــــه

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مورخه ۸/رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

داڑھی منڈے کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ منبر رسول پر داڑھی منڈے کو بٹھانا کیسا ہے؟ اور اس کے بارے میں نورانی چہرہ والا کہنا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا

المستفتی محمد ناظم قاضی باغ

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم الله الرحمٰن الرّحیم نحمده ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

ایک مشت داڑھی رکھنا ازروئے شرع واجب ہے اس سے کم کرنے والا شرعاً فاسق و گنہگار ہے۔ اس کو منبر پر بٹھانا اس کے مکروہ چہرہ کو نورانی کہہ کر اس کی تعریف کرنا کسی بھی طور پر اس کی تعظیم وتکریم کرنا ناجائز وحرام مستوجب غضب الٰہی اور عذاب شدید کا باعث ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہکوا الشوارب واعفوا اللحی

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ نے فرمایا مونچھیں پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

[صحیح البخاری کتاب اللباس باب اعفاء اللحی، ۱/۸۷۵]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

حلق کردن لحیہ حرام است وروش افرنج و ہنود وجو القیان است کہ ایشانرا قلندریہ گویندو گزاشتن آن بقدر قبضہ واجب است۔

داڑھی منڈانا حرام ہے اور انگریزوں، ہندوؤں اور قلندروں کا طریقہ ہے اور ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے۔[کتاب الطہارۃ باب السواک، ج ۱ ص ۱۱۳]

شعب الایمان للبیہقی میں حضرت انس بن مالک سے مروی ہے:

قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ عزوجل یغضب اذا مدح الفاسق فی الارض.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عزوجل غضب فرماتا ہے۔

دوسری حدیث شریف میں جو حضرت انس سے ہی مروی ہے فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ اذا مدح الفاسق غضب الرب واہتزلہ العرش.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کی وجہ سے عرشِ الٰہی کانپ جاتا ہے۔

[شعب الایمان للبیہقی ج ۴ ص ۲۳۱، باب فی حفظ اللسان]

اس کی تعظیم تو درکنار علما نے تو اس کی توہین کا حکم فرمایا ہے۔ صاحب تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق فاسق کی توہین کو واجب قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

الفاسق.... وجب علیہم اہانتہ شرعاً.

لوگوں پر از روئے شرع فاسق کی توہین ضروری ہے۔

[۲/۱۵۷، باب الاحق بالامامۃ]

لہٰذا جس شخص نے بھی داڑھی منڈے کو منبر پر بٹھایا اور نورانی چہرہ والا کہا اسے چاہیے توبہ کرے اور آئندہ ایسی خلاف شرع بات زبان پر نہ لائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۲/ذی الحجۃ ۱۴۳۳ھ

غیر مسلم سے گوشت بنوانا

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں ایک مسلمان نے لڑکی کی شادی میں ایک غیر مسلم جس کی جھٹکے کے گوشت بیچنے کی دوکان ہے اس سے مرغہ کا گوشت بنوایا اس نے اپنے گوشت رکھنے کے سارے برتن چھریاں کراکری کا استعمال کیا مرغہ ذبح

کرنے کے لئے ایک مسلمان لڑکا لگا رکھا تھا۔ اس گوشت کو جن مسلمانوں نے کھایا ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

شہاب الدین محلّہ کٹورہ تال کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ غیر مسلم کی دوکان سے گوشت بنوانا اس وقت جائز ہوگا جب کہ ذابح (ذبح کرنے والا) مسلمان ہو اور روزِ ذبح کے وقت سے لیکر گوشت بنوانے والے مسلمان کے ہاتھوں میں گوشت پہنچنے کے وقت تک گوشت کسی لائق اعتبار مسلمان آدمی کے نگاہ کے سامنے رہے۔ ورنہ اس گوشت کا خریدنا بنوانا کھانا اور کھلانا، سب ناجائز وحرام ہوگا اور کھانے اور کھلانے والوں پر توبہ ضروری۔

حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فتاویٰ رضویہ میں ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''ہاں اگر وقت ذبح سے وقت خریداری تک وہ گوشت مسلمان کی نگرانی میں رہے بیچ میں کسی وقت مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو اور یوں اطمینان کافی حاصل ہو کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے تو اس کا خریدنا جائز اور کھانا حلال ہوگا۔'' [فتاوی رضویہ جدید ۲۰/۲۸۲]

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''اگر ذبح کرکے اسے (یعنی کافر کو) دے دیا اور کوئی مسلمان دیکھتا نہ رہا اس نے گوشت بنایا اور مسلمانوں کو دیا تو اس کا کھانا سرے سے حلال ہی نہ رہا'' فان الکافر لا یقبل قولہ فی الدیانات'' دین کے

امور میں کافر کی بات قابل قبول نہیں'' [فتاوی رضویہ جدید، ۲۰/۳۰۹]

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۱۲/شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

روٹی چومنے کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماے کرام درج ذیل مسئلہ میں لوگ روٹی کو چومتے ہیں اس کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ مع حوالہ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

محمد ذیشان کٹ گھر مرادآباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلّی علی حبیبہ الکریم

روٹی کی تعظیم وتکریم جائز بلکہ مستحب ہے نبی محترم ﷺ نے روٹی کی تعظیم وتکریم کا حکم عطا فرمایا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

لاتقطعو الخبز بالسکین اکرموہ فان اللہ اکرمہ.

روٹی کو چھری سے مت کاٹو اس کی تکریم کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مکرم بنایا ہے۔[مسند الفردوس للدیلمی، ۱/۴۸۸]

اور روٹی چومنے سے متعلق درمختار میں ہے:

اما تقبیل الخبز فحرر الشافعیة انه بدعة مباحة وقیل حسنةو قالوا یکره دوسه لا بوسه.

رہا روٹی چومنا تو شوافع نے بدعت مباحہ لکھا ہے اور کہا گیا ہے کہ بدعت حسنہ ہے اور انہوں نے کہا کہ اس کا کچلنا مکروہ ہے نہ کہ چومنا۔[باب الاستبراء، ۹/۵۵۲]

عقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی لابن عابدین میں ہے:

کون تقبیل الخبز بدعة فصحیح ولکن البدعة لاتنحصر فی الحرام بل تنقسم الی الاحکام الخمسة ولا شک انه لایمکن الحکم علی هذا بالتحریم لانه لادلیل علی تحریمه ولا بالکراهة لان المکروه ماورد فیه نهی خاص ولم یرد فی ذالک نهی والذی یظهران هذا من البدع المباحة فان قصد بذلک اکرامه لاجل الاحادیث الواردة فی اکرامه فحسن. [۷/۴۳۶]

روٹی چومنا بدعت ہے صحیح ہے لیکن بدعت حرام میں منحصر نہیں ہے بلکہ بدعت پانچ احکام میں منقسم ہوتی ہے اور کوئی شک نہیں کہ اس پر حرام کا حکم ممکن نہیں اس لئے کہ اس کے حرام اور مکروہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں اس لئے مکروہ وہ ہے جس کے سلسلے میں کوئی نہی خاص وارد ہو اور اس سلسلے میں کوئی نہی وارد نہیں ہوئی اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بدعت مباحہ ہے پس اگر روٹی چومنے سے اس کی تعظیم کا ارادہ کر لے ان احادیث کے سبب جو روٹی کی تعظیم میں وارد ہیں اچھا ہے۔

واللہ تعالی اعلم.

کتبــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲/ربیع الغوث ۱۴۳۴ھ

(اورل سیکس) ہم بستری کا غلط طریقہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں

(۱) کیا شوہر اپنی حائضہ بیوی کی شہوت کی تسکین کے لئے اس کی شرمگاہ میں اپنی انگلی کا استعمال کر سکتا ہے؟

(۲) اورل سیکس (یعنی میاں بیوی کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو چوسنا) شرعاً کیسا ہے؟

(۳) بیوی اگر حالت حیض میں ہو تو کیا وہ شوہر کی منی اپنے ہاتھ سے نکال سکتی ہے؟

شریعت کی روشنی میں جوابات عنایت فرمائیں۔

(مفتی) محمد کاشف رضا بنگلور

۱۲/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمده ونصلی علی حبیبه الکریم

(۱) یہ عمل از روئے شرع جائز نہیں ہے کیوں کہ شوہر کے لئے حائضہ بیوی کی شرمگاہ یا ناف سے گھٹنے تک کسی حصہ کا چھونا جائز نہیں ہے۔

بحر الرائق میں ہے:

یحرم علیه الاستمتاع بمابین السرة والرکبة.

مرد کو ناف اور گھٹنے کے درمیان فائدہ اٹھانا حرام ہے۔ [بـــــــاب الحیض، ۱/۳۴۴]

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

فیجوز الاستمتاع بالسرة وما فوقها والرکبة وماتحتهاو المحرم الاستمتاع بمابینهما.

ناف اور ناف کے اوپر اور گھٹنا اور اس کے نیچے فائدہ اٹھانا جائز ہے اور ان دونوں کے درمیان فائدہ اٹھانا حرام ہے)[باب الحیض، ۱/۱۴۹]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''کلیہ یہ ہے کہ حالتِ حیض و نفاس میں زیر ناف سے زانو تک عورت کے بدن سے بلا کسی ایسے حائل کے جس کے سبب جسم عورت کی گرمی اس کے جسم کو نہ پہنچے تمتع جائز نہیں یہاں تک کہ اتنے ٹکڑے بدن پر شہوت سے نظر بھی جائز نہیں اور اتنے ٹکڑے کا چھونا بلا شہوت بھی جائز نہیں اور اس سے اوپر نیچے کے بدن سے مطلقاً ہر قسم کا تمتع جائز یہاں تک کہ سحق ذکر کر کے انزال کرنا۔[فتاوی رضویہ جدید، ۴/۳۵۳]

(۲) علماء کرام نے اس عمل کو مکروہ قرار دیا ہے

محیط برہانی میں ہے:

''اذا ادخل الرجل ذکره فی فم امرأته فقدقیل یکره لانه موضع قراءة القرآن فلایلیق به ادخال الذکر فیه''

جب مرد اپنے آلہ کو اپنی بیوی کے منہ میں داخل کرے تو کہا گیا ہے کہ مکروہ ہے اس لیے کہ منہ قرآن پڑھنے کی جگہ ہے۔ پس اس وجہ سے آلہ کا منہ میں داخل کرنا مناسب نہیں ہے۔[۱/۱۳۴]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

فی النوازل اذا ادخل الرجل فی فم امرأته قدقیل یکره.

نوازل میں ہے کہ جب مرد اپنے آلہ کو اپنی بیوی کے منہ میں داخل کرے

تو کہا گیا ہے کہ مکروہ ہے۔[۵/۵۷۲]

(۳) ہاں یہ عمل جائز ہے۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

یجوز ان یستمنی بیدزوجته او خادمته''

اپنی بیوی یا خادمہ (لونڈی) کے ہاتھ سے منی نکالنا جائز ہے۔

[کتاب الحدود، ۶/۳۹] واللہ تعالیٰ اعلم بالصّواب.

کتبــہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ ۲۶/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

سیکس ڈول

(SEX DOLL)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کی بابت کہ قضائے شہوت کے مصنوعی طریق اختیار کرنا کیسا ہے؟ مشت زنی اور زنا کے علاوہ یورپی تہذیب کے اثرات سے نت نئے ذرائع سامنے آ رہے ہیں۔ یورپی کمپنی کا ایک پروڈکٹ Sex Doll ہے یعنی مصنوعی لڑکی جو کہ ویب سائٹ پر فروخت کے لیے پیش کی جا رہی ہے جو کہ جسامت اور قد و قامت میں مثل انسان ہے اور ویب سائٹ پر دی گئی Promo Vedio کے مطابق تمام حرکات و سکنات میں بھی مثل جسم انسانی ہے۔ ایسے آلات کا بنانا، فروخت کرنا، خریدنا اور استعمال کرنا عند الشرع کیسا ہے؟

گلزار احمد قادری، پاکستان

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نحمده و نصلّی علٰی حبیبه الکریم

اس مصنوعی لڑکی کا استعمال ازروئے شرع ناجائز ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے لیے بیوی اور باندی کو تسکین قلب ونفس کا ذریعہ بنایا ہے مرد کے لیے ان دونوں کے علاوہ کسی اور سے استمتاع جائز نہیں۔فتاوی شامی میں ہے:

فلو ادخل ذکره فی حائط او نحو حتی امنی او استمنی بکفه بحائل یمنع الحرارة یاثم ایضا ویدل ایضا علی ما قلنا فی الزیلعی حیث یستدل علی عدم حله بالکف بقوله تعالیٰ والذین هم لفروجهم حافظون الآیة وقال فلم یبح الاستمتاع الابهما ای بالزوجة والامة"فافاد عدم حل الا ستمتاع ای قضاء الشهوة بغیرهما.[کتاب الصوم، مطلب فی حکم الاستمناء بالکف، ۳/ ۳۷۱]

اگر مرد نے اپنے ذکر کو دیوار یا اس کے مثل کسی چیز میں داخل کیا یہاں تک کہ منی نکل آئی یا حرارت کو روکنے والی کسی چیز کے ہوتے ہوئے ہاتھ سے منی نکالی تو وہ گنہگار ہوگا زیلعی میں ہاتھ سے منی نکالنے کے جائز نہ ہونے پر قرآن کی آیت:

والذین هم لفروجهم حافظون

اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں

سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ بیوی اور باندی کے سوا کسی سے استمتاع جائز نہیں ہے تو اس بحث نے استمتاع یعنی بیوی اور باندی کے سوا شہوۃ پوری کرنے کے حلال نہ ہونے کا نفع دیا۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ علماء نے شہوت کے اس حد تک برانگیختہ ہو جانے پر کہ زنا یا کسی اور امر حرام کے ارتکاب کی نوبت آجانے کا قوی اندیشہ ہو مشت زنی کو جائز قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ امید ہے کہ مواخذہ نہ ہوگا۔جیسا کہ درمختار میں ہے:

وکذا الاستمناء بالکف وان کره تحریما لحدیث ناکح الید ملعون ولو خاف الزنا یرجی ان لا وبال علیه.

اور یوں ہی ہاتھ سے منی نکالنا اگرچہ حدیث مشت زنی کرنے والا ملعون ہے کے سبب مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر زنا کا اندیشہ ہو تو امید ہے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

اس کے حاشیہ میں امام شامی فتح کے حوالے سے فرماتے ہیں:

فان غلبته الشهوة ففعل ارادة تسکینها به فالرجاء ان لایعاقب

اگر مرد پر شہوۃ کا غلبہ ہو اور وہ تسکین شہوۃ کی غرض سے جلق کرلے تو امید ہے کہ عذاب نہیں دیا جائے گا۔

مزید فرماتے ہیں:

وفی السراج ان اراد بذلک تسکین الشهوة المفرطة الشاغلة للقلب وکان عزبا لازوجة له ولا امة او کان الا انه لایقدر علی الوصول الیها بعذر قال ابو اللیث ارجو ان لا وبال علیه.

سراج میں ہے کہ اگر جلق کے ذریعہ حد سے بڑھی ہوئی اور دل کو بہکانے والی شہوۃ کی تسکین مقصود ہو اور وہ کنوارا ہو اس کی کوئی بیوی اور باندی نہ ہو یا ہو مگر کسی عذر کے سبب ان سے مطلب براری ممکن نہ ہو تو فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ اس پر کوئی وبال نہ ہوگا۔

لیکن اس کو اس مصنوعی گڑیا پر محمول نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ یہ گڑیا مجموعۂ منکرات و مفسدات ہے۔شہوۃ کو برانگیختہ کرنے اور لذت اندوزی کا آلہ ہے اور جہاں تک شہوۃ کو حاصل

کرنے اور لذت کی تحصیل کا معاملہ ہے ہرگز ہرگز سوائے بیوی اور باندی کے کسی بھی چیز سے شہوۃ اور لذت حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا۔

ردالمحتار میں ہے:

واما اذا فعله لاستجلاب الشهوة فهو آثم.

اور جب مشت زنی شہوۃ کو حاصل کرنے کے لیے کی تو گنہگار ہوگا۔[مرجع سابق]

لہٰذا اس مصنوعی گڑیا کا استعمال اور اس کا بنانا اور اس کی خرید وفروخت ازروئے شرع بالکل ناجائز ہے۔

هٰذا ما عندی والعلم عند اللّٰہ تعالیٰ.

کتبــه

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۱۳/ ربیع النور ۱۴۳۴ھ

مچھر مارنے کی مشین کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ میں کہ مچھروں کو مارنے کے لئے ایک مشین مارکیٹ میں آئی ہے جس میں کرنٹ ہوتا ہے اور وہ بجلی سے چارج ہوتی ہے اس کا استعمال مچھر کو مارنے کے لئے کیا جاتا ہے ازروئے شرع اس کا استعمال کیسا؟

جواب عنایت فرمائیں۔

محمد انیس عالم رضوی پاکبڑ امرادآباد

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم نحمده و نصلّی علٰی حبیبه الکریم

اس آلہ کا کام ہے مچھروں کو جلا دینا ہے اور کسی بھی جاندار کو جلانے سے شریعت نے ممانعت فرمائی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وسلم فِي سَفَرٍ ، فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهِ ، فَرَأَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَأَخَذْنَا فَرْخَيْهَا ، فَجَاءَتِ الْحُمَرَةُ ، فَجَعَلَتْ تُعَرِّشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ ، فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هَذِهِ بِوَلَدِهَا ؟ رُدُّوا وَلَدَهَا إِلَيْهَا وَرَأَى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا ، فَقَالَ مَنْ حَرَّقَ هَذِهِ ؟ قُلْنَا نَحْنُ ، قَالَ إِنَّهُ لاَ يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلاَّ رَبُّ النَّارِ .

حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے والدگرامی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہم سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے آپ قضائے حاجت کو تشریف لے گئے ہم نے ایک چڑیا دیکھی جس کے ساتھ دو بچے تھے ہم نے اس کے دونوں بچے پکڑ لئے تو چڑیا پر بچھانے لگی اتنے میں نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے آپ نے فرمایا اسے اس کے بچوں کی وجہ سے کس نے تڑپایا ہے اس کے بچے اسے واپس کردو اور پھر آپ نے ایک چیونٹیوں کا بل دیکھا جسے ہم نے جلا دیا تھا فرمایا کہ اسے کس نے جلایا؟ ہم نے کہا کہ ہم نے جلایا ہے فرمایا کہ آگ کے ساتھ عذاب دینا آگ پیدا کرنے والے کے سوا کسی کے لئے مناسب نہیں ہے۔

[سنن ابو داود، کتاب الادب، باب فی قتل الذر، ۲/ ۷۱۴]

اس حدیث مبارک سے صاف ثابت ہے کہ جاندار کوجلانے کا اختیار صرف اللہ کو ہے بندے کواس کی اجازت نہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

وأما في شرعنا فلا يجوز احراق الحيوان بالنار الا في القصاص بشرطه

ہماری شریعت میں جاندار کوجلانا جائز نہیں ہے البتہ قصاص میں اس کی شرط کے ساتھ اجازت ہے)[فتح الباری شرح صحیح بخاری، ۳۵۸/۶]

درمختار میں ہے:

في المبتغي يكره احراق جراد وقمل وعقرب ولا بأس بأحراق حطب فيمانمل

مبتغی میں ہے کہ ٹڈی اور گھن اور بچھوجلانا مکروہ ہے اور اگر لکڑی میں ہوتو اس لکڑی کوجلانے میں کوئی حرج نہیں۔

علامہ شامی نے اس کراہت کوکراہت تحریمی قرار دیا ہے "يكره احراق جراد" کے تحت فرماتے ہیں:

اى تحريما

(یعنی ٹڈی وغیرہ کوجلانا مکروہ تحریمی ہے)[کتاب الخنثی، ۴۸۲/۱۰]

محیط برہانی میں ہے:

وفي فتاوى أهل سمرقندإحراق القمل والعقرب بالنار مكروه، جاء في الحديث لا يعذب بالنار إلا ربها.

فتاوی اہل سمرقند میں ہے ٹڈی اور بچھوکوجلانا مکروہ ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ آگ سے عذاب نہیں دے گا مگر آگ کا پیدا کرنے والا۔

[۲۵۴/۵، الفصل الثالث والعشرون]

مذکورہ بالا حدیث مبارک اور فقہی عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ کسی جاندار کوجلانا جائز نہیں ہے کیوں کہ جلا کر عذاب دینا صرف اللہ کے لئے ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ مچھر مہلک جانور ہے اس کے کاٹنے سے انسان کے جسم میں ڈینگو بخار، ملیریا اور ٹائی فائڈ جیسی بہت ساری مہلک بیماریاں پیدا ہوسکتی ہیں اوران بیماریوں کے سبب انسان کا بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔لیکن مچھروں کو بھگانے اور مارنے کے اور بہت سارے طریقے موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے اس طریقہ کارکواپنانا کسی بھی لحاظ سے درست نہیں ہونا چاہئے۔

ھذاماعندی والعلم عنداللّٰہ تعالیٰ.

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــہ

محمدذوالفقارخان نعیمی

مؤرخہ۲۳/رجمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

۲۵سوالات کے تفصیلی جوابات

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱): اہلسنّت و جماعت کسے کہتے ہیں؟

(۲): سنّی کی پہچان کیا ہے؟

(۳): محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ اللہ کے ولی ہیں لگ بھگ سبھی مسلمان آپ سے محبت کرتے ہیں مگر آپ کے طریقے پر چلنے والوں کو"وہابی" کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہی لوگ آپ کے طریقہ پر نماز پڑھتے ہیں تو کیا یہ بات صحیح ہے؟

(۴) کتابوں میں پڑھنے اور سننے کوملتا ہے کہ چاروں امام (امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنھم) حق پر ہیں ان میں سے کسی ایک امام کی پیروی کرنا واجب ہے مگران کے ماننے والوں میں شدید اختلاف کیوں؟

(۵) محفل میلاد کاانعقاد کرنا کیسا؟

(۶) نماز سے فارغ ہونے کے بعد محفل میلاد اور قرآن خوانی کے بعد ایک طرف ترچھا ہو کر کھڑے ہو کر درودوسلام پڑھنا کیسا؟

(۷) بزرگوں کے نام پر صدقہ، خیرات کرنا کیسا ہے۔؟

(۸) احباب و عام مسلمین کوکھانا کھلانا نیاز یا فاتحہ کے طور پر کیسا ہے۔

(۹) کھانا آگے رکھ کرفاتحہ پڑھنا اورآپس میں بانٹ کرکھانا۔کہاں سے ثابت ہے۔

(۱۰) شب برأت کے دن حلوہ پکانا، کھلانا، آتش بازی کرنا اور موم بتی جلانا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۱) اذان وغیرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کرانگوٹھے چومنا کیسا؟

(۱۲) فرض نماز کی اذان کے بعد صلاۃ پڑھنا کیسا؟

(۱۳) جمعہ میں خطبہ کی اذان مسجد کے اندر سنت ہے یا دروازے پر اور مسجد کے اندر اذان پڑھنا کیسا؟

(۱۴) تکبیر بیٹھ کرسننا چاہئے یا کھڑے ہو کر؟

(۱۵) وتر کی نماز فرض، واجب، سنت کیا ہے اس کی قضا پڑھی جانی چاہئے یا نہیں؟

(۱۶) نماز پڑھنے کے لئے جب کھڑے ہوں تو اپنے اور دوسرے مقتدی کے پاؤں کے درمیان کیا چار انگلیوں کا فاصلہ رکھا جائے گا؟

(۱۷) بعد نماز دعا کے لئے قبلہ سے منھ پھیر لینا اور دعا مانگنا کیسا؟

(۱۸) فجر کی نماز کے بعد پابندی کے ساتھ مصافحہ کرنا کیسا؟

(۱۹) داڑھی منڈانا کیسا ہے اور داڑھی منڈے کے پیچھے نماز ہو جائے گی یا نہیں

(۲۰) شریعت میں داڑھی کی مقدار کیا ہے؟

(۲۱) مونچھیں بالکل صاف کر دینا کیسا ہے؟

(۲۲) قربانی کا گوشت غیر مسلم دوستوں کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲۳) مرنے کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے کوغسل دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲۴) قبر کے اندر عہد نامہ رکھنا کیسا؟

(۲۵) میت کودفن کرنے کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہو کر اذان پڑھنا کیسا؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیلی جوابات عنایت فرمائیں۔ بينوا توجروا

محمد مقبول انصاری

کوارٹر نمبر ۶۹۶، پنت نگر ضلع اودھم سنگھ نگر

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

تمام سوالات کے ترتیب وار جوابات تحریر کیے جارہے ہیں:

(۱) اہلسنّت وجماعت کی تعریف

جولوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے اصحاب کے طریقہ پر ہیں اصطلاح شرع میں انہیں اہلِ سنت وجماعت کہاجاتا ہے۔

ملاعلی قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

اھل السنۃ والجماعۃ وھم الذین طریقتھم کطریقۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واصحابہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم. [کتاب المناقب باب ثواب ھذہ الامۃ ج ۱۱ ص ۱۱۴]

اہل سنت وہ ہیں کہ ان کا طریقہ اللہ کے رسول ﷺ اوران کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ کی طرح ہے۔

(۲) سنّی کی پہچان

موجودہ دور میں سنّی کی پہچان یہ ہے کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرے قرآن وحدیث اورصحابہ ودیگر اسلاف سے جوعقائد ثابت ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کوجھوٹ وغیرہ عیوب ونقائص سے پاک ومنزہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ونظیر کومحال ماننا نبی کوعلوم غیبیہ کا عالم ماننا، حاضروناظر تسلیم کرنا اللہ کے حکم سے مختار کونین جاننا، اوروہ شعائر جوقرآن وحدیث یا صحابہ واسلاف سے ثابت ہوں جیسے متبرک مقامات واوقات کا احترام، جشن عید میلاد النبی ومجلس میلاد نبی اور اولیاء کرام کا اعراس کا انعقاد اور نیاز وفاتحہ کرنے اور بہت سے شعائر جو اسلاف سے اب تک چلے آرہے ہیں ان کوجائز اور باعث برکت سمجھنا، مزید یہ کہ علامہ فضل حق

خیرآبادی، علامہ فضل رسول بدایونی ،علامہ کفایت اللہ کافی، حضور اعلیٰ حضرت، حضور صدر الافاضل وغیرہم علمائے اہلسنّت کے عقائدونظریات وتعلیمات کو مانے موجودہ دور میں اسی کوسنّی کہتے ہیں۔اور یہی سنی ہونے کی پہچان ہے۔

(۳) وہابی غوث پاک کے طریقہ پر نہیں

یہ بات سراسر غلط ہے کہ غوث پاک کے طریقہ پر چلنے والوں کووہابی کہاجاتا ہے۔وہابی ان لوگوں کوکہاجاتا ہے جومحمد بن عبدالوہاب نجدی کے عقائدونظریات کی تقلید کرتے ہیں اورمحمد بن عبدالوہاب نجدی جس کے تعلق سے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

''یہ ناپاک ترکہ اسی بے باک اخبث امام اول دین مستحدث یعنی ابن عبدالوہاب نجدی علیہ ماعلیہ کا ہے کہ اپنے موافقان ناخردمندنفرے چندبے قیدوبندآزادی پسندکے سوا تمام عالم کے مسلمانوں کوکافرومشرک کہتااورخوداپنے باپ دادااساتذہ مشائخ کوبھی صراحۃ کافر کہہ کرپوری سعادت مندی ظاہرکرتا.....اگرچہ بظاہرادعائے حنبلیت رکھتامگرمذاہب ائمہ کومطلقاً باطل جانتااورسب پرطعن کرتااوراپنے اتباع ہرکندہ ناتراشیدہ کومجتہد بننے کاحکم دیتا۔''

اعلیٰ حضرت ابن عبدالوہاب نجدی سے متعلق مزید فتاوی شامی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

کما وقع فی زماننا فی اتباع عبدالوھاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذھب الحنابلۃ لکنھم اعتقدوا انھم ھم المسلمون وأن من خالف اعتقادھم مشرکون، واستباحوا بذلک قتل اھل السنۃ وقتل علمائھم حتی کسر اللّٰہ تعالٰی شوکتھم وخرب بلادھم

وظفر بھم عساکر المسلمین عام ثلاث وثلاثین ومائتین وألف.

یعنی خارجی ایسے ہوتے ہیں جیساہمارے زمانے میں پیروان محمد بن عبدالوہاب نجدی سے واقع ہواجنہوں نے نجد سے خروج کرکے حرمین محترمین پرتغلب کیااوروہ اپنے آپ کوکہتے توحنبلی تھے مگران کا عقیدہ یہ تھا کہ مسلمان بس وہی ہیں اورجوان کے مذہب پرنہیں وہ سب مشرک ہیں اس وجہ سے انہوں نے اہلسنّت کا قتل اوران کے علماء کا شہید کرنا مباح ٹھہرالیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑدی اوران کے شہروایران کئے اورلشکر مسلمین کوان پرفتح بخشی ۱۲۳۳ھ میں۔

[النیر الشھابی علی تدلیس الوھابی، ص ۶، ۷]

اوردیوبندی مولوی حسین احمدمدنی اپنی کتاب الشہاب الثاقب میں لکھتے ہیں

''محمد بن عبدالوہاب نجدی.....خیالات باطلہ اورعقائد فاسدہ رکھتا تھا... الحاصل وہ ایک ظالم وباغی خونخوارفاسق شخص تھاالخ ''[الشہاب الثاقب ص ۵۴]

اورمولوی رشید احمد گنگوہی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

''محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کووہابی کہتے ہیں۔''

[فتاوی رشیدیہ ۲۴۱، ۲۴۲]

الحاصل: وہابی محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متبعین کوکہاجاتا ہے نا کہ غوث پاک کے طریقہ پر چلنے والوں کو۔

رہا یہ کہنا کہ وہ غوث پاک کے طریقہ پرنماز پڑھتے ہیں تواپسا بھی نہیں ہے غوث پاک تومسلکاً حنبلی تھے یعنی مسائل میں امام احمد بن حنبل کی تقلید کرتے تھے اوران وہابیوں کے نزدیک توائمہ اربعہ میں سے کسی کی بھی تقلید جائز نہیں یہی نہیں بلکہ ان کی تقلید کرنے والاان کے نزدیک کافرومشرک ہے۔تو بھلاوہ غوث پاک کے طریقہ پرکہاں ہوئے ان کا طریقہ تومحمد بن عبدالوہاب

نجدی کا طریقہ ہے۔یہ الگ بات کہ ظاہراً ان کی نماز کا طریقہ تھوڑا بہت حنبلی مسلک سے ملتا جلتا ہے لیکن یہ حنبلی نہیں ہیں۔

(۴) مقلدین کا آپس میں کوئی ذاتی اختلاف نہیں

ائمہ اربعہ کے مقلدین وپیروکارحضرات کے درمیان کوئی اختلاف نہیں البتہ مسائل میں ضرور اختلاف ہے اوروہ بھی فروعی مسائل میں نا کہ مسائل عقائد میں اورمسائل میں اختلاف توصحابہ کے درمیان بھی رہاہے یہ کوئی معیوب بات نہیں۔

(۵) محفل میلاد کا انعقاد باعث برکت ہے

جائزومستحسن اور باعث برکت ہے۔حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''حضور نعمۃ اللہ ہیں قرآن عظیم نے ان کا نام نعمۃ اللّٰہ رکھا۔ان الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما فرماتے ہیں: نعمۃ اللہ محمد ہیں۔ولہٰذا ان کی تشریف آوری کا تذکرہ اقتتال (بمطابق) امرالٰہی ہے۔قال تعالیٰ واما بنعمۃ ربک فحدث اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔حضور کی تشریف آوری سب نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے .....رب کی نعمتوں کا چرچا مجلس میلاد میں ہوتا ہے ....مجلس مبارک کی حقیقت مجمع المسلمین کوحضور اقدس کی تشریف آوری وفضائل جلیہ کمالات جمیلہ کا ذکر سنانا ہے''

[المیلاد النبویہ فی الالفاظ الرضویہ]

منکرین مجلس میلاد کے مسلّم پیشوا حضرت علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی محدث لکھنوی کے فتاوی پرمشتمل کتاب جومکتبہ تھانوی دیوبند سے چھپی ہے اور جس پرمدرسہ دیوبند کے ایک مدرس عالم کا مقدمہ بھی موجود ہے۔اس میں علامہ عبدالحی نے مجلس میلاد پر تفصیلی گفتگوفرمائی ہے

اوراس کے مستحب ومستحسن باعث برکت ہونے کا حکم فرمایا ہے،فرماتے ہیں:

''سرورانبیاء کی ولادت کا ذکر جولاکھوں برکتوں اور مسرتوں کا سبب ہے وہ بغیر کسی وقت کی خصوصیت کے ہر مسلم کے رگ وریشہ میں جاگزین ہے''

آگے فرماتے ہیں:

''اور لوگوں کا خود بخود جمع ہوکر مجلس ومحفل کی صورت اختیار کرلینا بشرطیکہ منکرات سے خالی ہو یا ایک دوسرے کو دعوت دینا کہ فلاں جگہ مجلس میلاد منعقد ہوگی سب لوگ اس میں شریک ہوں اس کا مرتبہ یہ ہے کہ اس قسم کا ذکر خود صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تابعین تبع تابعین کے دور میں نہیں تھا.....مگر یہ چونکہ نیک کام ہے اور بظاہر سبب گناہ نہیں اور خوشی کے موقع پر اجتماع کی نظیریں شریعت سے ثابت ہیں بلکہ گاہ گاہ حضرت بلال آں حضرت کے مواعظ کا گلی کوچوں اور بازاروں میں اعلان کیا کرتے تھے اس لئے علماء اس کی اجازت دیتے ہیں اور اس کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔جس کا فاعل مستحق ثواب ہوگا.....البتہ مہینہ دن تاریخ اور وقت متعین کرنے کی صورت میں یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ جس زمانہ میں بھی یہ عمل مستحب طریقہ پر کیا جائے گا تو باعث ثواب ہوگا حرمین شریفین بصرہ یمن شام اور دوسرے شہروں کے رہنے والے ماہ ربیع الاول کا چاند دیکھ کر خوشیاں مناتے ہیں مال کثیر خیرات کرتے ہیں۔ ذکر ولادت بیان کرنے اور سننے اور مجالس منعقد کرنے کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔[فتاوی عبدالحی،ص،۹۵،۹۶]

مزید تفصیل کے لئے علماء اہلسنّت کی تصانیف ملاحظہ فرمائیں خصوصاً حضرت علامہ بیدل سہارنپوری علیہ الرحمہ کی کتاب لاجواب ''انوار ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ'' اور صدر الافاضل کے استاذ گرامی حضور علامہ محمد گل علیہ الرحمہ کی کتاب مستطاب ''ذخیرۃ العقبیٰ فی استحباب مجلس میلاد مصطفیٰ'' ملاحظہ فرمائیں۔

(۶)نماز وغیرہ کے بعد کھڑے ہوکر صلاۃ وسلام پڑھنا

جائز اور باعثِ برکت ورحمت ہے۔قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان اللّٰہ وملئکتہ یصلون علی النبی یأیھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما.

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے نبی پر اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

[ترجمہ کنز الایمان، پارہ،۲۲سورہ احزاب]

اس آیت کریمہ سے پتہ چلا کہ ایمان والو کو درود اور خوب خوب سلام پڑھنا ہے اب جس کا جس طرح، جہاں، جب دل چاہے درود وسلام پڑھے۔کسی خاص نوعیت پر سلام پڑھنے کے لئے کسی دلیل خاص کی ضرورت نہیں علاوہ ازیں اس کی ممانعت پر دلیل شرعی نہ ہونا اور مسلمانوں کی اکثریت کا اس پر بنیت حسن عامل ہونا ہی اس کے جائز اور مستحسن ہونے کے لیے کافی ہے۔مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا رسالہ مبینہ '' اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تھامۃ'' ملاحظہ فرمائیں۔

(۷)بزرگوں کے نام پر صدقہ،خیرات کرنے کا ثبوت

اموات مسلمین کے لئے صدقہ وخیرات کرنا جائز بلکہ سنت اور باعث ثواب ہے۔جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

عن انس قال یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا نتصدق عن موتانا وندعولھم فھل یصل ذالک الیھم فقال نعم انہ لیصل لیفرحون بہ کما یفرح احدکم بالطبق اذاأھدی الیہ.

حضرت انس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ !ہم اپنے مردوں کی جانب سے صدقہ دیتے ہیں اور اُن کے لئے دعا مانگتے ہیں تو کیا اس کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے؟تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ثواب پہنچتا ہے اور مردے اس سے خوش ہوتے ہیں،جیسا کہ تم میں سے کوئی خوش ہوتا ہے جب اسے کوئی طبق ہدیہ کیا جاتا ہے)[حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوۃ، فصل فی زیارۃ القبور، ۶۲۱،عمدۃ القاری، کتاب الوضوء، ۲/۵۹۹]

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

رجل تصدق عن المیت ودعالہ قالوا یجوز ذالک ویصل الی المیت لماجاء فی الاخبار ان الحی اذاتصدق عن المیت بعث اللّٰہ تعالی تلک الصدقۃ الیہ علی طبق من النور.

[فتاوی قاضی خاں ملحق بفتاوی عالمگیری، فصل فی الصدقۃ، ۳/۲۸۴]

کسی شخص نے میت کی جانب سے صدقہ دیا اور اُس کے لئے دُعا بھی مانگی تو یہ جائز ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔کیوں کہ حدیث میں وارد ہے کہ زندہ اگر میت کی جانب سے صدقہ کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نور کے طبق اُس کے پاس بھیجتا ہے۔

نیز عالمگیری میں ہے:

رجل تصدق عن المیت ودعالہ یجوز ویصل الی المیت.

یعنی اگر کوئی شخص میت کی جانب سے صدقہ دے اور اُس کے لئے دُعا مانگے، جائز ہے اور میت کو پہنچتا ہے۔[فتاوی عالمگیری،۴/ ۴۰۸]

(۸)مسلمانوں کو کھانا کھلانا موجب ثواب ہے

مسلمانوں کو کھانا کھلانا موجب ثواب اور باعث برکت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان رجلاًسأل رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای الاسلام خیر قال تطعم الطعام وتقرء السلام علی من عرفت ومن لم تعرف

ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام میں کونسا کام بہتر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانا کھلاؤ اور سلام کرو اس کو جسے پہچانو اور جسے نہ پہچانو۔

[صحیح بخاری، ۱/ ۶،باب اطعام الطعام من الاسلام]

اور نیاز وفاتحہ میں چونکہ قرآن شریف وغیرہ کی تلاوت ہوتی ہے اس لئے عامل دو اجر کا مستحق ہے ایک قرآن کی تلاوت اور دوسرا کھانا کھلانا۔البتہ اہل میت کا تقریب کے طور پر دعوت کرکے لوگوں کو کھلانا شرعاً منع ہے۔

(۹)کھانا آگے رکھ کر فاتحہ پڑھنا اور آپس میں بانٹ کر کھانے کا ثبوت

کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا اور اسے بانٹنا بخاری شریف کی حدیث پاک سے ثابت ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب سے نکاح فرمایا تو ام سلیم نے بطور ہدیہ کھجور، گھی اور پنیر کا حلوہ بنا کر حضرت انس کے ہاتھ بارگاہ رسالت میں بھیجا حضرت انس جب وہ حلوہ لے کر سرکار کی بارگاہ میں حاضر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب لوگوں کو بلالاؤ جب سب آگئے تو حضرت انس فرماتے ہیں:

فرأیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وضع یدیہ علی تلک الحیسۃ وتکلم بھاماشاء اللّٰہ ثم جعل یدعو عشرۃ عشرۃ یاکلون منہ ویقول لھم اذکروا اسم اللّٰہ ولیأکل کل رجل ممایلیہ.

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اس کھانے پر اپنا دست اقدس رکھا اور جو اللہ کو منظور تھا آپ نے اس کے ساتھ کلام فرمایا پھر آپ نے

دس دس آدمیوں کو کھانے کے لئے بلایا اور ان سے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر اپنے سامنے سے کھاؤ۔[بخاری، ۲/۷۷۶، کتاب النکاح باب الھلیۃ للعروس]

مذکورہ بالا حدیث سے کھانا سامنے رکھ کر پڑھنا بھی اور اس کا باٹمنا بھی ثابت ہو گیا۔

(۱۰) شب براءت کے دن حلوہ پکانا، کھلانا، آتش بازی کرنا اور موم بتی جلانے کا حکم

شب براءت میں حلوہ پکانا اور موم بتی جلانا بلاشبہ جائز ہے۔ البتہ آتش بازی ضرور ناجائز وحرام ہے۔

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''حلوہ وغیرہ پکانا فقراء پر تقسیم کرنا احباب کو بھیجنا جائز ہے اللہ کے فضل ونعمت پر خوشی کرنے کا قرآن مجید میں حکم ہے جائز خوشی ناجائز نہیں آتش بازی اسراف وگناہ ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید، ۲۳/۴۴۷]

حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ شب برأت میں حلوہ بنانے کے جواز پر تفسیر مدارک سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تفسیر مدارک میں ہے

وعن عمر بن عبد العزیز انه کان یشتری اعدال السکر ویتصدق بها فقیل له لما تتصدق بثمنها قال لان السکر احب الی فاردت ان انفق مما احب.

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہما شکر کی بوریاں خرید کر صدقہ فرمایا کرتے تھے ان سے کہا گیا کہ آپ اس کی قیمت کیوں صدقہ نہیں کر دیتے؟ فرمایا: شکر مجھے پسند ہے تو میں چاہتا ہوں کہ وہی چیز خرچ

کروں جو مجھے پسند ہے۔

ثابت ہوا شے مرغوب ومحبوب کا خرچ کرنا اس آیت کی تعمیل ہے۔ حلوہ مسلمانوں کو مرغوب ومحبوب ہے اس کو اللہ کے لیے خرچ کرتے ہیں تو اس آیت کے مصداق ہیں ''اور اللہ سے اجر پائیں گے۔'' [فتاوی صدر الافاضل، ۲۳۵]

علامہ عبد الحی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

''اس بارہ میں کوئی نص اثبات یا نفی کی صورت میں وارد نہیں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر پابندی رسم ضروری سمجھے گا تو کراہت لازم ہوگی ورنہ کوئی حرج نہیں اور یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے تمام مباحات، مندوبات اور بدعات میں۔'' [فتاوی عبد الحی مترجم، ۱۰۱]

اور مخصوص اوقات میں روشنی سے متعلق حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

تزئین مذکور شرعاً جائز است قال تعالیٰ قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده همچنان روشنی بقدر حاجت ومصلحت نیز۔

مذکورہ زیب وزینت شرعاً جائز ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فرما دیجئے کہ اس زینت وزیبائش کو کس نے حرام ٹھہرا دیا ہے جو اس نے بندوں کے لیے ظاہر فرمائی ہے اسی طرح ضرورت ومصلحت کے مطابق روشنی کرنا بھی جائز ہے۔) [فتاوی رضویہ جدید، ۲۳/۲۵۸]

(۱۱) اذان میں نبی اکرم ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے والا کبھی اندھا نہیں ہوگا

یہ امر مستحسن ومستحب ہے۔ نام گرامی سن کر انگوٹھیں چومنے والا نہ کبھی اندھا ہوگا نہ ہی اس

کی آنکھوں میں کوئی بیماری ہوگی۔

امام سخاوی فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

من قال حین یسمع المؤذن یقول اشهد ان محمدا رسول الله ﷺ مرحبا بحبیبی وقرة عینی محمد بن عبد الله صلی الله علیه وسلم ثم یقبل ابهامیه ویجعلهما علی عینیه لم یرمدا ابدا.

جو شخص مؤذن سے اشهد ان محمدا رسول الله سن کر ''مرحبا بحبیبی وقرة عینی محمد بن عبد الله ﷺ'' پھر دونوں انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھے اس کی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں۔

[المقاصد الحسنه، ص ۳۸۴]

انگوٹھا چومنے سے انکار کرنے والوں کے مسلم پیشوا ابو الحسنات علامہ عبد الحی لکھنوی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

''اس تقبیل کو بعض کتب فقہ میں مستحب لکھا ہے'' [فتاوی عبد الحی، مترجم، ۱۰۰]

مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے رسالہ مبیقہ ''منیر العین فی تقبیل الابهامین، اور ''نهج السلامة فی حکم تقبیل الابهامین فی الاقامة'' کا مطالعہ کریں۔

(۱۲) اذان کے بعد صلاۃ پڑھنے کا شرعی ثبوت

اذان کے بعد جو صلاۃ پڑھی جاتی ہے اسے اصطلاح شرع میں ''تھویب'' کہتے ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک صلاۃ پڑھنا جائز بلکہ مستحسن اور موجب ثواب فعل ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

''اسے فقہ میں تھویب کہتے ہیں یعنی مسلمانوں کو نماز کی اطلاع اذان سے دے کر پھر دوبارہ اطلاع دینا اور وہ شہروں کے عرف پر ہے جہاں جس

طرح اطلاع مکرر رائج ہو وہی تھویب ہے۔ [فتاوی رضویہ جدید ۵/۳۶۱]

فقہ کی مشہور ومعروف کتاب مستطاب فتاوی ہندیہ میں ہے:

التثویب حسن عند المتأخرین فی کل صلاة الا فی المغرب .....وهو رجوع المؤذن الی الاعلام بالصلاة بین الاذان والاقامة وتثویب کل بلدة علی ما تعارفوه.

صلاۃ پکارنا علماء متأخرین کے نزدیک سوائے مغرب کے ہر نماز میں اچھا ہے۔ اور تھویب مؤذن کا اذان اور اقامت کے درمیان نماز کے لئے دوبارہ اعلان کرنے کا نام ہے اور کل شہر کی تھویب وہ ہے جس سے لوگ متعارف ہوں۔ [ج، ۱ ص ۵۶ الباب الثانی فی الاذان] وهکذا فی اکثر کتب الفقه.

علاوہ ازیں دیوبندی مکتبہ فکر کی مسلمہ شخصیت علامہ عبد الحی لکھنوی کی کتاب معین المفتی والسائل میں بھی تھویب کو مستحسن قرار دیا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

التثویب بعد الاذان احدثه علماء الکوفة ولم یر ابو یوسف به بأساً لمن یشغل لمهمات الامور کالامیر والقاضی واستحسنه المتأخرون فی جمیع الصلوات کذا فی الکفایة.

اس عربی عبارت کا ترجمہ دیوبندی مفتی عتیق مظاہری استاد حدیث دار العلوم جامع الہدیٰ گل شہید مراد آباد نے اس طرح کیا ہے

اذان کے بعد تھویب کو علماء کوفہ نے ایجاد کیا ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس میں ان لوگوں کے لئے کوئی حرج نہیں ہے جو اہم امور میں مشغول ہیں جیسا کہ امیر اور قاضی اور متاخرین نے اس کو تمام نمازوں میں مستحسن قرار دیا ہے جیسا کہ کفایہ میں ہے۔

[معین المفتی والسائل، ص ۱۷۱]

تجویب (صلاۃ) کی اگر مزید تفصیل درکار ہو تو حضور اعلیٰ حضرت کے فتاوی رضویہ اور آپ کے شہزادے حضور مفتی اعظم ہند کی کتاب ''القول العجیب فی جواز التثویب'' کا مطالعہ فرمائیں۔

(۱۳) جمعہ میں خطبہ کی اذان مسجد کے دروازے پر سنت ہے

خطبہ کی اذان مسجد کے دروازے پر سنت ہے۔ سنن ابوداؤد میں حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے:

قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ ﷺ اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد.

[سنن ابوداود، کتاب الصلاة باب النداء یوم الجمعة، ص ۱۵۵]

علامہ ابن رجب شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

وقد خرج ابو داؤد هذا الحدیث من طریق ابی اسحاق.... ففی هذه الروایة زیادة ان هذا الاذان لم یکن فی نفس المسجد بل بابه بحیث یسمعه من کان فی المسجد ومن کان فی الخارج لیترک اهل الاسواق البیع ویسرعوا الی السعی الی المسجد.

(ابوداؤد نے ابواسحاق کے طریق سے اس حدیث کی تخریج کی.... تو اس روایت میں یہ زیادہ ہے کہ اذان مسجد کے اندر نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کے دروازے پر ہوتی تھی تاکہ جو لوگ مسجد میں ہیں اور جو خارج مسجد ہیں اذان سنیں بازار والے خرید و فروخت چھوڑ کر جلد مسجد میں آنے لگیں[فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن رجب الحنبلی، کتاب الصلاة باب الاذان یوم الجمعة، ۲/۲۰۴]

اور اندرونِ مسجد اذانِ خطبہ بلکہ ہر اذان ممنوع و مکروہ خلاف سنت ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وینبغی ان یؤذن علی المأذنة او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد کذافی فتاوی قاضی خان.

اذان مئذنہ یا خارج مسجد دینا چاہیے مسجد میں اذان نہیں دینا چاہئے ایسا ہی فتاوی قاضی خان میں ہے)[الباب الثانی فی الاذان، ۱/۵۵]

حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ویکره ان یؤذن فی المسجد کمافی القهستانی.

مسجد میں اذان مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی میں ہے۔

[باب الاذان، ص ۱۹۷]

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''فتاوی امام اجل قاضی خاں وفتاوی خلاصہ و بحر الرائق شرح کنز الدقائق و شرح نقایہ للعلامۃ عبد العلی البرجندی وفتاوی عالمگیریہ و حاشیۃ العلامۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح و فتح القدیر شرح ہدایہ وغیرہا میں اس کی منع و کراہت کی تصریح فرمائی الخ'' [فتاوی رضویہ جدید، ۶/۳۶۳]

مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا رسالہ مفیدہ'' اوفی اللمعة فی اذان یوم الجمعة''اور''شمائم العنبر فی النداء بازاء المنبر''ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۴) تکبیر بیٹھ کر ہی سننا چاہیے

تکبیر بیٹھ کر سننا چاہیے کہ سنت ہے، کھڑے ہو کر سننا مکروہ و ممنوع خلاف سنت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

اذا اقیمت الصلاة فلاتقوموا حتی ترونی.

جب نماز قائم ہو تو جب تک مجھے نہ دیکھ لو کھڑے مت ہو۔

[صحیح البخاری، باب متی یقوم الناس، ۱/۸۸]

ملا علی قاری اس حدیث شریف کی شرح فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ولعله علیه السلام کان یخرج من الحجرة بعد شروع المؤذن فی الاقامة ویدخل فی محراب المسجد عند قوله حی علی الصلاة ولذا قال ائمتنا یقوم الامام والقوم عند حی علی الصلاة

غالباً نبی اکرم ﷺ حجرہ سے موذن کے اقامت شروع کر دینے کے بعد نکلتے تھے اور موذن کے قول حی علی الصلاۃ کے وقت مسجد کی محراب میں داخل ہوتے تھے اسی وجہ سے ہمارے ائمہ نے فرمایا کہ امام اور قوم حی علی الصلاۃ کے وقت کھڑے ہوں۔

[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، باب الاذان، ۲/۳۱۸]

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

عن ابی حنیفة یقومون اذا قال حی علی الفلاح.

ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب موذن حی علی الفلاح کہے۔

[فتح الباری لابن حجر، باب متی یقوم الناس، ۲/۴۵۱]

تحفۃ الملوک لزین الدین الرازی الحنفی میں ہے:

السنة قیام الامام والقوم عند قول المؤذن حی علی الفلاح.

امام اور قوم کا موذن کے قول حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا سنت ہے۔

[جلد ۱ ص ۶۸، باب موضع تکبیر الامام]

امام کاسانی فرماتے ہیں:

ان المؤذن اذا قال حی علی الفلاح فان کان الامام معهم فی المسجد یستحب للقوم ان یقوموا فی الصف

مؤذن جب حی علی الفلاح کہے تو اگر امام مقتدیوں کے ساتھ ہو مسجد میں تو قوم کے لئے صف میں کھڑا ہو جانا مستحب ہے۔ [بدائع الصنائع]

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

اذا قال المؤذن فی الاقامة حی علی الصلاة قام الامام والجماعة عند علمائنا الثلاثة للاجابة ....وفی الوقایة و یقوم الامام والقوم عند حی علی الصلاة.

جب مؤذن اقامت میں حی علی الصلاۃ کہے تو امام اور جماعت ہمارے تینوں علما کے نزدیک جواب دینے کے لئے.....اور وقایہ میں ہے کہ امام اور قوم حی علی الصلاۃ کے وقت کھڑے ہو جائیں۔ [۱/۲۱۱]

محیط برہانی میں ہے:

یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثة رحمهم الله.

ہمارے تینوں علما کے نزدیک امام اور قوم مؤذن کے قول حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہو جائیں۔ [آداب الصلاۃ، ۲/۱۶]

کتاب المبسوط للشیبانی میں ہے:

اذا کان الامام معهم فی المسجد فانی احب الیهم ان یقوموا فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الفلاح.

جب امام مسجد میں مقتدیوں کے ساتھ ہوتو مجھے محبوب ہے کہ وہ مؤذن کے قول حی علی الفلاح کے وقت صف میں کھڑے ہو جائیں۔

[باب افتتاح الصلاۃ، ج ۱ /ص ۶]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

اذادخل الرجل عند الاقامة یکرہ له الانتظار قائماولکن یقعده ثم یقوم اذابلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح ..... کان القوم مع الامام فی المسجدفانه یقوم الامام والقوم اذاقال المؤذن حی علی الفلاح عندعلمائنا الثلاثة وهو الصحیح.

جب کوئی شخص داخل ہواقامت کے وقت تواس کوکھڑے ہوکرانتظار کرنامکروہ ہے بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے تو کھڑا ہو.....اوراگرقوم امام کے ساتھ ہومسجد میں ہوتو ہمارے تینوں علما کے نزدیک امام اورقوم مؤذن کے قول حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہو جائیں۔ [۱/۵۷،الفصل فی کلمات الاذان والاقامة]

ردالمحتار میں ہے:

یکرہ له الانتظار قائماولکن یقعدثم یقوم اذابلغ المؤذن حی علی الفلاح

کھڑے ہوکرانتظار کرنامکروہ ہے بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے تو کھڑا ہو۔[باب الاذان، ۲/ ۷۱]

علاوہ ازیں کتابوں میں کہیں حی علی الصلاۃ اورکہیں حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔اس سے متعلق اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں

اقول ولاتعارض عندی بین قول الوقایة واتباعهایقومون عندحی علی الصلاۃ والمحیط والمضمرات ومن

معهماعندحی علی الفلاح فانااذاحملنا الاول علی الانتهاء والآخر علی الابتداء اتحدالقولان ای یقومون حین یتم المؤذن حی علی الصلاۃ ویأتی علی الفلاح.

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک صاحب وقایہ اوران کے متبعین کا حی علی الصلاۃ پر قیام کے قول اورصاحب محیط ومضمرات اوران کے متبعین کا حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کے قول میں کوئی تعارض نہیں ہم پہلے کو انتہا اور دوسرے کو ابتدا پرمحمول کرلیں تو دونوں قول متحد ہوجائیں گے یعنی جب مؤذن حی علی الصلاۃ پوری کرلے اورحی علی الفلاح شروع کرے تو سب کھڑے ہوں۔[۵/۳۸۰]

(۱۵)وتر کی نماز واجب ہےاوراس کی قضا بھی واجب

مجمع الزوائد للہیثمی میں ہے:

عن عبداللّٰه بن مسعودعن النبی ﷺ قال الوترواجب علی کل مسلم.

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وتر ہر مسلمان پرواجب ہے۔ [مجمع الزوائدومنبع الفوائد ۲/ ۲۸۳، رقم ۳۴۴۰]

فتاویٰ کی مشہور ومعتبر کتاب فتاوی عالمگیری میں ہے:

عن ابی حنیفة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه فی الوتر ثلاث روایات فی روایة فریضة وفی روایة سنة مؤکدة وفی روایة واجب وهی آخر أقواله وهوالصحیح کذافی محیط السرخسی

ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وتر سے متعلق تین روایتیں

ہیں ایک روایت میں فرض دوسری میں سنت مؤکدہ اورتیسری میں واجب آخری قول صحیح ہے(یعنی وجوب کا) ایسا ہی محیط سرخسی میں ہے۔

[باب صلاۃ الوتر، ۱/ ۱۱۱]

نماز وتر اگروقت پرادا نہ ہوئی تواس کی قضاواجب ہے۔امام بیہقی فرماتے ہیں:

عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه ﷺ اذااصبح احدکم ولم یوترفلیوتر.

اورحضرت ابوسعید خدری سے مروی حدیث کچھ اس طرح ہے:

عن ابی سعیدالخدری قال قال رسول اللّٰه ﷺ من نام عن وترہ اونسیه فلیصله اذااصبح اوذکرہ.

ان احادیث کوذکر کرنے کے بعد امام بیہقی فرماتے ہیں:

وفی کل ذالک دلالة علی قضاء الوتر.

[معرفة السنن والآثار للبیهقی باب وقت الوتر ،رقم ۱۴۲۱]

ملاعلی قاری فرماتے ہیں:

مذهب ابی حنیفة انه یجب قضاء الوتر.

ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ وتر کی قضاواجب ہے۔

[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح،باب الوتر:۳/ ۳۰۱]

امام کاسانی فرماتے ہیں:

لزمه قضاء الوتر کمایلزمه قضاء العشاء. [بدائع الصنائع]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ویجب القضاء بترکه ناسیااوعامداوان طالت المدة.

[باب صلاۃ الوتر، ۱/ ۱۱۱]

(۱۶)نماز میں دوسرے مقتدی سے مل کر کھڑے ہونا چاہیے

حالت نماز میں ہر مقتدی کو دوسرے مقتدی کے کاندھے سے کاندھا اور قدم سے قدم ملانا چاہیے اور چار انگلیوں کا فاصلہ رکھنا ثابت نہیں، احادیث رسول وآثار صحابہ اور اقوالِ فقہاء سے یہی ثابت ہے۔بخاری شریف میں ہے:

قال النعمان بن بشیررأیت الرجل منایلزق کعبه بکعب صاحبه

نعمان بن بشیر نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہرآدمی اپنے ٹخنوں کواپنے ساتھی کے ٹخنوں سے ملائے ہوئے ہے۔

[۱/ ۱۰۰ باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف]

مزید بخاری کی یہ حدیث ملاحظہ ہو:

عن انس عن النبی ﷺ قال اقیموا صفوفکم فانی اراکم من وراء ظهری وکان احدنایلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه.

حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ صفوں کو برابر کرو میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں اورہم سبھی لوگ اپنے کاندھے اور ٹخنے اپنے برابر والے کے کاندھے اورٹخنوں سے ملادیتے تھا۔(مرجع سابق)

بخاری کی اوّل الذکر عبارت کی شرح فرماتے ہوئے شارح بخاری فرماتے ہیں:

''الزاق منکب بمنکب وکعب بکعب'' کے معنی یہ مراد لئے ہیں کہ خوب مل کر کھڑے ہوں اور یہ اتصال صفوف میں مبالغہ پرمحمول ہے انسان کے جسم کی ساخت ایسی ہے کہ مونڈھوں سے مونڈھے اچھی طرح ملانے کے بعد بھی ٹخنوں سے ٹخنے ملانے میں کافی تکلف ومشقت اُٹھانی پڑے گی....بالکل چپکنا مرادنہیں ہوتا ہے....تو اب''الزاق کعب بکعب''

کا مطلب ہوا کہ ایک کے ٹخنے دوسرے سے اتنے قریب ہوتے جو نمازی کے حال کے مناسب ہے۔'' [نزھة القاری شرح بخاری ۳، ۱۸۳/]

امام علاء الدین سمرقندی فرماتے ہیں:

روی عن رسول اللّٰہ ﷺ انه قال فی تسویة الصفوف ألصقوا الکعاب بالکعاب و المناکب بالمناکب.

رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا گیا ہے آپ نے صفوں کو سیدھا کرنے کے سلسلے میں فرمایا ٹخنوں سے ٹخنے ملاؤ اور مونڈھوں سے مونڈھے ملاؤ۔

[تحفة الفقهاء، ۱/ ۱۱] وهکذا فی بدائع الصنائع ایضاً.

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

و ردکان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه و قدمه بقدمه.

وارد ہوا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے مونڈھے اور قدم کو دوسرے کے مونڈھے اور قدم سے ملاتا تھا۔ [ص، ۳۰۶، کتاب الصلاة]

حبیب الفتاوی میں ردالمحتار کے حوالہ سے ہے:

و معنی المحاذاة بالقدم المحاذاة بعقبه

قدم سے قدم ملانے کا مطلب ایڑی سے ایڑی کو ملانا ہے۔ [ص ۳۶۰]

مذکورہ بالا تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ شرع میں ہر ایک مقتدی کا اپنے برابر والے مقتدی سے بغیر مشقت اس طرح مل کر کھڑا ہونا کہ دونوں کے بیچ خلا نہ رہے ضروری ہے قدم سے قدم چپکانا ضروری نہیں چار اُنگل کا فاصلہ رکھنا بھی مشروع نہیں ہے۔

(۱۷) بعد نماز دعا کے لئے قبلہ سے منہ پھیر لینا سنت ہے

بعد نماز قبلہ سے منہ پھیر لینا اور دعا کرنا دونوں باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

عن البراء قال کنا اذا صلینا خلف رسول اللّٰہ ﷺ احببنا ان نکون عن یمینه یقبل علینا بوجهه قال فسمعته یقول رب قنی عذابک یوم تبعث او تجمع عبادک.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کرتے تو آپ ﷺ کے داہنے طرف کھڑے ہونا زیادہ پسند کرتے کیونکہ آپ (بعد نماز) ہماری طرف متوجہ ہوتے اور حضرت براء کہتے ہیں کہ پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا وہ کہہ رہے تھے اے رب مجھے اس دن کے عذاب سے محفوظ رکھ جس دن تو اپنے بندوں کو اُٹھائے گا اور جمع فرمائے گا۔

[۱/ ۲۴۷ باب جواز الانصراف من الصلاة عن الیمین و الشمال]

اس حدیث سے صاف ظاہر کہ نماز کے بعد نبی علیہ السلام قبلہ سے انحراف فرماتے اور دعا فرماتے۔ اسی کتاب مستطاب کی دوسری حدیث میں اس طرح ہے

عن عبداللّٰہ لایجعلن احدکم للشیطان من نفسه جزءاً لایری الا ان حقاً علیه ان لاینصرف الاعن یمینه اکثر ما رأیت رسول اللّٰہ ﷺ ینصرف عن شماله.

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی طرف سے شیطان کے لیے کوئی حصہ مقرر نہ کرے ضروری ہے اس کے لئے کہ وہ داہنی طرف پھر جائے اور بسا اوقات میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں طرف بھی پھرتے دیکھا ہے۔ [مرجع سابق]

اس حدیث سے نبی ﷺ کا نماز کے بعد دائیں بائیں دونوں طرف پھرنا ثابت ہے۔ مزید امام بیہقی فرماتے ہیں:

عن ابی الاوبر الحارثی قال سمعت اباهریرة یقول کان

النبی ﷺ ینحرف من صلاته عن یمینه و عن شماله.

حضرت حارثی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ نبی ﷺ اپنی نماز سے (فراغت کے بعد) دائیں اور بائیں پھرتے تھے۔ [معرفة السنن والاثار للبیهقی الباب الانصراف المصلی]

ہم ان ہی احادیث پر اکتفا کرتے ہیں۔ ورنہ اس موضوع پر اور بھی احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں۔ جن سے صاف ظاہر کہ نبی ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دائیں یا بائیں یا سامنے متوجہ ہوتے اور پھر دعا فرماتے تھے۔

(۱۸) نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا جواز

مصافحہ مطلق سنت مستحبہ ہے چاہے کسی وقت ہو۔ ہاں خاص فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کی عادت مسنون نہیں البتہ نفس مصافحہ کے سبب سنت کا ثواب عامل ضرور پائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام وفقہاء عظام نے فجر اور عصر ہی نہیں بلکہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کے جواز بلکہ اس کے مسنون ہونے کو ثابت فرمایا ہے۔ کہ اس میں نفس مصافحہ ملحوظ و موجود ہے۔

علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ بخاری شریف کی شرح ''فتح الباری'' میں امام نووی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

قال النووی ''واما تخصیص المصافحة بما بعد صلاتی الصبح و العصر فقد مثل ابن عبدالسلام فی ''القواعد'' البدعة المباحة منها قال النووی و اصل المصافحة سنة و کونهم حافظوا علیها فی بعض الاحوال لا یخرج ذالک عن اصل السنة. [فتح الباری، کتاب الاستئذان باب المصافحة]

امام نووی نے فرمایا صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کی تخصیص کو ابن عبدالسلام نے اپنی کتاب قواعد میں ''بدعت مباحہ'' بتایا ہے اسی لئے امام

نووی نے فرمایا کہ مصافحہ کی اصل سنت ہے اور لوگوں کا بعض حالتوں میں اس کی محافظت کرنا (یعنی پابندی کرنا) اسے اصل سنت سے نہیں نکال دے گا۔

صاحب ردالمحتار امام نووی کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قال الشیخ ابو الحسن البکری ''وتقییده بما بعد الصبح والعصر علی عادة کانت فی زمنه والا فعقب الصلوات کلها کذالک کذا فی رسالة الشرنبلالی فی المصافحة و نقل مثله عن الشمس الحانوتی.

شیخ ابوالحسن بکری نے فرمایا: امام نووی نے مصافحہ کو صبح اور عصر کے بعد کی قید کے ساتھ اس لئے بیان کیا کہ ان کے زمانے میں یہی معمول تھا ورنہ مصافحہ تو تمام نمازوں کے بعد ایسا ہی ہے (یعنی سنت ہے) ایسا ہی شرنبلالی کے رسالہ میں جو مصافحہ کے بیان میں ہے اور ایسا ہی شمس حانوتی سے منقول ہے۔ [ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء ۹/ ۵۴۷]

نیز درمختار میں عصر کے بعد مصافحہ کو **''بدعت مباحہ حسنہ''** قرار دیا ہے [مرجع سابق]

علامہ طحطاوی بھی ہر نماز کے بعد مصافحہ کو سنت قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

المصافحة فهی سنة عقب الصلاة کلها و عند کل لقی

مصافحہ تمام نمازوں کے بعد اور ملاقات کے وقت سنت ہے۔

[حاشیه مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، ۵۳۰]

امام نووی شارح جامع صغیر نے بدعت کی پانچ قسمیں فرماتے ہوئے فجر و عصر کے بعد مصافحہ کو **''بدعت مباحہ''** قرار دیا ہے لکھتے ہیں

البدعة خمسة انواع ... مباحة کالمصافحة عقب صبح و عصر.

بدعت کی پانچ قسمیں ہیں (چوتھی) مباحہ جیسے صبح اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا۔[فیض القدیر شرح جامع صغیر، ۱، ۵۶۸]

علامہ ابن حجر اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

ومن البدع المباحة المصافحة بعد الصلاة.

نماز کے بعد مصافحہ کرنا جائز بدعتوں میں سے ہے۔

[فتاوی حدیثیہ، ۱/۱۵۰]

علاوہ ازیں منکرین کے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنے رسالہ نذور میں بھی فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کو ''بدعت حسنہ'' (اچھی بدعت) تحریر کیا ہے

ہمہ اوضاع از قرآن خوانی و فاتحہ خوانی و خورانیدن طعام سوائے کندن چاہ و امثالہ دعا و استغفار و اضحیہ بدعت است بدعتِ حسنہ بالخصوص است مثل معانقہ روز عید و مصافحہ بعد نماز صبح یا عصر۔

کنواں کھودنے اور دعا و استغفار اور قربانی اور اس کے مثل (جو احادیث سے ثابت ہوں) کے علاوہ قرآن خوانی فاتحہ خوانی کھانے کھلانا سب طریقے بدعت ہیں۔ خاص کر عید کے دن گلے ملنا فجر و عصر کے بعد مصافحہ کرنا بدعت حسنہ ہیں) [رسالہ نذور بحوالہ فتاوی رضویہ جدید، ۸/۶۱۴]

حاصل کلام: مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں ثابت ہوا کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا من حیث الاصل سنت اور من حیث الخصوص جائز اور نیک نیتی کے سبب محمود و مستحسن ہے، یعنی مصافحہ چونکہ مطلقاً سنت ہے اس لئے سنت اور خاص اسی وقت چونکہ حدیث سے ثابت نہیں اس لئے جائز کہ اس کے منع پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔ اور نیک ارادے سے مصافحہ کرنا اچھا اور پسندیدہ ہے۔

(۱۹) داڑھی منڈانا حرام اور اس کے مرتکب کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی

داڑھی کا مقدار سے کم رکھنا یا بالکل منڈا دینا ناجائز و حرام باعث عذاب شدید ہے اس کا مرتکب فاسق ہے اسے امام بنانا گناہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث شریف میں ہے:

قال ذکر رسول اللّٰہ ﷺ المجوس فقال انھم یؤفرون سبالھم ویحلقون لحاھم فخالفوھم.

نبی اکرم ﷺ نے مجوس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں مونڈتے ہیں تو تم ان کی مخالفت کرو۔

[السنن الکبری للبیھقی، ۱/۱۵۱]

دوسری حدیث شریف میں ہے:

عشر خصال عملھا قوم لوط بھا أھلکوا .... قص اللحیة.

(قوم لوط دس عادتوں کی وجہ سے ہلاک کئے گئے ان میں سے ایک داڑھی منڈانا ہے۔[فیض القدیر شرح جامع صغیر، ۴/۴۱۱]

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

وکان من عادة الفُرس قص اللحیة فنھی الشرع عن ذالک وقد ذکر العلماء فی اللحیة عشر خصال مکروھة بعضھا اشد قبحا من بعض احداھا.....حلقھا

فارسیوں کی عادت تھی داڑھی منڈانا شریعت نے اس سے منع فرمایا اور علماء نے داڑھی کے سلسلے میں دس مکروہ عادتیں بیان کی ہیں جن میں سے بعض بعض سے بُری ہیں انہیں میں سے ایک داڑھی منڈانا ہے۔[۱/۴۱۴]

علامہ مناوی فرماتے ہیں:

فلا یجوز حلقھا ولا نتفھا ولا قص الکثیر منھا کذا فی التنقیح

داڑھی کا مونڈنا اکھیڑنا اور زیادہ تراشنا (کہ حد شرع سے کم ہو جائے) جائز نہیں ہے ایسا ہی تنقیح میں ہے۔[فیض القدیر شرح جامع صغیر ۱/۲۵۶]

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''ریش ایک مشت یعنی چار انگل تک رکھنا واجب ہے اس سے کمی ناجائز ہے'' [فتاوی رضویہ جدید ۲۲/۵۸۱]

مزید فرماتے ہیں:

''داڑھی ترشوانے والے کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب'' [مرجع سابق، ۶/۶۰۳]

اور حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں:

''داڑھی رکھنا شعائر اسلام میں سے ہے اور اس کا کاٹنا قدر قبضہ پہنچنے سے قبل حرام ہے.....اس کا عامل اور مصر فاسق معلن ہو اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی کمافی عامة المتون والشروح ولفتاوی من کراھة امامة الفاسق اور فاسق کو امام بنانا گناہ ہے'' [فتاوی صدر الافاضل ۴۲۴]

(۲۰) داڑھی کی شرعی مقدار

داڑھی کی کم سے کم مقدار ایک مشت یعنی چار انگل ہے۔ سنن ابو داؤد میں حضرت مروان بن سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا:

رأیت عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما یقبض علی لحیتہ فیقطع ما زاد علی الکف.

میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ داڑھی کو مٹھی

میں لیکر ایک مشت سے زائد کو کاٹ دیتے۔ [سنن ابو دائود کتاب الصیام باب القول عند الافطار، ص ۳۲۱]

فیض القدیر شرح جامع صغیر میں علامہ مناوی فرماتے ہیں:

وکان بعض السلف یقبض علی لحیتہ فیأخذ ما تحت القبضة.

بعض سلف اپنی داڑھی پکڑ کے مٹھی کے نیچے کی کاٹ دیتے۔ [جلد ۵، صفحہ ۲۵۳ رقم ۶۹۳۳]

ملا علی قاری علیہ الرحمہ امام محمد غزالی کی کتاب مستطاب احیاء العلوم کے حوالے سے شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

ان قبض الرجل علی لحیتہ وأخذ ما تحت القبضة فلا بأس بہ وقد فعلہ ابن عمر و جماعة من التابعین واستحسنہ الشعبی وابن سیرین.

آدمی کا اپنی داڑھی کو مٹھی میں لینا اور مٹھی سے زائد کو کاٹ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے عبداللہ بن عمر اور تابعین کی جماعت نے ایسا ہی کیا اور شعبی و ابن سیرین نے بھی اس کو اچھا جانا۔[مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، ۸/۲۸۵، کتاب الباس باب الترجل]

علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

وکان أبو ھریرة یقبض علی لحیتہ فیأخذ ما فضل.

حضرت ابو ہریرہ اپنی داڑھی کو مٹھی میں لے کر زائد کو کاٹ دیتے۔[عمدة القاری شرح بخاری، ۱۵/۹۱، کتاب اللباس باب اعفاء اللحی]

مذکورہ بالا عبارات سے صحابہ اور تابعین کا ایک مشت داڑھی رکھنا ثابت ہے اس سے کم کا کہیں ثبوت نہیں اسی لئے علماء کرام خصوصاً احناف کے نزدیک ایک مشت داڑھی رکھنا واجب

ہے۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

گزاشتن آں بقدر قبضہ واجب است

داڑھی بمقدار ایک مشت رکھنا واجب ہے۔[اشعۃ اللمعات]

(۲۱) مونچھیں بالکل صاف کردینا بہتر نہیں

مونچھ سے متعلق حدیث میں ''احفوا الشوارب و قصوا الشوارب'' دونوں الفاظ وارد ہوئے ہیں علامہ ابن حجر ان دونوں سے متعلق فرماتے ہیں:

فان القص یدل علی اخذ البعض و الاحفاء یدل علی اخذ الکل و کلاھما ثابت فیتخیر فیما شاء

قص سے مراد بعض (بالوں) کا لینا اور احفاء سے کل (بالوں) کا لینا اور یہ دونوں ثابت ہیں تو جسے چاہو اختیار کرو۔

[فتح الباری شرح البخاری، ۱۰/ ۳۷۹]

یعنی اگر چاہو تو بالکل صاف کرلو اگر چاہو تو کچھ باقی رکھو۔

علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

فقال الطحاوی ذھب قوم من أھل المدینة الی ان قص الشارب ھو المختار علی الاحفاء قلت ارادبالقوم ھؤلاء سالما و سعیدبن المسیب وعروة بن الزبیر وجعفر بن الزبیر وعبیداللّٰہ بن عبداللّٰہ بن عتبة وأبابکربن عبدالرحمن بن الحارث فانھم قالوا المستحب ھو ان یختار قص الشارب علی احفائہ والیہ ذھب حمیدبن ھلال والحسن البصری ومحمدبن سیرین وعطاء بن ابی رباح وھومذھب مالک أیضاً وقال عیاض ذھب کثیر من السلف الیٰ منع

الحلق .....وقال الطحاوی و خالفھم فی ذالک آخرون فقالوا بل یستحب احفاء الشوارب ونراہ افضل من قصھاقلت ارادبقولہ الاخرون جمھور السلف منھم اھل الکوفة و مکحول ومحمدبن عجلان ونافع مولیٰ بن عمرو ابو حنیفة وابویوسف و محمد رحمھم اللّٰہ فانھم قالوا المستحب احفاء الشوارب وھوافضل من قصھا''

امام طحاوی نے فرمایا: مدینہ والوں میں ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ مونچھ پست کرنا بالکل ختم کرنے سے بہتر ہے میں کہوں گا کہ یہاں ''قوم'' سے مراد سالم، سعید بن میّب، عروۃ بن زبیر، جعفر بن زبیر، عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبۃ اور ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مونچھ بالکل ختم کرنے سے پست کرنا مستحب ہے اور اسی طرف حمید بن ھلال، حسن بصری، محمد بن سیرین اور عطاء بن ابی رباح گئے ہیں اور یہی مذہب امام مالک کا بھی ہے اور حضرت عیاض نے فرمایا کہ بہت سے اسلاف مونچھ منڈانے کی ممانعت کی طرف گئے ہیں.....اور طحاوی نے فرمایا کہ اس سلسلے میں ان لوگوں کی بہت سے لوگوں نے مخالفت کی کہا ان لوگوں نے کہ مونچھوں کا بالکل ختم کردینا مستحب ہے اور وہ مونچھ پست کرنے سے زیادہ افضل ہے میں کہوں گا کہ ان کے ''قوم الاخرون'' سے مراد جمہور سلف ہیں ان میں سے اہل کوفہ، مکحول، محمد بن عجلان، نافع مولیٰ بن عمر، ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد ہیں اللہ رحم فرمائے ان سب پر ان لوگوں نے فرمایا کہ مستحب مونچھ بالکل صاف کردینا ہے اور وہ پست کرنے سے زیادہ افضل ہے۔[عمدۃ القاری شرح البخاری، ۱۵/ ۸۸، باب قص الشارب]

نیز امام نووی مونچھ منڈانے سے متعلق فرماتے ہیں:

قص الشارب فسنة ایضاً .... واما حدمایقصہ فاالمختار انہ یقص حتی یبدوطرف الشفة ولایحفّہ من اصلہ واما روایات احفوالشوارب فمعناھااحفواماطال علی الشفتین.

مونچھ ترا شنا بھی سنت ہے اور اس کی حد میں مختار یہ ہے کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہونے تک ترا شے اور بالکل نہ ترا شے اور مونچھ کو ترا شنے کی روایتوں کا معنی دونوں ہونٹوں سے جو بال لمبے ہوں انہیں ترا شنا ہے۔

[شرح النووی علی المسلم، ۱/ ۱۴۴]

فیض القدیر میں ہے:

حلقہ بالکلیة فمکروہ علی الاصح عندالشافعیة و صرح مالک بانہ بدعة.

مونچھ بالکل منڈانا مذہب صحیح میں مکروہ ہے شوافع کے نزدیک اور امام مالک نے اسے بدعت قرار دیا ہے۔[ج ۱، ص/ ۲۵۵]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ فرماتے ہیں:

لیکن بودن مذھب حنفی افضلیت حلق شارب محل ترددست بآنکہ ظاھراز کتب ایشاں آنست کہ سنت قص اوست وساختن اومثل حاجب وگفتہ اندکہ بہ ناخذوعلیہ الفتوے۔

لیکن مذہب حنفی میں مونچھ منڈانا محل غور ہے علماء احناف کی کتب سے ظاہر یہ ہے کہ مونچھ پست کرنا سنت ہے اور کہا گیا ہے کہ اسی کو لیتے ہیں اور اسی پر فتوی ہے۔[شرح سفر السعادۃ ۴۹۴ فصل درقص شارب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم]

فقہ حنفی کی معتبر و مستند کتاب بدائع الصنائع میں ہے:

قولہ''اخذمن شاربہ''اشارة الی القص وھو السنة فی الشارب لاالحلق وذکرالطحاوی فی شرح الآثار'' ان السنة فیہ الحلق ونسب ذالک الی أبی حنیفة وأبی یوسف و محمد رحمھم اللّٰہ و الصحیح ان السنة فیہ القص لما ذکرنا أنہ تبع للحیة والسنةفی اللحیة القص لاالحلق کذافی الشارب.

ان کے قول'' اخذمن شاربہ'' کا اشارہ قص یعنی مونچھ کا پست کرنا ہے نا کہ حلق یعنی منڈانا اور امام طحاوی نے شرح آثار میں مونچھ کا منڈانا سنت بیان کیا ہے اور اسے امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد کی طرف منسوب کیا ہے اور صحیح مونچھ کا پست کرنا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ مونچھ داڑھی کے تابع ہے اور داڑھی کا ترا شنا سنت ہے نا کہ منڈانا، ایسا ہی مونچھ میں ہے۔

[۲/ ۴۲۲، کتاب الحج]

حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''لبوں کی نسبت یہ حکم ہے کہ لبیں پست کرو کہ نہ ہونے کے قریب ہوں البتہ منڈانا نہ چاہیے اس میں علماء کو اختلاف ہے۔'' [فتاوی رضویہ جدید، ۲۲/ ۶۰۶]

الحاصل: عبارات بالا کی روشنی میں ثابت ہوا کہ مونچھ منڈانا سنت نہیں بلکہ مونچھ کا ترا شنا یعنی پست کرنا سنت ہے۔

(۲۲) قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا جائز نہیں

غیر مسلموں کو قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''یہاں کے کافروں کو گوشت دینا جائز نہیں وہ خاص مسلمانوں کا حق ہے

الخبیثٰت للخبیثین والخبیثون للخبیثٰت والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات'' [فتاوی رضویہ جدید،۲۰/۴۵۷]

صدر اشریعہ فرماتے ہیں:

''یہاں کے کفار کو قربانی کا گوشت نہیں دینا چاہئے کہ یہاں کے کفار حربی ہیں اور حربی کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں'' [فتاوی امجدیہ،۳/۳۱۸]

(۲۳) مرنے کے بعد میاں بیوی کا ایک دوسرے کو غسل دینے کا حکم

ضرورتاً بیوی شوہر کو غسل دے سکتی ہے لیکن شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔

فتاویٰ نوازل لسمرقندی میں ہے:

والمرأة تغسل زوجها عند الضرورة لبقاء الزوجية من زوجه وهي العدة والزوج لا يغسل زوجته.

عورت اپنے شوہر کو بوقت ضرورت غسل دے سکتی ہے شوہر کی جانب سے نکاح باقی رہنے کی وجہ سے اور وہ عدت ہے اور شوہر اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا ہے۔[ص ۱۲۰ : باب غسل ا لميت]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

يجوز للمرأة أن تغسل زوجها اذا لم يحدث بعد موته ما يوجب البينونة من تقبيل ابن زوجها أو ابيه وان حدث ذالك بعد موته لم يجز لها غسله وأما هو فلا يغسلها عندنا كذا في السراج الوهاج.

عورت کے لئے اپنے شوہر کو غسل دینا جائز ہے جب کہ نکاح کو ختم کر دینے والی کوئی بات ظاہر نہ ہو جیسے اپنے شوہر کے بیٹے یا باپ کو بوسہ دینا اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو عورت کے لیے شوہر کو غسل دینا جائز نہ ہوگا اور رہی بات شوہر کو تو وہ ہمارے نزدیک بیوی کو غسل نہیں دے

سکتا ہے ایسا ہی سراج وہاج میں ہے۔

[الفتاوى الهندية، ۱/ ۱۶۰، الباب في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل]

النہر الفائق میں ہے:

لا يغسل الرجل امرأته

مرد اپنی بیوی کو غسل نہیں دے گا[۱/۳۸۴]

درمختار میں ہے:

يمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر

ممنوع ہے شوہر کا بیوی کو غسل دینا اور چھونا البتہ دیکھنا منع نہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

المرأة تغسل زوجها لأن اباحة الغسل مستفادة بالنكاح فتبقى ما بقي بالنكاح والنكاح بعد الموت باق الى أن تنقضي العدة.

عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے اس لیے کہ غسل کا جواز نکاح سے مستفاد ہے تو جب تک نکاح باقی ہے حکم جواز باقی ہے اور نکاح شوہر کی موت کے بعد عورت کی عدت پوری ہونے تک باقی رہتا ہے۔[الدر المختار مع ردالمحتار، ۳/ ۹۰، ۹۱، باب صلاة الجنازة]

البتہ بوقت ضرورت شوہر بیوی کو بجائے غسل کے تیمم کرا سکتا ہے جیسا کہ مراقی الفلاح میں ہے:

الرجل فانه لا يغسل زوجته لانقطاع النكاح واذا لم توجد امرأة لتغسيلها ييممها

مرد اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا نکاح منقطع ہونے کے سبب اور جب

بیوی کو غسل دینے کے لئے کوئی عورت موجود نہ ہو تو شوہر بیوی کو تیمم کرائے۔

[مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، ص، ۵۷۲]

(۲۴) قبر کے اندر عہدنامہ رکھنے سے عذاب قبر دور ہوتا ہے

عہدنامہ قبر میں رکھنا جائز و مستحسن باعثِ برکت اور موجب نجات ہے۔ فتاویٰ بزازیہ لابن البزاز الکردری میں ہے:

وذكر الامام الصفار لو كتب على جبهة الميت أو على عمامته أو كفنه عهدنامه يرجى ان يغفر الله تعالى للميت و يجعله آمنا من عذاب القبر قال نصير هذه رواية في تجويز وضع عهدنامه مع الميت.

امام صفار نے بیان کیا کہ اگر میت کی پیشانی، عمامہ یا کفن پر عہدنامہ لکھ دیا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور اسے عذاب قبر سے محفوظ فرمائے گا۔

[فتاوى بزازيه مع الهنديه، كتاب الاستحسان، ۶/ ۳۷۹، ۳۸۰]

فتاویٰ رضویہ میں علامہ امام فقیہ ابن عجیل کے حوالے سے ہے:

''امام فقیہ ابن عجیل نے اسی دعائے عہدنامہ کی نسبت فرمایا ''اذا كتب هذا الدعاء وجعل مع الميت في قبره وقاه الله فتنة القبر وعذابه'' (جب اس دعاء کو لکھ کر میت کے ساتھ رکھ دیں تو اللہ تعالیٰ میت کو فتنہ قبر اور عذاب قبر سے محفوظ و مامون فرمائے گا) [فتاوی رضویہ جدید،۹/ ۱۰۹]

مزید تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت کا رسالہ مبنیفہ

'' الحرف الحسن في الكتابة على الكفن ''ملاحظہ فرمائیں۔

(۲۵) دفن کے بعد قبر پر اذان پڑھنا فعل مستحسن ہے

جائز و مستحسن ہے اور حدیث سے اس کی اصل نکلتی ہے۔

علاوہ ازیں اس کے جائز ہونے کو اتنا کافی ہے کہ اس میں اللہ اور رسول کا ذکر مقدس ہے اور اللہ اور اس کے رسول کا ذکر جب ہو جہاں ہو فائدہ سے خالی نہیں۔

مزید برآں کہ شرع میں اس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہ ہونا بھی اس کے جواز کے لئے بہت ہے۔ پھر بھی ہم یہاں چند عبارات فقہاء و علماء بیان کرتے ہیں:

فتاوی شامی میں ہے:

قد يسن الأذان لغير الصلاة كما في اذان المولود .... وعند انزال الميت القبر قياساً على خروجه للدنيا

اذان نماز کے علاوہ بھی چند مقامات پر سنت ہے جیسا کہ بچہ کے کان میں.....اور میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کی پیدائش پر قیاس کرتے ہوئے۔ [ردالمحتار على در المختار، باب الاذان، ۲/ ۵۰]

حاشیہ بنجوری میں امام ابن حجر علیہ الرحمہ کے حوالہ سے ہے:

قال ابن حجر رددته في شرح العباب لكن ان وافق انزاله القبر اذان خفف عنه في السوال.

ابن حجر نے فرمایا: میں نے شرح عباب میں اذان کے مسنون ہونے کا رد کیا ہے لیکن اگر میت کو قبر میں اُتارنے کے بعد اذان پڑھی جائے تو سوالات قبر میں آسانی ہوگی۔[فتاوی نعیمیہ،۱/۷۲]

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ جو دیوبندیہ و اہل حدیث کے نزدیک بھی مسلم ہیں، فرماتے ہیں:

عمل مشائخ است كه اذان بر قبر بعد دفن مي گويند

(دفن کے بعد قبر پر اذان پڑھنا بزرگوں کا معمول ہے)[ملفوظات عزیزی فارسی ص۸۴]

مزید تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت کے رسالہ مبارکہ "ایذان الاجر فی اذان القبر" کا مطالعہ ضروری ہے۔ یہ مقام تفصیل کا متحمل نہیں۔

ھذا ما عندی والعلم عنداللہ تعالیٰ ورسولہ ﷺ.

کتبہ

محمد ذوالفقار خان نعیمی

مؤرخہ: ۱۰ شعبان ۱۴۳۳ھ

ٹیسٹ ٹیوب بے بی اور اس سے حاصل شدہ بچہ کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسائل میں؛

(۱) ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے جواز وعدم جواز کا شرعی حکم کیا ہے

(۲) کیا شوہر کے علاوہ کسی اجنبی کا مادہ منویہ عورت کے مادہ سے ملا سکتے ہیں

(۳) اس سے حاصل شدہ بچہ کے نسب سے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

حافظ محمد گلفام رضا

متعلم مدرسہ مرکز اہل سنت دار السلام

محلہ علی خاں کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

(۱) ٹیسٹ ٹیوب بے بی مرد وعورت کے مادوں کو باہم مخلوط کر کے اولاد کی تحصیل کے جدید طریقہ کا نام ہے۔ محققین ومتاطین علماء نے بحالت مجبوری چند درج ذیل شرائط کے ساتھ اس کی اجازت عطا فرمائی ہے۔

(۲) دونوں مادے میاں بیوی کے ہی ہوں اس لئے کہ اللہ تعالی نے اولاد کے حصول کا ذریعہ میاں بیوی کو ہی بنایا ہے قرآن میں اللہ فرماتا ہے:

یایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء.

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت پھیلا دیے۔[ترجمہ کنز الایمان، پارہ ۴، سورہ نساء، آیت ۱]

(۲) شوہر کے مادے کو خود بیوی اپنی اندام نہانی میں داخل کرے۔ اس کا جواز درج ذیل فقہی جزئیہ سے ثابت ہے:

فی البحر المحیط اذا عالج الرجل جاریتہ فیما دون الفرج فانزل فاخذت الجاریۃ ماءہ فی شئ فاستدخلتہ فی فرجھا فی حدثان ذلک فعلقت الجاریۃ وولدت فالولد ولدہ وروالجاریۃ ام ولدہ.

بحر محیط میں ہے کہ جب کسی آدمی نے اپنی باندی سے بیرون شرمگاہ مباشرت کی اسے انزال ہوا باندی نے وہ مادہ منویہ لے کر کسی چیز میں رکھ لیا اور اپنی اندام نہانی میں ڈال لیا حمل ٹھہر گیا بچہ پیدا ہوا تو بچہ اسی کا ہوگا اور باندی اس کی ام ولد ہوگی۔

[حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، ۲/۲۲۷، باب العدۃ]

وما قیل لا یلزم من ثبوت النسب منہ وطؤہ لان الحبل قد یکون بادخال الماء الفرج بدون جماع مع انہ نادر"

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ نسب ثابت ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عمل زوجیت کیا ہو بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت بغیر وطی کیے اپنی اندام نہانی میں مرد کا مادہ منویہ داخل کر لیتی اور حاملہ ہو جاتی ہے البتہ یہ صورت شاذ ونادر ہی پیش آتی ہے۔

[البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۴/۲۶۲، باب ثبوت النسب]

(۳) اس مادے کو خود شوہر اپنی بیوی کے اندام نہانی میں داخل کرے اس لئے کہ اجنبی مرد کا عورت کو دیکھنا اور چھونا بغیر ضرورت شرعی جائز نہیں ہے۔

(۴) منی نکالنے کے لئے خود اپنے ہاتھ کا استعمال نہ کرے یہ جائز نہیں فقہاء نے نبی اکرم ﷺ کے فرمان "ناکح الید ملعون" (جلق کرنے والے پر لعنت ہے) کے پیش نظر اس عمل کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے:

وکذا الاستمناء بالکف وان کرہ تحریما لحدیث ناکح الید ملعون ...الخ

اور یوں ہی ہاتھ سے منی نکالنا اگرچہ حدیث مشت زنی کرنے والا ملعون ہے کے سبب مکروہ تحریمی ہے۔

[کتاب الصوم، مطلب فی حکم الاستمناء بالکف، ۳/۳۷۱]

(۵) بذریعہ عزل اسے حاصل کرے یا پھر عورت کے ہاتھ سے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ فتاوی شامی میں ہے:

یجوز ان یستمنی بید زوجتہ او خادمتہ

اپنی بیوی یا خادمہ کے ہاتھ سے منی نکالنا جائز ہے۔

[کتاب الحدود، ۶/۳۹]

(۲) شوہر کے علاوہ اور کسی کا مادہ منویہ عورت کے مادہ سے ملا کر رحم میں ڈالنا ناجائز وحرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

لا یحل لامرئ یؤمن باللہ والیوم الآخر ان یسقی ماءہ زرع غیرہ.

اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے شخص کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے پانی سے کسی دوسری کھیتی کو سیراب کرے۔[سنن ابو داود، کتاب النکاح، ۱/۲۹۳]

(۳) شوہر کے علاوہ کسی اجنبی کے مادہ کے ذریعہ بچہ کی پیدائش ہو جائے تو اگرچہ یہ عمل زنا کے مترادف ہونے کے سبب ناجائز وحرام ہے لیکن بچہ زانی کی طرف منسوب نہیں ہوگا بلکہ شوہر ہی بچہ کا باپ کہلائے گا۔

حدیث شریف میں ہے:

فانہ لا یلحق بہ ولا یرث

بچہ زانی سے منسوب نہیں ہوگا اور نہ اس کا وارث ہوگا۔

[سنن ابو داود، کتاب الطلاق، ۱/۳۰۸]

بخاری شریف میں ہے:

الولد للفراش وللعاھر الحجر.

بچہ شوہر سے منسوب ہوگا اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔

[الصحیح البخاری، کتاب الفرائض، ۲/۹۹۹]

ھذا ما عندی والعلم عنداللہ تعالیٰ. ھذا الفتوی ماخوذ من

الکتب الفقهیه المعدوده خصوصًا الکتاب المستطاب بلغة الاردیة ''ٹیسٹ ٹیوب بے بی اور شرعی نقطۂ نظر'' لمفتی السید ضیاء الدین شیخ الجامعة النظامیه حیدر آباد)

کتبہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مورخہ ۴/ربیع الغوث ۱۴۳۴ھ

کسی سنی کو بدمذہب کہنا اور کسی مسلمان پر بہتان باندھنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل میں زید حافظ وقاری حاجی اور اہل سنت پیغام رضا کا مہتمم ہے دیوبندیوں کو سنی بنانے کی غرض سے ان سے بات کرتا ہے ورنہ نہیں۔ کچھ دیوبندی سنی ہو بھی چکے ہیں زید کی سسرال سنی کے یہاں ہے جو کہ ہندوستان کے مشہور سنی عالم ہیں شیدائے اعلیٰ حضرت ہیں۔ زید نے سنیوں کی عیدگاہ کو دیوبندیوں سے واپس لیا۔ ساری مسجدوں میں نماز کے بعد صلاۃ پڑھوانا شروع کرائی۔ رد وہابیت زید کا محبوب مشغلہ ہے۔ کچھ لوگ خود کو سنی کہتے ہیں ان سے کسی بات پر بحث ہوئی تو زید نے کہا تم سے اچھے وہ لوگ ہیں جو ہم سے ڈرتے ہیں اور ہماری حقانیت قبول کرتے ہیں ہم کو مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ کا موقع دیتے ہیں۔ زید نے مؤذن کی اجازت کے بغیر تکبیر پڑھ دی تو بکر نے کہا تم نے تکبیر کیوں پڑھی؟ تو زید نے کہا روز آپ پڑھتے ہیں آج میں نے پڑھ دی کیا ہوا؟ بکر نے

کہا کہ آپ کے لئے جائز نا جائز سب حلال ہے کیا؟ تو زید نے کہا آپ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیتے ہیں اور شریعت کا لحاظ نہیں رکھتے ہم آپ کی بات کو نہیں تسلیم کرتے ہم جائز و ناجائز کی تمیز رکھتے ہیں۔

کیا ان ساری باتوں کی بنیاد پر زید کے سنی ہونے میں کوئی شک ہے؟ جو لوگ زید پر الزام لگاتے ہیں اور اس سے متعلق جھوٹی باتیں گڑھ کر لوگوں میں بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

نیز یہ بھی بتائیں کہ بکر مسجد کی دکان میں کرائے پر رہتا ہے اس سے سارے نمازیوں کو تکلیف ہے وہ آئے دن فساد کرتا رہتا ہے اور اپنے ماموں کو ماں، بہن اور بیٹی کی گالیاں بھی دیتا ہے کیا ایسی حالت میں بکر کو مسجد کی دکان کرائے پر دینا چاہئے یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں عنداللہ ماجور ہوں

المستفتی: الحاج قاری محمد حنیف نوری

سربراہ اعلیٰ دار العلوم اہل سنت پیغام رضا سٹرلونظر پور ضلع مراد آباد

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰه الرحمٰن الرّحیم نحمده و نصلّی علیٰ حبیبه الکریم

استفتاء میں درج مضمون اگر سچائی وصداقت پر مبنی ہے تو واقعی زید کے سنی ہونے میں کوئی شک وشبہہ نہیں ہے مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ کی کوشش کرنا،

دیوبندیوں کو سنی بنانے میں کوشاں رہنا اور مراسم اہل سنت کو جاری رکھنے کے لئے جدوجہد کرنا نیز رد وہابیت کو اپنا مشغلہ بنالینا یہ ساری باتیں گواہی دے رہی ہیں کہ زید ایک سنی

صحیح العقیدہ مسلمان ہے۔ البتہ زید کا مؤذن کی اجازت کے بغیر تکبیر پڑھنا از روئے شرع درست نہیں ہے۔ فقہ حنفی کے مشہور ومعتبر مجموعۂ فتاوی ہندیہ میں ہے:

''ان اذن رجل واقام آخر ان غاب الاول جاز من غیر کراهة وان کان حاضرا ویلحقه الوحشة باقامة غیره یکره وان رضی به لایکره عندنا کذافی المحیط''

(اگر کسی شخص نے اذان پڑھی اور دوسرے نے اقامت تو اگر اذان پڑھنے والا آدمی جماعت کے وقت حاضر نہیں تو بغیر کراہت جائز ہے اور اگر حاضر ہے اور اسے دوسرے شخص کے اقامت پڑھنے سے ملال ہے تو مکروہ ہے اور اگر وہ راضی ہے تو ہمارے نزدیک مکروہ نہیں ایسا ہی محیط میں ہے۔)

[فتاوی ہندیہ ۱/۵۴، باب الاذان]

اور جو لوگ زید پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں اور جھوٹی باتیں گڑھ کر لوگوں میں بیان کرتے ہیں شریعت میں اسے بہتان کہتے ہیں۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

''وان لم فیه ماتقول فقد بهته''

(جو باتیں تم بیان کر رہے ہو اگر وہ اس کے اندر نہیں ہیں تو یہ بہتان ہے)[مسلم شریف]

اور بہتان بدترین جرم اور گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَالَّذِینَ یُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِینَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِینًا''

(اور جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بے کئے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا)[ترجمہ کنز الایمان، سورہ احزاب، آیت ۵۸]

حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''حضرت فضیل نے فرمایا کہ کتے اور سور کو بھی ناحق ایذا دینا حلال نہیں تو مومنین ومومنات کو ایذا دینا کس قدر بدترین جرم ہے'' [تفسیر خزائن العرفان، سورہ احزاب، آیت ۵۸]

لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ زید سے متعلق جھوٹی باتوں کو بیان نہ کریں اور علماء ومفتیان کرام کی بارگاہوں میں حاضر ہو کر صلح کی سبیل پیدا کریں اہل سنت میں یہ آپسی اختلاف سنیت کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ وطفیل اہل سنت کے مابین اتفاق واتحاد اور محبت پیدا فرمائے۔

اور رہا بکر کا معاملہ تو اگر بکر واقعی نمازیوں کو تنگ کرتا ہے، فتنہ وفساد پیدا کرتا ہے اور اپنے ماموں کو گالیاں دیتا ہے تو وہ فاسق سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے۔

قرآن میں ہے

''وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ''

(اور ان کا فساد تو قتل سے بھی سخت ہے)(ترجمہ کنز الایمان، سورہ بقرہ، آیت ۱۹۱)

بخاری شریف میں ہے:

''سباب المسلم فسوق''

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔

ایسے شخص کو مسجد کی دکان کرائے پر دینا کسی بھی حال میں درست نہیں ہے اہل کمیٹی کو چاہئے کہ جو شخص نمازیوں کی تکلیف کا سبب بنتا ہو فتنہ وفساد پیدا کرتا ہو ایسے شخص کو فورا مسجد کی دکان سے نکال دیں۔

اورمنکوحہ غیر کا نکاح پڑھانا حرام ہے۔قرآن میں ہے:

''وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ''

(اورحرام ہیں شوہردار عورتیں)[ترجمہ کنزالایمان،سورہ نساء،آیت ۲۴]

اگر بکر نے جان بوجھ کر یہ نکاح پڑھایا ہے تو بکر سخت گنہگار ہے بکر پر لازم ہے کہ علی الاعلان توبہ کرے۔اوراس نکاح سے براءت کا اعلان کرے۔

کتبہ

محمدذوالفقارخان نعیمی ککرالوی

مؤرخہ/۲۵شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

بدمذہبوں سے میل جول رکھنے والے اورنماز میں ان کی اقتدا کرنے والے شخص کا حکم شرعی

کیافرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل میں کہ زید جوایک حافظ اورحاجی ہے خودکواہل سنت سے بتاتا ہے مگردیوبندیوں سے خوب تعلقات ہیں سسرال بھی دیوبندیوں میں ہے ان کی اقتدا میں نماز بھی ادا کرلیتا ہے اوران کے یہاں دعوتوں میں بھی شریک ہوتا ہے کچھ دن قبل خوداعلان کیا کہ دیوبندیوں سے بچواوران کے کفن دفن نماز جنازہ سے سنیوں کوروکا مگرخودہی ایک دیوبندی عالم کی شادی میں شریک ہوگیا۔وہابیوں نے زید کا بھی اورہم سنیوں کا بھی خوب مذاق اڑایا۔جب زید سے کہا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تواس نے جواباً کہا کہ چپ رہوان سنیوں سے میرے لئے وہابی اچھے ہیں۔ایک دن مغرب کی

نماز میں زید کا پائجامہ ٹخنوں کے کافی نیچے تھا نماز کے بعد جب زید معلوم کیا کہ کیا اتنا نیچا پائجامہ پہننا جائز ہے تو جواب میں کہا کہ میرے لئے سب جائز ہے سائل نے کہا تمہارے لئے سب جائز ہوگیا اورہم ان پڑھوں کے لئے سب ناجائز بتاتے ہوتو زید مسجد سے یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا کہ میرے لئے جائز ناجائز حرام حلال سب جائز ہے آپ اپنا دیکھئے۔مسجد کے بہت سے نمازی اس واقعہ کے گواہ ہیں۔اورزید داڑھی کٹواتا ہے کیا اس کی اذان واقامت درست ہے ؟اورزید جب کسی عالم کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے یہ آئے دین کے غدار اور نبی ﷺ کی شان میں کہتا ہے کہ ان سے غلطی ہوئی تواللہ نے ان پر کفارہ واجب کیا۔ان ساری باتوں کی بنیاد پر کیا زید کافر ہوگیا؟

نیز امام صاحب نے ایک ایسی عورت کا نکاح پڑھایا جس نے امام صاحب کے پوچھنے پر کئی لوگوں کے سامنے اپنے مطلقہ ہونے کا اقرار کیا۔زید کا کہنا کہ کہ وہ مطلقہ نہیں ہے۔اوراس بات کو لے کر زید امام صاحب کی مخالفت بھی کررہا ہے تو کیا امام صاحب کی مخالفت کرنا ازروئے شرع جائز ہے؟ جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

مصلیان جامع مسجد سڈلونظر پور ضلع مرادآباد

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ حبیبہ الکریم

استفتاء میں درج باتیں اگرواقعی حق ہیں اورسائلین اپنی ان باتوں میں سچے ہیں تو زید کے لئے شریعت کا بہت سخت حکم ہے۔

زید کا دیوبندیوں سے میل جول رکھنا ان کی اقتدا میں نماز ادا کرنا اگراس حدتک ہے کہ وہ ان کے عقائد کفریہ سے متفق ہے اورانہیں مسلمان جانتا ہے تو پھراس کے کافر ہونے میں کوئی

شک نہیں اوراگرایسا نہیں بلکہ وہ ان کے عقائد کفریہ سے دور ہے اوران کے عقائد خبیثہ کو کفر ہی جانتا ہے اوران کو کافر سمجھتے ہوئے بھی ان کے ساتھ میل جول رکھتا ہے اور ان کی اقتدا میں نماز ادا کرتا ہے تواس کی وجہ سے وہ سخت گناہگار ہے لیکن کافر نہیں،

البتہ دیوبندیوں سے میل جول رکھنے پر تنبیہ کرنے والوں کو یہ کہہ کر جھڑک دینا **''ان سنیوں سے میرے لئے وہابی اچھے ہیں''** مسلمانوں پر کافروں کو ترجیح دینا اور کفر کو پسند کرنا ہے اور یہ کھلا ہوا کفر ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کے ایمان کو اس کافر اکفر کے ایمان سے کم کہنا صریح کفر ہے، یہ کفر کو ایمان پر تفضیل دینا ہے، کافر میں ایمان کہاں اور وہ بھی مسلمانوں کے ایمان سے افضل'' [فتاوی رضویہ قدیم،۶/۱۹۱]

صدرالشریعہ فرماتے ہیں

''شخص مذکور برائے آنکہ کفر راپسند کردو کفر رابر اسلام ترجیح داد کافر باشد''

(شخص مذکور اس وجہ سے کہ اس نے کفر کو پسند کیا اور کفر کو اسلام پر ترجیح دی کافر ہوگیا)[فتاوی امجدیہ۴/۴۳۳]

اورزید کا داڑھی کٹوانا بھی ازروئے شرع گناہ ہے اورایسے شخص کو شریعت میں فاسق کہتے ہیں اورفاسق کی اذان واقامت مکروہ ہے فتاوی عالمگیری میں ہے:

'' یکرہ اذان الفاسق ''

[فتاوی عالمگیری،۱/۵۴،]

نیز اس کی تعظیم کرنا اسے عزت دینا بھی جائز نہیں ہے۔

اورزید کا پائجامہ کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا ازراہ تکبر ہے تو خلاف سنت ہونے کے ساتھ مکروہ

تحریمی بھی ہے اس پر تنبیہ کرنے والے کے جواب میں زید نے جو یہ کہا ہے کہ **''میرے لئے جائز وناجائز حلال حرام سب جائز ہے''** تو یہ جملہ کفر پر مشتمل ہے۔اس لئے کہ کسی بھی حرام کو حلال اور حلال کو حرام جاننا شریعت میں کفر ہے۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں''حلال کو حرام،حرام کو حلال ٹھہرانا ائمہ حنفیہ کے مذہب راجح میں مطلقاً کفر ہے،جبکہ ان کی حلت وحرمت قطعی ہو جیسے جائز کسب وتجارت واجارت کی حلت مشرکین و وداد وانقیاد واتحاد کی حرمت،...اوراگر وہ حرام قطعی حرام لعینہ ہے،جیسے مذکورات جب تو اسے حلال ٹھہرانا باجماع ائمہ حنفیہ کفر ہے،اللہ عزوجل کفار کا بیان فرماتا ہے:

لایحرمون ماحرم اللہ ورسولہ.

جسے اللہ ورسول نے حرام فرمایا کافر اسے حرام نہیں ٹھہراتے۔متن عقائد میں مسئلہ مصرحہ ہے،نیز فتاوی خلاصہ وغیرہا میں ہے:

''من اعتقدالحرام حلالااو علی القلب یکفر ھذااذاکان حرامابعینہ و الحرمۃ قامت بدلیل مقطوع بہ اماذاکانت باخبار الاحاد لایکفر''

جس نے کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام مان لیا تو وہ کافر ہوجائے گا،یہ اس صورت میں ہے کہ وہ حرام لذاتہ ہو اوراس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو، اگر ثبوت خبر واحد سے ہو تو کافر نہیں ہوگا۔

بزازیہ وشرح وہبانیہ ودرمختار میں ہے:

یکفر اذاتصدق بالحرام القطعی

(حرام قطعی کے تصدق سے کافر ہوجائے گا)[فتاوی رضویہ قدیم،ج۶ص۹،۱۰]

صورت مسئولہ میں چونکہ زید نے مطلقا کہا ہے کہ میرے لئے سب ناجائز وحرام حلال ہے لہٰذا لنصوص بالا کی روشنی میں زید پر حکم کفر عائد ہوگا۔

اور زید کا کسی بھی عالم کو دیکھ کر یہ کہنا کہ **"یہ آئے دین کے غدار"** اگر بسبب علم ہے تو کفر ہے اور اگر ذاتی رنجش کی وجہ سے ہے تو سخت گناہ اور اگر بلاوجہ ہے تو اس پر اندیشۂ کفر ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"پھر اگر عالم کو اس لئے برا کہتا ہے کہ وہ عالم ہے جب تو صریح کافر ہے اور اگر بوجہ علم اس کی تعظیم فرض جانتا ہے مگر اپنی کسی دنیوی خصومت کے باعث برا کہتا ہے گالی دیتا تحقیر کرتا ہے تو سخت فاسق فاجر ہے اگر بے سبب رنج رکھتا ہے تو مریض القلب خبیث الباطن ہے اور اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ خلاصہ میں ہے "من ابغض عالما من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر" ج و کسی عالم سے بغیر سبب ظاہری کے عداوت رکھتا ہے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ [فتاوی رضویہ قدیم، ۹/۱۴۰، کتاب الحظر والاباحہ]

اور نبی ﷺ کی شان میں زید کا یہ کہنا کہ **"ان سے غلطی ہوئی تو اللہ نے ان پر کفارہ واجب کیا"** سراسر جھوٹ اور اللہ اور اس کے رسول پر کھلا افتراء ہے، اس لئے کہ ہمارے نبی ﷺ بلکہ جملہ انبیاء کرام تمام گناہوں سے پاک ومنزہ ہیں۔

امام اعظم فرماتے ہیں:

"الانبیاء علیهم الصلاة والسلام کلهم منزهون عن الصغائر والکبائر"

(تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہیں) [فقہ اکبر، ص۸]

ملا علی قاری فقہ اکبر کی اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ای معصومون من جمیع المعاصی" (یعنی انبیاء کرام تمام گناہوں سے پاک ہیں) [شرح فقہ اکبر ۶۸]

اور جب نبی گناہوں سے پاک ہیں تو پھر نبی ﷺ کے کسی گناہ پر اللہ تعالیٰ کا کفارہ واجب کرنا چہ معنی دارد۔ لہٰذا زید کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر افتراء باندھنا سخت گمراہی وبد دینی بلکہ کفر ہے۔

اور رہا امام صاحب کے نکاح پڑھانے کا مسئلہ تو جب امام صاحب نے معلوم کرلیا تو اب وہ بری الذمہ ہو گئے اب ان پر کوئی الزام نہیں ہے اس بنیاد پر یا کسی اور بلاوجہ شرعی کے زید کو امام صاحب کی مخالفت کرنا جائز نہیں۔ امام تو قوم کا رہبر ہوتا ہے اس کی مخالفت تو دور اگر کسی ادنی سے مسلمان کی بھی کوئی مخالفت کرتا ہے اور اسے تکلیف پہنچاتا ہے تو از روئے حدیث وہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتا ہے نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله عزوجل"

(جس نے کسی مسلمان کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو اذیت دی) [المعجم الصغیر للطبرانی، ۱/۲۸۴]

حاصل کلام: ۔ استفتاء میں درج زید کے اقوال وافعال میں چند ناجائز، حرام فسق اور گمراہی پر مبنی ہیں اور چند کفر پر، لہٰذا زید پر لازم وفرض ہے کہ فوراعلی الاعلان توبہ، تجدید ایمان، تجدید بیعت اور تجدید نکاح کرے۔ درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

"مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولاده اولاد زنا وما فیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة (ای

تجدیدالاسلام) وتجدیدالنکاح"

(متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے اور اس حالت میں جو اولاد ہوگی وہ اولاد زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ، تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔) [باب المرتد، ۶/۳۹۱]

مزید امام صاحب سے معافی طلب کرے۔ اور آئندہ ایسے اقوال وافعال خبیثہ کفریہ سے اپنے آپ کو بچائے رکھنے کی کوشش کرے۔

اور اگر زید ایسا نہ کرے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ زید کا بائیکاٹ کریں اس سے اپنے تعلقات ختم کرلیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ"

(اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔) [کنز الایمان پارہ ۲۸، سورہ انعام آیت ۶۸]

هذاماعندی والعلم عندالله تعالیٰ.

کتبــــــــــــــــــــــــــــہ

محمد ذو الفقار خان نعیمی

مورخہ ۲۳/شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

باب المیراث

میراث میں ماں باپ کا حق

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں اولاد کے انتقال کے بعد اس کے ورثہ میں ماں باپ کا کیا حصہ ہے قرآن اور حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی عبدالجبار محلّہ قانون گویان کاشی پور اودھم سنگھ نگر

۱۸/جون ۲۰۱۲ء

الجواب بعون الملک الوهّاب

بسم الله الرحمٰن الرّحیم نحمده ونصلّی علیٰ حبیبه الکریم

اگر میت نے ماں باپ کے ساتھ اولاد بھی چھوڑی ہے تو ماں اور باپ کو چھٹا حصہ ملے گا۔ قرآن پاک میں ہے:

ولابویه لکل واحدمنهما السدس مماترک ان کان له ولد.

اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا اگر میت کے اولاد ہو۔ [کنز الایمان، پارہ ۴ سورہ النساء، آیت ۱۱]

اور اگر اولاد نہیں چھوڑی ہے تو ماں کو تہائی اور اگر ماں باپ کے ساتھ دو یا زیادہ بہن بھائی بھی چھوڑے ہیں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا جیسا کہ قرآن میں ہے:

فان لم یکن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث فان کاله اخوة فلامه السدس.

پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں کا تہائی پھر اگر اس

کے کئی بہن بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا۔[مرجع سابق]

ماں کو کل مال کا تہائی اس وقت دیا جائے گا جب ماں کے ساتھ میت مذکر کی بیوی یا میت مؤنث کا شوہر نہ ہو اور اگر ان میں سے کوئی بھی ہوگا تو ماں کو ان کا حصہ نکالنے کے بعد تہائی ملے گا کل مال سے نہیں۔

[تفسیر خزائن العرفان، پارہ۴ سورہ النساء، آیت ۱۱، حاشیہ ۳۱]

اور میت نے باپ کے ساتھ اگر اولاد چھوڑی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر اولاد میں کوئی بیٹا یا پوتا نیچے تک چھوڑا ہے تو باپ کو کل مال کا چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر اولاد میں بیٹی یا پوتی نیچے تک چھوڑی ہے تو باپ کو چھٹا حصہ بھی ملے گا اور ساتھ میں اصحاب فرائض پر تقسیم ہونے کے بعد جو بچے گا وہ بھی بطور عصبہ ملے گا۔ اور اگر میت نے اولاد نہیں چھوڑی مگر دوسرے اصحاب فرائض وغیرہ چھوڑے تو باپ کو اصحاب فرائض پر تقسیم ہونے کے بعد جو بچے گا بس وہی بطور عصبہ ملے گا یا میت نے باپ کے علاوہ کسی کو نہیں چھوڑا تو باپ کو بطور تعصیب سب مال ملے گا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

الاب ولـه ثلاثة احوال الفرض المحض وهو السدس مع الابن اوابن الابن وان سفل والتعصيب المحض وذالک ان لايخلف غيره فله جميع المال بالعصوبةوكذااذااجتمع مع ذی فرض ليس بولدولاولدابن كزوج وام وجدة فيأخذذوالفرض فرضه والباقی للاب بالعصوبة والتعصيب والفرض معاوذالک مع البنت وبنت الابن فله السدس فرضا....والباقی له بالتعصيب.

باپ کی تین حالتیں ہیں میت کے بیٹے یا پوتے نیچے تک کی موجودگی میں بطور فرض چھٹا حصہ، اور ایسے ہی میت نے جب باپ کے علاوہ کسی کو نہیں چھوڑا تو باپ کو کل مال ملے گا بطور تعصیب یا اولاد کے علاوہ

دیگر اصحاب فرائض جیسے شوہر یا ماں دادی کو چھوڑا تو باپ کو اصحاب فرائض سے تقسیم کے بعد جو بچے گا وہ ملے گا، اور اگر باپ لڑکی یا پوتی کے ساتھ ہو تو چھٹا حصہ بطور فرض اور تقسیم کے بعد جو بچے گا باپ وہ بھی پائے گا۔)[فتاوی عالمگیریہ کتاب الفرائض، ۶/ ۴۴۸]

واللّٰه تعالیٰ اعلم بالصّواب .

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــــــه

محمدذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۲/شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

میت کے وارثین میں ایک لاکھ روپئے کی تقسیم

کیا سفرماتے ہیں علماء دین ومفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ میں زید کا انتقال ہو گیا اس نے اپنے ورثاء میں ایک بیوی اور ایک بچہ، ماں، باپ اور چار حقیقی بھائی چھوڑے ایک لاکھ روپیہ نقد چھوڑا اس روپیہ میں اور اس کے ماں باپ کی جائداد میں اس کی بیوی اور بچہ کا کیا حصہ نکلتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

حافظ عرفان مؤذن مدینہ مسجد چونا گلی کاشی پور اودھم سنگھ نگر

الجواب بعون الملک الوهاب

بسم اللّٰه الرحمٰن الرّحيم　　نحمده ونصلّی علی حبيبه الكريم

صورتِ مسئولہ میں از روئے شرع شریف اگر بچہ سے مراد لڑکی ہے تو کل رقم سے لڑکی کو

آدھا حصہ ملے گا۔

قرآن شریف میں ہے:

وان كانت واحدة فلهاالنصف.

اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا آدھا حصہ

بیوی کو آٹھواں حصہ

فان كان لكم ولدفلهن الثمن

(پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کا (بیویوں کا) تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں)

ماں کو چھٹا حصہ نیز باپ کو چھٹا حصہ

ولابويه لكل واحد منهماالسدس مماترک ان كان له ولد.

(اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا اگر میت کے اولاد ہو)[ترجمہ کنز الایمان پارہ۴ رکوع ۱۳]

اور جو باقی بچے گا وہ بھی باپ کو بطور عصبہ ملے گا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

'التعصيب والفرض معاوذالک مع البنت.

باپ کو میت کی لڑکی کے ساتھ فرض حصہ اور بچا ہوا حصہ۔

[۶/ ۴۴۸ كتاب الفرائض]

اور میت کے بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا وہ باپ کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے۔ جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

ويسقط الأخوة والأخوات بالابن وابن الابن وان سفل وبالاب بالاتفاق

لڑکے اور پوتے نیچے تک اور باپ کی موجودگی میں بھائی اور بہنیں محروم

رہیں گی۔[الباب الثانی فی ذوی الفروض، ۶/ ۴۵۰]

درمختار میں ہے:

ويسقط بنوالاعيان وهم الأخوة والأخوات لأب وأم بثلاثة بالابن وابنه وان سفل وبالاب اتفاقا، الخ.

بھائی اور بہنیں میت کے لڑکے اور پوتے نیچے تک اور باپ تینوں کی موجودگی میں بالاتفاق وراثت سے محروم ہو جائیں گے۔[فصل فی العصبات، ۱۰/ ۵۳۰]

لبِّ لباب یہ ہے کہ کل رقم کے چوبیس (۲۴) حصے ہوں گے۔ پانچ ۵ حصے میت کے باپ کو چار بطور فرض اور ایک بطور عصبہ، چار (۴) حصے میت کی ماں کو، تین (۳) حصے میت کی بیوی کو، بارہ (۱۲) حصے میت کی لڑکی کو۔ یعنی ایک لاکھ روپئے میں لڑکی کو پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) بیوی کو بارہ ہزار پانچ سو (۱۲۵۰۰) ماں کو سولہ ہزار چھ سو چھیاسٹھ روپے اور قریب سڑسٹھ پیسے، اور باپ کو بیس ہزار آٹھ سو تینتیس روپے اور قریب چونتیس پیسے۔ اور اگر بچہ سے مراد لڑکا ہو تو کل رقم کے چوبیس (۲۴) حصے ہوں گے۔ چار حصے میت کے باپ کو، چار (۴) حصے میت کی ماں کو، تین (۳) حصے میت کی بیوی کو، بقیہ تیرہ حصے میت کے لڑکے کو بطور عصبہ ملیں گے۔ یعنی ایک لاکھ روپئے میں بیوی کو بارہ ہزار پانچ سو (۱۲۵۰۰) باپ کو سولہ ہزار چھ سو چھیاسٹھ روپے اور قریب سڑسٹھ پیسے، اور ماں کو بھی باپ کے برابر۔ اور باقی جو بچے وہ سب لڑکے کو ملیں گے۔

اور صورتِ مسئولہ میں میت کی بیوی اور لڑکی کا کوئی حصہ ماں باپ کی جائداد میں نہیں نکلے گا۔

هذاماعندی والعلم عنداللّٰه تعالی

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــــــه

محمدذوالفقار خان نعیمی

مورخہ ۱۳/ربیع النور ۱۴۳۳ھ

جائیداد کا حق دار کون؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ تین سگے بھائی ہیں جس میں ایک کا انتقال ہوگیا ہے مرحوم کے ایک بیوی اور آٹھ بچے ہیں ۵ لڑکے اور ۳ لڑکیاں ہیں جس میں ایک لڑکا اپاہج ہے مرحوم کی جائداد کا حقدار کون ہے مرحوم کے بھائی یا بچے؟

حاجی محمد یعقوب انصاری
محلّہ خالصہ کاشی پور

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم ونصلّی علی حبیبہ الکریم

صورتِ مسئولہ میں مرحوم کی جائداد میں بھائیوں کا کوئی حق نہیں ہے مرحوم کی جائداد کے حق دار بیوی، لڑکے، لڑکیاں اور دیگر وارثین ہوں تو وہ ہیں۔ میت کے لڑکوں کی موجودگی میں میت کے بھائی محروم ہوجاتے ہیں۔

درمختار میں ہے:

ویسقط بنو الاعیان وھم الأخوۃ والأخوات لأب وأم بثلاثۃ بالابن وابنہ وان سفل وبالاب اتفاقا، الخ.

بھائی اور بہنیں میت کے لڑکے اور پوتے نیچے تک اور باپ تینوں کی موجودگی میں وراثت سے محروم ہوجائیں گے۔

[فصل فی العصبات، ۱۰/۵۳۰]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ویسقط الأخوۃ والأخوات بالابن وابن الابن وان سفل وبالاب بالاتفاق[الباب الثانی فی ذوی الفروض، ۶/۴۵۰]

محیط برھانی لامام برھان الدین ابن مازہ میں ہے:

الأخوۃ لایرثون مع الابن

بھائی لڑکے کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے۔[۹/۱۰]

واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

محمد ذو الفقار خان نعیمی
مؤرخہ ۲۲/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

مآخذ و مراجع

القرآن الکریم

(الف)

احیاء العلوم	امام محمد بن محمد غزالی	۵۰۵
اصول الشاشی	اسحاق بن ابراہیم خراسانی شاشی	۳۲۵
الاعلام للزرکلی	شیخ خیر الدین بن محمود زرکلی	۱۳۹۶
احکام جراحۃ التجمیل	الدکتور محمد عثمان شبیر	
اقامۃ القیامہ	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
اوفی اللمعہ	ایضا	ایضا
الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	شیخ یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر	۴۶۳
اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲
الانتقاد الرجیح	محمد صدیق حسن بھوپالی	۱۳۰۷

(ب)

بدور الاہلہ	بھوپالی	ایضا
بنایہ شرح ہدایہ	امام بدر الدین ابو محمد عینی	۸۵۵
البحر الرائق	امام زین الدین بن ابراہیم بن نجیم	۹۷۰
بدائع الصنائع	علاء الدین ابو بکر مسعود کاسانی	۵۸۷

بہار شریعت	صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی	۱۳۶۷
البدایہ والنہایہ	أبو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر	۷۷۴
بغیۃ الوعاۃ	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	۹۱۱

(ت)

ترجمہ کنز الایمان	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
تفسیر قرطبی	ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی	۶۷۱
تفسیرات احمدیہ	شیخ احمد بن ابو سعید المعروف ملا جیون	۱۱۳۰
تفسیر خزائن العرفان	صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی	۱۳۶۷
تفسیر نعیمی	مفتی احمد یار خاں نعیمی	۱۳۹۱
التلخیص المعین	شیخ محمد بن صالح العثیمین	
تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد سمرقندی	۵۳۹
تنویر الابصار	شیخ محمد بن عبداللہ تمرتاشی	۱۰۰۴
تیسیر شرح جامع صغیر	حافظ محمد عبدالرؤوف مناوی	۱۰۳۱
تاریخ الاسلام	شمس الدین محمد بن احمد ذہبی	۷۴۸
التاج المکلل	محمد صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی	۱۳۰۷
تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی	محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳
تبیین الحقائق	امام فخر الدین عثمان بن علی زیلعی	۷۴۳
تحفۃ الملوک	شیخ محمد بن ابی بکر رازی	۶۶۶

(ج)

الجوہرۃ النیرۃ	شیخ ابوبکر بن علی بن ابو المفاخر	۵۶۵
جامع العلوم والحکم	عبدالرحمٰن بن شہاب الدین ابن رجب	۷۹۵
جامع صغیر	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	۹۱۱

(ح)

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار	شیخ سید احمد طحطاوی	۱۳۰۲
حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح	ایضا	ایضا
حاشیۃ السندی علی ابن ماجہ	شیخ محمد بن عبدالہادی سندھی	۱۱۳۸
حبیب الفتاوی	مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی	۱۳۹۵
الحرف الحسن	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
الحاوی للفتاوی	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	۹۱۱
حسن المحاضرۃ	ایضا	ایضا

(د)

درمختار	علاء الدین محمد بن علی حصکفی	۱۰۸۸
دلائل النبوۃ	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸
درر الحکام	شیخ محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
الدر المنثرہ	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	۹۱۱
دلیل الطالب الی ارجح المطالب	محمد صدیق حسن بھوپالی	۱۳۰۷

الدرر الکامنہ	حافظ احمد بن علی حجر عسقلانی	۸۵۲

(ذ)

ذخیرۃ الحفاظ	شیخ محمد بن طاہر مقدسی	۵۰۷
ذیل طبقات الحنابلہ	شیخ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن رجب حنبلی	۷۹۵
ذخیرۃ العقبیٰ	شیخ محمد گل جلال آبادی ثم مرادآبادی	۱۳۳۰

(ر)

الرفع والتکمیل	ابوالحسنات علامہ عبدالحی لکھنوی	۱۳۰۴
ردالمحتار	علامہ سید محمد امین الشہیر بابن عابدین الشامی	۱۲۵۲

(ز)

زبدۃ الاسرار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲

(س)

سنن ابوداؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی	۲۷۵
سنن ترمذی	امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی	۲۷۹
سنن نسائی	امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی	۳۰۳
سنن ابن ماجہ	امام ابوعبداللہ محمد بن زید ابن ماجہ	۲۷۳
سنن کبریٰ للبیہقی	شیخ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸
سنن دارقطنی	شیخ ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی	۳۸۵

السراج الوہاج	محمد صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی	۱۳۰۷
سیر اعلام النبلاء	شیخ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی	۷۴۸
السعایۃ الحلیۃ فی الچشتیۃ العلیۃ	مولوی اشرف علی تھانوی	۱۳۶۲

(ش)

شمائم العنبر	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲
شرح نووی علی المسلم	شیخ یحییٰ بن شرف نووی	۶۷۶
شرح بہجۃ الوردیۃ	ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری	۹۲۶
الشہاب الثاقب	حسین احمد مدنی	۱۳۷۶
شعب الایمان	شیخ احمد بن حسین ابوبکر بیہقی	۴۵۸

(ص)

صحیح بخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶
صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری	۲۶۱
صلاۃ الاسرار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲

(ط)

طبقات المقرئین	شمس الدین محمد بن احمد ذہبی	۷۴۸
طرح التثریب	ابوالفضل عبدالرحیم عراقی	۸۰۶

(ظ)

ظفر الامانی	محمد صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی	۱۳۰۷

(ع)

العقود الدریہ	علامہ سید محمد امین الشہیر بابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
عمدۃ القاری	علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی	۸۵۵
عطایا القدیر	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰

(غ)

غنیۃ المستملی	ابراہیم بن محمد حلبی کبیری	۹۵۶

(ف)

فتاوی بزازیہ	شیخ محمد بن محمد الکردری الشہیر بالبزازی	۸۲۷
فتاوی نعیمیہ	مفتی اقتدار احمد خاں	
فتاوی امجدیہ	صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی	۱۳۶۷
فتاوی عبدالحی	ابوالحسنات علامہ عبدالحی لکھنوی	۱۳۰۴
فتاوی قاضی خاں	علامہ حسن بن منصور قاضی خاں	۵۹۲
فتاوی شارح بخاری	مفتی شریف الحق امجدی اعظمی	۱۴۲۱
فتح الباری شرح بخاری	حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
الفتح الکبیر للسیوطی	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	۹۱۱

فیض القدیر	حافظ محمد عبد الرؤوف مناوی	۱۰۳۱
فتاوی بحر العلوم	مفتی عبد المنان اعظمی	۱۴۳۴
فتاوی حدیثیہ	احمد بن محمد بن حجر ہیتمی	۹۴۷
فتح الباری شرح بخاری	شیخ عبد الرحمٰن بن رجب حنبلی	۷۹۵
فتاوی نوازل	فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی	۳۷۵
فتاوی عالمگیری	جماعت علماء اہل سنت ہندوستان	
فتاوی صدر الافاضل	سید محمد نعیم الدین مراد آبادی	۱۳۶۷
فتاوی رضویہ	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
فتاوی رشیدیہ	مولوی عبد الرشید گنگوہی	۱۳۲۳
فیروز اللغات اردو	مولوی فیروز الدین	

(ق)

القول العجیب فی جواز التثویب	مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا خاں	۱۴۰۲

(ک)

الکشف شافیا	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
کشف الظنون	شیخ مصطفیٰ بن عبد اللہ کاتب چلپی	۱۰۶۷

(گ)

گلستاں	شیخ شرف الدین مصلح سعدی شیرازی	۶۹۱

(ل)

اللالی المصنوعہ	علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی	۹۱۱
لسان المیزان	حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
لغات کشوری	مولوی سید تصدق حسین	

(م)

ماہنامہ برہان دہلی	سعید اکبر آبادی صاحب	
مسالک الحنفاء	علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی	۹۱۱
مسند الفردوس	ابو شجاع شیرویہ بن شہر دار بن شہرویہ دیلمی	۵۰۹
المیلاد النبویہ	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
المقاصد الحسنہ	شیخ محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی	۹۰۲
منیر العین	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
مجمع الزوائد	حافظ علی بن ابو بکر ہیثمی	۸۰۷
مراقی الفلاح	حسن بن عمار شرنبلالی	۱۰۶۹
مرقاۃ المفاتیح	شیخ علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
معرفۃ السنن والآثار	امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸
ملفوظات عزیزی	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹
ملتقی الابحر	ابراہیم بن محمد حلبی کبیری	۹۵۶
مثنوی شریف	علامہ جلال الدین محمد رومی	۶۷۲
ملفوظات اعلیٰ حضرت	مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا خاں	۱۴۰۲

المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبد اللہ حاکم نیسا پوری	۴۰۵
موطا امام مالک	امام مالک بن انس مدنی	۱۷۹
مبسوط سرخسی	شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی	۴۸۳
مجمع الانہر	شیخ عبد الرحمٰن بن سلیمان کلیبولی	۱۰۷۸
معین المفتی والسائل	ابو الحسنات علامہ عبد الحی لکھنوی	۱۳۰۴
مشکوۃ شریف	امام محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی	۷۴۱
محیط برہانی	برہان الدین محمود بن احمد مرغینانی بن مازہ	۶۱۶
المعجم الکبیر للطبرانی	شیخ سلیمان بن احمد طبرانی	۳۶۰

(ن)

نزہۃ القاری شرح بخاری	مفتی شریف الحق امجدی اعظمی	۱۴۲۱
النہر الفائق	سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم حنفی	۱۰۰۵
نہج السلامۃ	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
النیر الشہابی	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۳۴۰
نور اللغات	مولوی نور الحسن نیر کاکوروی	
نہایۃ الدرایات للجزری	شمس الدین ابو الخیر محمد بن محمد جزری	۸۳۳
نوادر الاصول	ابو عبد اللہ محمد بن علی حکیم ترمذی	۲۹۵

(ہ)

ہدایہ	شیخ برہان الدین علی بن ابو بکر مرغینانی	۵۹۳

یادداشت

مطالعہ کے دوران کسی خاص مسئلہ کو محفوظ کرنے کے لئے کتاب کی کسی عبارت کو قلمزد کرنے کے بجائے اس صفحہ کا استعمال کریں۔

مضامین	صفحہ نمبر

گـــ

سیرت رسول عربی
احادیث مبارکہ
انبیاء کرام
فیضان رحمت
ثبت النعیمی
حق کی پہچان
ثبت النعیمی